

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

WWW.IRCPK.COM

أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

هَدَى الرَّسُولُ

الْأَمَّارَ

رَأَى الْمَعَادَى فِي هَدَى خَيْرِ الْعِبَادَةِ

ترجمہ
مولانا عبد الرزاق بلخ آبادی

تالیف
شیخ الاسلام امام ابن قیم



قرآن آسان تحریک (مختصر) لاہور

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

أُسْوَةُ حَسَنَةٍ

هدى الرسول ﷺ

اختصار

زاد المعاد في هدى خير العباد ﷺ

تأليف

شيخ الاسلام امام ابن قيم رحمه الله عليه

ترجمه

مولانا عبدالرزاق ملاح آبادي

قرآن آسان تحریک (رجسٹرڈ)

50۔ لوئر مال نزد M.A.O. کالج لاہور۔

فون : 042 7242265-6

فیکس : 042 7324905



نام کتاب: ”اُسوۂ حسنہ ﷺ“ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد علیہ السلام

مصنف	امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ
اختصار	شیخ محمد ابو زید مصری رحمۃ اللہ علیہ
اردو ترجمہ	مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی رحمۃ اللہ علیہ
ناشر	قرآن آسان تحریک، لاہور
پریس	ہاشمیز پرنٹرز، لاہور
پروف ریڈنگ	حافظ احمد نعیم اسلم
کمپوزنگ	محمد معین
تعداد	5,000
ایڈیشن-3	جون 2006ء
ہدیہ	پے

ہدیہ تشکر

قرآن آسان تحریک^(رحمۃ) کی شوریٰ تہہ دل سے مولوی عبدالحمیدؒ اور ان کے نواسے جاوید اختر لک ولد عطاء اللہ سکنہ کٹھالہ شیخاں کی شکر گزار ہے کہ انہوں نے ایصال ثواب، رفاہ عامہ اور تبلیغ دین کے جذبہ سے کام لیتے ہوئے مولانا مرحوم کے کتب خانہ سے یہ کتاب ہمیں برائے اشاعت فراہم کی۔

قارئین سے درخواست ہے کہ اپنی دعاؤں میں مولوی عبدالحمید مرحوم اور ان کے ورثاء کو یاد رکھیں۔ مولوی عبدالحمید مرحوم تقریباً 50 سال تک ملک کے مختلف مدارس دینیہ میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

WWW.KITABOSUNNAT.COM

اُسوۂ حسنہ کا تعارف

اُسوۂ حسنہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اسلام مکمل طور پر محمد ﷺ کی عملی زندگی میں ہمیں بڑے واضح انداز میں نظر آ جاتا ہے سیرت پر لکھی گئی اس منفرد کتاب کو پڑھنے کے بعد دین نہ صرف سمجھ میں آ جاتا ہے بلکہ کتاب شروع کرنے کے بعد قاری جب تک کتاب ختم نہیں کر لیتا اسے چین نہیں پڑتا اور بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ فقہی موضوعات کیوں نے دین کو بہت الجھا دیا ہے اور ہم دین سمجھنے کے لیے فقہاء کے محتاج ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور ان فقہی بحثوں میں ایک عام قاری انتہائی پیچیدگیوں اور بھول بھلیوں میں پڑ کر دین کی سیدھی اور آسان راہ گم کر دیتا ہے لیکن ”اُسوۂ حسنہ ﷺ“ کی خوبی یہ ہے کہ اس کو پڑھتے ہی آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کسی مسئلے میں شریعت کا اصل حکم کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دین کو آسان قرار دیا ہے اور اس کو قرآن اور سنت نبوی ﷺ کی روشنی ہی میں آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے اور یہ روشنی آپ کو ”اُسوۂ حسنہ ﷺ“ کے مطالعہ کے بعد بڑی آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے قرآن ہمیں سنت کی پیروی کا حکم دیتا ہے اور اس سنت کی عملی تصویر انتہائی دلچسپ انداز میں آپ کو ”اُسوۂ حسنہ ﷺ“ میں مل جائے گی۔

سید محمد عارف

ایم اے اسلامیات، ایم اے عربی، ایم ایڈ

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون
9	دیباچہ از مترجم
11	مقدمہ عالم مصری
11	الدِّینُ یُسِّرُ
12	دین مشکل کب سے ہوا؟
12	اس کتاب اور کتب فقہ میں فرق
14	شریعت قرآن کے اندر ہے
16	سنت نبوی ﷺ
21	علماء کا اعراض
21	ائمہ اربعہ
22	ائمہ کی کتابیں
22	علماء کے فرائض
23	اسلامی شریعت دو قسم کے احکام پر مبنی ہے
25	ائمہ کا مسلک
26	إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ
31	مقدمہ امام ابن قیمؒ
33	فصل
	(عزت و غلبہ مومنوں کیلئے ہے،
	اتباع رسول ﷺ فرض ہے)
38	فصل
	(طیب و خبیث کا بیان،
	سیرت نبوی ﷺ کی ضرورت)
	ولادت، بعثت، اخلاق ﴿باب 1﴾
39	نسب نامہ (رسول خدا ﷺ)
39	ولادت باسعادت

صفحہ	مضمون
40	بچپن اور شباب
40	خلوت پسندی
	بعثت
41	نبوت
41	اقسام وحی
43	مختون و مسرور
44	کس کس کی آغوش میں آپ ﷺ رہے:
44	خادمائیں
45	اولین وحی
45	ترتیب دعوت
46	دو ہجرتیں
47	دین حق کی ترقی
50	آپ کی اولاد
50	آپ کے چچا اور پھوپھیاں
50	امہات المؤمنین
52	آپ کے غلام اور کنیریں
53	آپ کے خدام
53	آپ کے محرم
53	آپ کی شرعی تحریریں
54	خطوط اور قاصد
57	مؤذن
57	عمال
58	محافظ
58	شعراء
58	حدی خوان

صفحہ

مضمون

59	ہتھیارا اور گھر گرتی
60	لباس
62	اکل و شرب
64	ازواج مطہرات کے ساتھ برتاؤ
65	خواب اور بیداری
66	سواری
	اخلاق
66	معاملات اور اخلاق
69	چلنا، بیٹھنا اور ٹیک لگانا
70	قضائے حاجت
71	صفائی
74	گفتگو، خاموشی، ہنسی، رونا
75	خطبہ
77	نام
78	سلام
79	چھینک
80	گھر میں کس طرح داخل ہوتے
80	گھر میں آنے کے لئے اجازت چاہنا
81	مرغوبات و مکروہات
	عبادات
	﴿ باب 2 ﴾
82	وضو
83	تیمم
84	نماز
95	سجدہ سہو
96	نماز کے بعد
97	سُترہ (آڑ)
97	سنن و نوافل
99	سجدہ شکر و سجدہ قرآن

صفحہ

مضمون

100	جمعہ
103	عیدین
105	صلوٰۃ کسوف
106	صلوٰۃ استسقاء
106	سفر
108	قرآن کا پڑھنا اور سننا
109	عبادت
110	کفن، دفن، جنازہ
113	زیارت قبور
115	صدقہ و زکوٰۃ
117	صدقہ فطر
117	خیرات
118	روزہ
121	نفل روزہ
122	اعتکاف
122	حج و عمرہ
133	قربانی و عقیقہ
135	اذان
	اذان کے دوران میں اور
135	اس کے بعد کیا کہا جائے؟
136	جہاد ﴿باب 3﴾
140	(غزوات) غزوہ بدر
145	غزوہ احد
152	غزوہ المربیع
154	غزوہ خندق
158	غزوہ حدیبیہ
161	غزوہ خیبر
162	غزوہ فتح
167	غزوہ حنین
170	غزوہ تبوک
175	وفود عرب

صفحہ

مضمون

176

وفد عبدالقیس

177

وفد بنی حنیفہ

178

وفد نجران

181

صلوۃ خوف

183

مدت سفر

﴿ باب 4 ﴾

القضاء

184

قصاص

185

زنا

186

شراب

186

قیدی

187

مال غنیمت

187

دشمن سے وفاء عہد

188

امان

188

جزیہ

188

سفارش

188

صدقہ کا خریدنا اور کھانا

﴿ باب 5 ﴾

الاحکام

189

نکاح

190

نکاح کی ترغیب

191

عورت کی اجازت

191

اذن ولی

191

مہر

192

حاملہ کا نکاح

193

شروط النکاح

193

شغار

193

تحلیل

194

نکاح محرم

194

چار عورتوں سے زائد

صفحہ

مضمون

194	زوجین سے اگر کوئی اسلام لے آئے
195	بیویوں کے درمیان دونوں کی تقسیم
195	نکاح میں کفو کی شرط
195	اگر عورت یا مرد میں عیب ہو
196	زن و شوہر کے مابین کام کی تقسیم
196	طلاق
197	بیک دفعہ تین طلاق
199	ظہار
200	ایلاء
200	اولاد کا والدین کے مشابہ نہ ہونا
201	طلاق کے بعد بچہ کس کے پاس رہے؟
201	نان و نفقہ
202	نفقۃ الاقارب
203	رضاعت
203	عدت
204	خرید و فروخت
	﴿ باب 6 ﴾
205	تندرستی
205	اسوۂ نبوی
206	بہترین طبیب سے علاج کرانا چاہئے
206	امراض متعدیہ سے تحفظ
206	نیم حکیم
207	بدبغضی
207	اپریشن
207	بیمار کو کھانے کیلئے مجبور نہ کرنا
207	بیمار کا دل بہلانا
208	حرام سے علاج نہ کیا جائے
209	خاتمة الكتاب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَبِیَاقِیْہِ اَنْ هُنَّ جَدْر

امام ابن قیمؒ کی سوانح عمری کے لئے یہ چند ورق ناکافی ہیں البتہ اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ ابن قیم شیعہ الا سلام ابن تیمیہؒ کے شاگرد رشید، زندگی بھر کے رفیق، قید خانے کے ساتھی اور استاد کے بعد ان کے علوم کو نہایت قیمتی اضافہ کے ساتھ بہترین اسلوب پر شائع کرنے والے ہیں متاخرین میں شیخ الاسلامؒ کے بعد ابن قیمؒ کے پایہ کا کوئی محقق اور مسلک سلف کا کوئی ایسا شارح نہیں گزرا، اس لئے ان کی تصانیف کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے۔

ابن قیمؒ نے علاوہ اور قیمتی مصنفات کے ایک جلیل القدر مبسوط کتاب ”زاد المعاد فی ہدی خیر العباد“ کے نام سے فن سیرت میں چھوڑی ہے، یہ کتاب اس قدر مشہور و مقبول ہے کہ اب کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ ابن قیمؒ سے پہلے اور بعد میں بکثرت سیرت نگار گزرے، مگر کسی کو وہ مسلک نہ سوجھا جو انہوں نے زاد المعاد میں اختیار کیا ہے، لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی سوانح عمریاں لکھیں، مگر اس طرح کہ گویا کسی سپہ سالار کی سوانح عمری لکھ رہے ہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ آپؐ کی حیات طیبہ کی ہر ہر بات دکھائی جاتی، جنگوں سے زیادہ اخلاقی و معاشرتی و خانگی حالات بتائے جاتے۔ اور امت کے سامنے اسوۂ حسنہ نبوی ﷺ اس طرح کھول کے رکھا جاتا کہ وہ اپنی زندگی کے مختلف شعبوں اور حالات میں اُس سے شمع ہدایت کا کام لے سکتے۔ ابن قیمؒ نے یہی ضرورت پوری کی۔ اور زاد المعاد تصنیف کر کے ہمیں اس قابل بنادیا کہ آیت کریمہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کے بموجب آسانی سے عمل کر سکیں۔

لیکن چونکہ زادالمعاد بہت ضخیم کتاب تھی اور ہر شخص کے مطالعہ میں آسانی سے نہ آ سکتی تھی، اس لئے ضروری ہوا کہ مختصر کی جائے اور وہ تمام مباحث نکال دیئے جائیں جو زیادہ تر علماء کے مخصوصات ہیں تاکہ براہ راست عوام بھی اس سے فیض یاب ہو سکیں جو اس زمانہ میں اسلام سے بہت دُور جا پڑے ہیں۔ چنانچہ یہ ضرورت بھی مصر کے ایک روشن خیال عالم میرے دوست و رفیق درس شیخ محمد ابوزید نے پوری کردی اور اصل کتاب کا اختصار ”ہدی الرسول“ کے نام سے شائع کر دیا۔ یہ اُردو ترجمہ اسی کتاب کا ہے۔ دعا ہے کہ خدا اسکے ذریعہ مسلمانوں کو اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

عبد الرزاق ملیح آبادی

WWW.KITABOSUNNAT.COM

مقدمہ شیخ محمد ابوزید مصری

حمد اُوسلاماً:

تمام لوگوں پر فرض ہے کہ اللہ واحد کی عبادت کریں۔ اور اُس دین متین کی پیروی کریں جو اللہ نے ان کی دُنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کے لئے نازل فرمایا ہے۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اسوۂ نبوی ﷺ معلوم کیا جائے اور سنت عملی پیش نظر ہو کہ جس کے ذریعہ رسول خدا ﷺ نے اس دین حنیف کی توضیح و تفسیر کی ضرورت ہے کہ آغاز وحی سے تکمیل دین تک پورے زمانہ کی حیاتِ نبوی ﷺ سامنے ہو۔ جو ہمیں مشعل راہ کا کام دے سکے۔

اس موضوع پر سب سے بہتر کتاب، امام ابن قیمؒ کی زاد المعاد ہے جس نے اس مقصد کو نہایت آسان کر دیا ہے۔ مگر چونکہ وہ بہت طویل تھی۔ اور ہر کس و ناکس کے مطالعہ میں نہ آ سکتی تھی اس لئے میں نے اسے مختصر کر دیا، تاکہ نفع عام ہو اور ہر کوئی فیض یاب ہو سکے۔

اَلْدِّیْنُ یُسْرُ:

صدرِ اوّل میں دین کا علم و تعلیم بالکل آسان تھا۔ علما سنت نبوی کا علم حاصل کرتے، پہلے خود عمل کرتے، پھر اپنا عملی نمونہ امت کے سامنے پیش کرتے، اور عمل کا مطالبہ کرتے۔ امت کے افراد ان کی حالت دیکھ کر متاثر ہوتے اور خود بھی عمل کرنے لگتے، درمیان میں کوئی چیز سبّ راہ نہ ہوتی۔ اُس وقت امت کے لئے دین کا معاملہ بالکل آسان تھا، کیونکہ اوّل تو خود یہ دین ہی بہت آسان، صاف، مفید اور ہر طرح کے اختلاف اور گجھلک سے دور ہے، پھر اُس زمانہ کے علما کا عملی نمونہ خاص طور پر مؤثر تھا۔ لوگ علما کا عمل دیکھتے تو خود بھی شوق پیدا ہوتا اور ان کی اتباع و پیروی پر لگ جاتے۔ اُس وقت کے علما رسولؐ کے واقعی جانشین اور

امت کے لئے قد وہ نمونہ تھے۔

دین مشکل کب سے ہوا؟

دین کا معاملہ اُس دن سے پیچیدہ اور مشکل ہو گیا۔ جب سے علما نے طریقہ نبوی ﷺ یعنی عملی تعلیم سے روگردانی کی اور کتب فقہ کے مجادلات اور قیل وقال کو اپنا شیوہ بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف جتنے اور فرقے قائم ہو گئے ہر فریق نے اپنے طریقے کی حمایت میں بکثرت کتابیں لکھیں، یہی نہیں بلکہ ان کتابوں کی شرحیں تیار کیں، پھر شرحوں پر حاشیے چڑھائے، پھر حاشیوں پر بھی حاشیے لگائے۔ اسی قدر نہیں بلکہ خود اپنی بھی تقسیم کردی، اور مختلف مدارج و مراتب قائم کر دئے مجتہد مطلق، مجتہد مذهب، مفتی مذهب، مرجع مذهب، مقلد مذهب۔ پھر ستم یہ کیا کہ مخلوق خدا کو مجبور کرنے لگے کہ دین کو صرف ان کی کتابوں سے حاصل کریں اور اُن قیود و شروط و رموز پر کار بند ہوں جو انہوں نے اپنی عقل و رائے سے قرار دے رکھے ہیں، بے شمار قیدیں اور شرطیں ہیں، انسان دیکھتے ہی گھبرا جاتا ہے اور کسی طرح سمجھ نہیں سکتا کہ ان میں حق کتنا ہے اور باطل کتنا۔

اس کتاب اور کتب فقہ میں فرق:

اگر آپ اس کتاب اور کتب فقہ کے مابین موازنہ کریں گے۔ تو صاف طور پر نمایاں فرق پائیں گے، کوئی باب لے لیں، مثلاً باب وضو، غسل، تیمم۔ اس کتاب میں دیکھتے ہی آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان مسائل میں شریعت کا حکم کیا ہے، حالانکہ ”جامعة الازھر“ میں ہم نے باب وضو تین مہینے میں پڑھا۔ مگر وضو کی حقیقت و سہولت سمجھ میں نہ آئی، یہاں تک کہ اس کتاب نے آنکھوں پر سے پردہ ہٹایا۔ ہم میں بہت سے ”جامعة الازھر“ میں بارہ بارہ اور پندرہ پندرہ برس رہتے ہیں اور مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی اکثر کتابیں پڑھ جاتے ہیں، یہاں تک کہ فضیلت کی سند بھی مل جاتی

ہے لیکن جب آخر میں غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اتنی کتابیں رٹ جانے کے خود اُس مذہب کی بھی تحقیق حاصل نہیں ہوئی، دوسرے مذاہب کی تحقیق اور تفسیر وحدیث کا علم تو بہت دُور رہا۔ چنانچہ ہم ہمیشہ حیرت و اضطراب میں پڑے رہتے ہیں اور اختلافی مسائل میں طریق ترجیح تک نہیں جانتے ۱۔ جب علما کی یہ حالت ہے تو عوام کو کیونکر مجبور کیا جا سکتا ہے کہ ان کتابوں پر چلیں؟ حالانکہ وہ اپنے علما کی یہ حالت دیکھتے ہیں اور اپنے سامنے کوئی ایسا عملی نمونہ نہیں پاتے جس کی پیروی کی رغبت ہو۔ دین کے مشکل ہو جانے کی بڑی وجہ درحقیقت یہ ہے کہ اس کا حاصل کرنا اُن بڑی بڑی ضخیم کتابوں پر موقوف ہو گیا ہے جو عبارت ہیں متعارض اقوال، پیچیدہ مسائل اور گونا گوں قیود و شروط سے۔ چنانچہ اُن کے اندر فرائض ہیں، واجبات ہیں، مستحبات ہیں، مبطلات ہیں، پھر مکروہات کا سلسلہ ہے۔ کراہیت تحریمی ہے، کراہت تنزیہی ہے، غرضیکہ کتب فقہ کا ہر باب اس طرح کی بے شمار اصطلاحات سے بھرا ہوا ہے، باب وضو ہو یا باب صلوٰۃ، نکاح ہو یا طلاق ہر جگہ یہ اور اسی قسم کے الفاظ نظر آتے ہیں، جن سے بجز تشویش ذہن کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ان کتابوں میں طرح طرح کے ایسے مسائل موجود ہیں جو کبھی واقع نہیں ہوتے، وہ محض فرض و تخمین کی پیداوار اور ذہن و دماغ کی اختراع ہیں، ان سے کوئی علم بھی حاصل نہیں ہوتا البتہ دماغ پریشان اور فکر پرانگندہ ہوتی ہے، ظاہر ہے، عوام نہ انہیں سمجھ سکتے ہیں اور نہ اُن پر عمل ہی کر سکتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ نہ تو خدا کے احکام ہیں اور نہ اُن پر کاربند ہونے کا اُس نے حکم دیا ہے۔

۱۔ جب علماء مصر کی یہ حالت ہے جو اس وقت دنیائے اسلام میں خاص علمی و جاہت رکھتے ہیں اور جن کی "جامعہ ازہر" دنیا بھر میں مشہور ہے، تو ہندوستان میں مذہبی علوم کے پڑھنے والوں کی کیا حالت ہوگی؟ (مترجم)

شریعت قرآن کے اندر ہے:

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کیلئے صرف قرآن مجید نازل کیا اور حکم دیا ہے:

اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ (الاعراف: 3)

”لوگو جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو مگر تم نصیحت کم ہی مانتے ہو“ اور فرمایا:

وَ اتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمْ الْعَذَابُ بُعْتَةً ۚ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ أَنْ تَقُولَ نَفْسٌ يُحَسِّرُنِي عَلَىٰ مَا فَرَطْتُ فِي حَنْبِ اللَّهِ وَإِنْ كُنْتُ لِمَنْ السَّخِرِينَ ۝ أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝ بَلَىٰ قَدْ جَاءَ نَكَائِي فَكَذَّبْتُ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتُ وَكُنْتُ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝

(الزمر: 55-59)

”اور پیروی اختیار کر لو اپنے رب کی بھیجی ہوئی کتاب کے بہترین پہلو کی قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی شخص کہے ”افسوس میری اُس تقصیر پر جو میں اللہ کی جناب میں کرتا رہا بلکہ میں تو اللہ مذاق اڑانے والوں میں شامل تھا“۔ یا کہے ”کاش اللہ نے مجھے ہدایت بخشی ہوتی تو میں بھی متقیوں میں سے ہوتا“۔ یا عذاب دیکھ کر کہے ”کاش مجھے ایک موقع اور مل جائے اور میں بھی نیک عمل کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں۔“ (اور اُس وقت اسے یہ جواب ملے کہ) ”کیوں نہیں تیرے پاس میری آیات آچکی تھیں پھر تو نے انہیں جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو کافروں میں سے تھا“۔

اور فرمایا:

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝ (الزمر: 17-18)

”پس (اے نبی ﷺ) بشارت دے دو میرے ان بندوں کو جو بات کو غور سے سنتے ہیں اور اس کے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے اور یہی دانش مند ہیں“ اور فرمایا:

اللَّهُ نُزِّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَىٰ اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن هَادٍ ۝ (الزمر: 23)

”اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزاء ہم رنگ ہیں اور جس میں بار بار مضامین دہرائے گئے ہیں۔ اُسے سن کر ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے وہ راہ راست پر لے آتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور جسے اللہ ہی ہدایت نہ دے اس کے لیے پھر کوئی ہادی نہیں ہے“

اور فرمایا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ۝ (القمر: 17)

”ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان ذریعہ بنا دیا ہے، پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟“

اور فرمایا:

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ (الدخان: 59)

”اے نبی ﷺ ہم نے اس کتاب کو تمہاری زبان میں سہل بنا دیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔“ اور فرمایا:-

قُرْ اَنَا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ (الزمر: 28)
”ایسا قرآن جو عربی زبان میں ہے، جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ہے، تاکہ یہ بُرے انجام سے بچیں“

سنت نبوی ﷺ:

پھر اللہ تعالیٰ نے سب پر فرض کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ہدایت حاصل کریں کیونکہ وہ کلام الہی کی شارح اور مفسر ہے۔ فرمایا:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (النحل: 44)

”اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اُس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لیے اُتاری گئی ہے اور تاکہ لوگ (خود بھی) غور و فکر کریں“ اور فرمایا:

وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ (النحل: 64)

”ہم نے یہ کتاب تم پر اس لیے نازل کی ہے کہ تم اُن اختلافات کی حقیقت ان پر کھول دو جن میں یہ پڑے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب رہنمائی اور رحمت بن کر اُتری ہے اُن لوگوں کے لیے جو اسے مان لیں“ اور فرمایا:

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجُنَابَكْ شَهِيدًا ۚ اَلٰى هَٰؤُلَاءِ ط وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝ (النحل: 89)

”(اے نبی ﷺ انہیں اُس دن سے خبردار کر دو) جب کہ ہم ہر امت میں خود اُسی کے اندر

سے ایک گواہ اٹھا کھڑا کریں گے جو اُس کے مقابلہ میں شہادت دے گا اور ان لوگوں کے مقابلے میں شہادت دینے کے لیے ہم تمہیں لائیں گے۔ اور (یہ اسی شہادت کی تیاری ہے کہ) ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے اور ہدایت و رحمت اور بشارت ہے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے سر تسلیم خم کر دیا ہے“ اور فرمایا:

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ (یوسف: 111)

”یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جا رہا ہے یہ بناوٹی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہوئی ہیں انہی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت“ اور فرمایا:

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۖ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝ (ابراہیم: 1)

”یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ، اُن کے رب کی توفیق سے اُس خدا کے راستے پر جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے“ اور فرمایا:

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

(الحديد: 9)

”وہ اللہ ہی تو ہے جو اپنے بندے پر صاف صاف آیتیں نازل کر رہا ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے“ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے“ اور فرمایا:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ
اللَّهُ ط (النساء: 105)

”اے نبی ﷺ ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ نے تمہیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو“ اور فرمایا:

قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي ۚ هَذَا بَصَإُ مِمَّنْ رَّبَّكُمْ
وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ (الاعراف: 203)

”ان سے کہو“ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب نے میری طرف بھیجی ہے۔ یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو اسے قبول کریں“ اور فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: 21)

”درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ تھا“ اور فرمایا:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَلَيِّنَنِي أَتَّخَذْتُ مَعَ
الرَّسُولِ سَبِيلًا ۚ يُؤْيَلَنِي لَيِّنَتْنِي لَمْ أَتَّخِذْ فَلَانًا خَلِيلًا ۚ وَقَالَ
الرَّسُولُ يَرْبُ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝

(الفرقان: 27-28-30)

”جس دن ظالم انسان اپنے ہاتھ چبائے گا اور کہے گا“ کاش میں نے رسول کا ساتھ دیا ہوتا۔ ہائے میری کم بختی، کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا اور رسول کہے گا کہ“ اے میرے رب میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو نشانہء تضحیک بنا لیا تھا“ اور فرمایا:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ
اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذٍ ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ
عَنْ أَمْرِهِ ۚ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (النور: 63)

”مسلمانو، اپنے درمیان رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کا سا بھلا نا نہ سمجھ بیٹھو۔ اللہ اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں ایسے ہیں کہ ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے“ اور فرمایا:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَاكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۖ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ ۖ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ۝ (النساء: 41-42)

”پھر سوچو کہ اُس وقت یہ کیا کریں گے جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر تمہیں (یعنی محمد ﷺ کو) گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے اُس وقت وہ سب لوگ جنہوں نے رسول کی بات نہ مانی اور اس کی نافرمانی کرتے رہے، تمنا کریں گے کہ کاش زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائیں۔ وہاں یہ اپنی کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے“ اور فرمایا:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ۖ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ (الحشر: 7)

”اور جو کچھ رسول ﷺ تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رُک جاؤ۔ اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے“ اور فرمایا:

وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ (الاعراف: 158)

”اور پیروی اختیار کرو اس کی امید ہے کہ تم راہِ راست پا لو گے“ اور فرمایا:

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذَلِكُمْ وَصَّكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (الانعام: 153)

”نیز اُس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اُس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے۔ یہ ہے وہ ہدایت جو تمہارے رب نے تمہیں کی ہے شاید کہ تم کج روی سے بچو“

صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیات قرآنی اتباع سنت نبوی ﷺ کی دعوت دیتی ہیں، اور گھلے لفظوں میں بتاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خدا کے پیامبر اور احکام ربانی کے شارح تھے آپ ہی شریعت کے حامل، آپ ہی شریعت کے محرم راز اور آپ ہی اس کے مفسر تھے، آپ کی اتباع سے انسان کو بصیرت حاصل ہوتی ہے، تاریکی دور ہو جاتی ہے، نور ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ وَسُبْحَنَ اللَّهُ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (یوسف: 108)

”تم ان سے صاف کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی اور اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔“

کیا یہ کافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے صراطِ مستقیم کی پیروی کا حکم دیا اور دوسری راہوں کو اختیار کرنے سے منع کر دیا کہ جن پر چلنے سے آدمی بھٹک جاتا ہے، اور ہدایت گم ہو جاتی ہے، اوپر کی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا صراطِ مستقیم کیا ہے؟ یہی سنت نبوی ﷺ اور اسوۂ حسنہ نبوت کہ جس کے بغیر دین کی حقیقت کسی طرح بھی منکشف نہیں ہو سکتی۔ یہ راستہ بالکل صاف و سہل ہے، سیدھا ہے، پیچ و خم نام کو نہیں، اُس پر چلنے والے دوش بدوش چلتے ہیں، متفق رہتے ہیں کٹے کٹے اور الگ الگ نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسَتْ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ
أَنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ (الانعام: 159)

”جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں، ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے، وہی اُن کو بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے“

علماء کا اعراض:

لیکن بایں ہمہ جب ہم علماء کو دعوت دیتے ہیں کہ آؤ، لوگوں کو اس ہدایت کی تلقین کرو، اس صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دو، تا کہ سب ایک پیشوا کے زیرِ علم آجائیں جو اُن میں اتفاق اور یکانیت پیدا کر کے اختلاف و افتراق کو دور کر دے، اور دین اسلام اپنی تمام سہولتوں کے ساتھ جلوہ گر ہو اور اپنے عمل کی آسانیوں کے ساتھ مغرب و مشرق اور شمال و جنوب میں سیل رواں کی طرح پھیل جائے۔ جب یہ صدا بلند کی جاتی ہے تو ادھر سے جواب ملتا ہے ”تم اجتہاد کی دعوت دیتے ہو، مذہبِ اربعہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتے ہو، ائمہ اربعہ کے فضل و تقدس پر حرف گیری کرتے ہو، یہ کرتے ہو وہ کرتے ہو۔۔۔!“ حالانکہ ہم کوئی نئی بات نہیں کہتے، صرف وہی کہتے ہیں جس کا بار بار خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، یعنی سُنّتِ نبوی ﷺ کی پیروی۔

ائمہ اربعہ:

ائمہ اربعہ کو ہم کیسا سمجھتے ہیں؟ اپنا سرتاج! ہمارا یقین ہے کہ ائمہ اربعہ اور اُن کے قبل و بعد کے تمام ائمہ کا ہم مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے، انہوں نے دین کی حفاظت کی اور بے کم و کاست ہم تک پہنچا دیا، لہذا ہم ان کی حد سے زیادہ تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور ہمیشہ ان کے احسانات کے شکر گزار رہتے ہیں۔ لیکن اس کے معنی یہ نہ ہونا چاہئے کہ ہم اُن کی آراء و اقوال کو رسول اللہ ﷺ کے اقوال پر ترجیح دینے لگیں۔ خود ائمہ نے بھی ہمیں ایسا کرنے سے منع کیا ہے، اور حکم دیا ہے کہ رسول ﷺ کا قول سامنے آجائے تو ہمارے قول کو چھوڑ دو۔ کیوں نہیں، یہ

لوگ سنت کے سب سے زیادہ پابند اور سب سے بڑے داعی تھے۔

ائمہ کی کتابیں:

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان ائمہ نے محض اپنی آراء و اقوال کیلئے مذہبی کتابیں تصنیف کیں، اور مسلمانوں کو ان کی پیروی کی ہدایت کی، بلاشبہ ہر ایک نے اُن احادیث کی ایک ایک مندرجہ چھوڑی ہے جو اُن تک پہنچی تھیں، اور جن سے وہ مسائل کا استنباط کرتے تھے، باقی اور جس قدر کتابیں اُن کی طرف منسوب ہیں، اُن کی نہیں ہیں، بعد کے لوگوں نے تصنیف کی ہیں، تاکہ ان کے اجتہادات مدون کریں اور ان کے فتاویٰ پھیلائیں پھر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، ان کتابوں کی تعداد بڑھتی گئی، لوگوں نے نئے مسائل اور نئے احکام کا اختراع شروع کر دیا، یہاں تک کہ ہزار ہا مجلدات کا ذخیرہ جمع ہو گیا کہ جن کے مؤلفین، شارحین اور حاشیہ لکھنے والوں کے ناموں کا شمار بھی مشکل ہے۔

کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ کتابیں کتب خانوں میں بطور تاریخی یادگاروں کے محفوظ رکھی جائیں اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ علما ان سے ورزش و ذہن اور توسیع فکر کا فائدہ اٹھائیں، اور اختلاف حالات سے پیدا ہو جانے والے مسائل میں ان کے مؤلفین کی آراء سے بصیرت حاصل کریں۔

علما کے فرائض:

ہر زمانہ میں علما کا فرض ہے کہ قوم کی سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، اخلاقی ضرورتوں پر غور کریں، وسائل ترقی معلوم کریں اور امت کیلئے ایسے اصول و قواعد وضع کریں جو اصول دین کے مطابق ہوں۔

۱۔ لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نام سے جو مسند مشہور ہے وہ ان کی نہیں، امام صاحب نے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی۔ (مترجم)

اسلامی شریعت دو قسم کے احکام پر مبنی ہے:

ایک قسم تو ایسے احکام کی ہے جن میں کبھی تغیر و تبدل نہیں ہوتا، وہ ہمیشہ ایک حالت پر رہتے ہیں، جیسے روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ عبادات کہ جن کی ایک خاص شکل اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دی ہے جس میں کسی تبدل کی گنجائش نہیں۔ اور پھر اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں کیونکہ یہ عبادات اپنی موجودہ ہیئت و احکام کے ساتھ ہی مفید ہیں، یہ ہمیں یک جہتی کی طرف لے جاتی ہیں ہمارے اندر نظام اور ڈسپلین (DISCIPLINE) پیدا کرتی ہیں، ہمیں ان تمام اجتماعی ترقیوں کے لئے تیار کرتی ہیں جو ہر زندہ قوم کے لئے ضروری ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں جو احکام اول دن سے دے دیئے ہیں، وہی ہمیشہ ہمیشہ باقی رہیں گے، زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

دوسری قسم ان احکام و مسائل کی ہے جو امت کے عام دنیاوی حالات و معاملات سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً صلح و جنگ، بین الاقوامی تعلقات، تعلیم و تربیت، تجارت، صنعت و حرفت، تعزیرات وغیرہ ظاہر ہے کہ حالات کبھی ایک حالت پر نہیں رہتے، ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ان کے بارے میں شریعت کے احکام بھی اٹل نہ ہوں، چنانچہ شریعت نے یہی کیا ہے، اس نے ان کے لئے عام اصول و قواعد تو وضع کر دیئے ہیں لیکن جزئی و تفصیلی احکام دینے سے احتراز کیا ہے تاکہ امت کے لئے دنیاوی ترقیوں کا راستہ پوری طرح کھلا رہے۔

ایک طرف شریعت نے یہ کیا اور دوسری طرف علما اور محققین اور دانشوروں پر فرض کر دیا کہ مختلف حالات میں اپنے فہم و اجتہاد سے قوانین بناتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ سے اہل شریعت اپنے زمانہ کے حالات کے لئے قوانین وضع کرتے تھے جن میں ان کی اصول کی پابندی ملحوظ رہتی تھی جو اللہ کی شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں۔ یہ اصول اپنے معانی و مفہوم میں اتنے وسیع و ہمہ گیر ہیں کہ ان تمام گونا گوں حالات کو محیط ہو جاتے ہیں جو زمانہ

گزر نے کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔

پس ہمارے زمانہ کے علما کا بھی فرض ہے کہ امت کی باگیں اپنے ہاتھ میں لیں، شریعت کے کلی اصول کے ماتحت حسب ضرورت نئے نئے قوانین بنائیں، یہ نہ ہو کہ ہر نئی بات کے سامنے پتھر کی طرح سخت ہو جائیں۔ اور قوم پر ترقی کا راستہ بند کرنے لگیں، کافر و فاسق ہونے کے فتوے جیسوں میں لئے پھریں، اور ہر مخالف کو ملحد و زندیق کے نام سے پکارنے لگیں، نیز ایسے بھی نہ ہو جائیں کہ ہر مغربی چیز کے دلدادہ بن جائیں، اور تقلید یورپ میں شریعت اور خصوصیات امت کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں کی بربادی کا باعث بنیں۔ بلکہ اُن کا راستہ درمیانی اور معتدل راستہ ہو، نہ افراط ہو نہ تفریط، ایک طرف امت کا رشتہ شریعت سے جوڑے رہیں، دوسری طرف زندگی کے تمام شعبوں میں اس کی رہنمائی و قیادت کریں۔ اس صورت میں کتب فقہ علما کے لئے مفید ہو سکتی ہیں، وہ انہیں دیکھیں اور معلوم کریں کہ دوسرے زمانوں میں علما نے کس طرح قانون بنائے، نئے حالات میں کیا حکم دیئے، اگر ان کے قوانین و فتاویٰ میں اس زمانہ کے علما کو کوئی چیز پسند آجائے اور سمجھیں کہ آج بھی امت کیلئے مفید ہوگی، فوراً لے لیں، یا کچھ قطع و برید کر کے مناسب حال بنالیں ورنہ چھوڑ دیں۔

یہ تو کسی حال میں بھی درست نہیں کہ ہم ان کتابوں کو مقدس مان کر ان کی عبادت شروع کر دیں، ان کی سطر سطر کو جی سمجھیں اور اختلاف کرنے کو ناقابل معافی گناہ سمجھیں لیکن افسوس ہمارے زمانہ کے علما نے امت کی رہنمائی کا فرض بالکل پس پشت ڈال دیا ہے، اپنے اوپر عجز و نااہلی کی مہر لگالی ہے، تقلید کو شیوہ بنا لیا ہے، تن آسانی کے دلدادہ ہو رہے ہیں، اسی لئے محنت کرنے کی بجائے ان کتابوں ہی کو قبلہ حاجات قرار دے دیا ہے اور ان کی غلامی و اسیری کچھ اس طرح بھاگتی ہے کہ آزادی کا نام تک نہیں لیتے۔ افسوس ہمارے علما خود پست ہو گئے ہیں، امت کی پستی کا باعث ہوئے ہیں اور اپنی تنگدلی و تنگ نظری سے خود مذہب کو پست کر رہے ہیں! پھر تم یہ ہے کہ تمام مسلمانوں پر ان کتابوں کی اتباع اور ان کے مصنفین

کی تقلید ضروری ٹھہراتے ہیں؛ اگر کوئی روگردانی کرے اور کہے میرے لئے کتاب اللہ وسنت رسول کفایت کرتی ہے تو اس پر زندقہ ہونے اور ملت سے خارج ہونے کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ ائمہ کرام نے اسے نہ کبھی پسند کیا نہ اس پر عمل کیا اور نہ کسی کو ایسا کرنے کا حکم ہی دیا۔

ائمہ کا مسلک:

ائمہ کا مسلک تو یہ تھا کہ دین کے اندر اُس وقت تک کوئی بات قبول نہ کرو جب تک کہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ سے اس کے لئے دلیل نہ پالو، انہی میں سے ایک جلیل القدر امام کا قول ہے ا۔

”إِذَا وَجَدْتُكُمْ قَوْلِي بِخِلَافِ قَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ فَاصْصِرْ بُوَابَ قَوْلِي عَرْضُ الْحَائِطِ.“

(اگر میرے کسی قول کو قول رسول ﷺ کے خلاف پاؤ، تو میرے قول کو پھینک دو)

”كُلُّ كَلَامٍ يُؤْخَذُ مِنْهُ وَيَرُدُّ عَلَيْهِ إِلَّا كَلَامَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ“

(ہر ایک کا قول مانا اور رد کیا جاسکتا ہے بجز قول رسول ﷺ کے) کیونکہ رسول ﷺ اگر کہتے ہیں تو وحی پا کر کہتے ہیں جو غلطی سے مبرا ہے۔ ایک امام نے ایک شخص کو دیکھا کہ ان کی گفتگو لکھ رہا ہے، تو منع کیا اور کہا:

”اتَّكْتُبُ عَنِّي رَأْيًا فَتَجْعَلُهُ دِينًا لِلنَّاسِ وَرُبَّمَا أَرْجِعُ عَنْهُ عَذًا“

(میرے خیالات لکھ رہے ہوتا کہ لوگوں کے لئے شریعت بنا دو، حالانکہ بہت ممکن ہے کہ کل میں ہی انہیں بدل دوں) یہ ہیں ائمہ کے اقوال!

ا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے (مترجم)

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ط

شریعت کا دار و مدار صرف اللہ تعالیٰ پر ہے، وہی حاکم مطلق ہے، اسی نے ہدایت کے ساتھ رسول ﷺ کو بھیجا، پس رسول ﷺ زمین پر اُس کے نائب ہیں۔ اور رسول ﷺ امام اعظم ہیں، کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں جب تک دین کا معاملہ خود رسول ﷺ کے ساتھ نہ کرے اختلافات میں اسی طرف رجوع نہ کرے اور اس کے فیصلہ پر بے چون و چرا اس سر تسلیم خم نہ کر دے۔ فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ه (النساء: 65)

”نہیں“ اے محمد ﷺ تمہارے رب کی قسم یہ بھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سر تسلیم کر لیں“ اور فرمایا:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ط (یوسف: 40)

”فرمانروائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے“ اور فرمایا:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ط (الشورى: 10)

”تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو اُس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے“ اور فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ ط (الفتح: 10)

”اے نبی ﷺ جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے“

اور فرمایا:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ج (النساء: 80)

”جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی“

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ
أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا

(النساء: 69-70)

”جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین، کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔ یہ حقیقی فضل ہے جو اللہ کی طرف سے ملتا ہے اور حقیقت جاننے کے لیے بس اللہ ہی کا علم کافی ہے“ اور فرمایا:

وَاغْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ (ال عمران: 103)
”سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو“ اور فرمایا:

وَمَنْ يَغْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

(ال عمران: 101)

”جو اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے گا وہ ضرور راہ راست پالے گا“ اور فرمایا:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ
تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝

(النساء: 59)

”پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں تنازعہ ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے“ اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا
اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ (الحجرات: 1)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اللہ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ سے

ڈرو اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے“ اور فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا (الاحزاب: 36)

”کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اُس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اُسے اپنے اُس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا“ اور فرمایا:

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ؕ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (النور: 51)

”ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ رسول ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

اور فرمایا:

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ ؕ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (النور: 54)

”کہو اللہ کے مطیع بنو اور رسول کے تابع فرمان بن کر رہو۔ لیکن اگر تم منہ پھیرتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ رسول ﷺ پر جس فرض کا بار رکھا گیا ہے اُس کا ذمہ دار وہ ہے اور تم پر جس فرض کا بار ڈالا گیا ہے اُس کے ذمہ دار تم۔ اُس کی اطاعت کرو گے تو خود ہی ہدایت پاؤ گے۔ ورنہ رسول ﷺ کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ صاف صاف حکم پہنچا دے“ اور فرمایا:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ
ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۚ فَإِنْ
تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝

(ال عمران: 31-32)

”اے نبی ﷺ لوگوں سے کہہ دو کہ ”اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ ان سے کہو کہ ”اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کرو“۔ پھر اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے۔

جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں“ کہا جائے گا۔ کہ دین کا قرآن و سنت سے اخذ کرنا عوام کی طاقت سے باہر ہے یہ سچ ہے۔ لیکن ہم نے کب کہا کہ وہ اجتہاد کریں اور قرآن و حدیث سے احکام اخذ کرنے بیٹھیں۔ ہمارا خطاب عوام سے نہیں ہے، ہم تو صرف علما سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ دین کو اس کے اصلی سرچشمہ سے لے کر عوام کو بتائیں۔ یہاں اجتہاد و استنباط کا سوال ہی نہیں۔ سنت نبوی ﷺ بالکل صاف ہے اس میں کسی اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں ہاں! ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ علما پہلے اس کی خود پیروی کرنے والے بنیں پھر عوام کے سامنے آئیں اور بتائیں کہ دین یہ ہے فلاں بات نبی ﷺ نے یوں کی اور فلاں یوں نبی نے نماز اس طرح پڑھی پھر خود نماز پڑھ کر دکھائیں نبی ﷺ نے وضو یوں کیا اور خود وضو کر کے دکھائیں نبی ﷺ نے جو باتیں عمر بھر کیں خود بھی ہمیشہ کریں اور جو کبھی کیں اور کبھی ترک کر دیں خود بھی اسی طرح کریں ظاہر ہے نبی ﷺ نے یہ سب ہماری ہدایت کے لئے کیا تھا ہم بھی ویسا ہی کریں اور ویسا ہی عوام کو بتائیں تاکہ امت واقعی طوز پر ہدایت یاب ہو عمل میں برکت پائے اور جو کچھ کرے علم و بصیرت کے ساتھ کرے۔ فرمایا:

”وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ط إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝ (بنی اسرائیل: 36)

”کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے“

آخر میں اس کتاب کی جانب سب کو دعوت دیتا ہوں، جس میں اسوۂ حسنہ نبوی ﷺ بوجہ احسن بیان کیا گیا ہے۔ میری دعوت مذہبی مدارس کو ہے کہ اسے نصاب میں داخل کریں، واعظوں کو ہے کہ اس سے وعظ وارشاد میں کام لیں۔ میں تمام مسلمانوں کو دعوت دیتا ہوں کہ خود اسے پڑھیں، اور جہاں تک ممکن ہو اس کی اشاعت کریں، تاکہ دین کا معاملہ آسان ہو جائے، مشکلات راہ سے ہٹ جائیں، اور عام مسلمانوں کو کتب فقہ اور ان کے معتقدین سے قطعی طور پر نجات مل جائے۔

”فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ ط وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ط وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ۝“

عبدالرزاق یلیح آبادی

WWW.KITABOSUNNAT.COM

مقدمہ امام ابن قیمؒ

رَبِّ يَسْرُوا عَيْنِ يَا كَرِيمُ - وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ
الْأَمِينِ - وَعَلَى إِلِهِ الْأَكْرَمِينَ - الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَلَا عُذْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ :-

قیامت کے دن بندے سے دو سوال ہوں گے: کس کی عبادت کرتے تھے؟ رسول پر ایمان لائے تھے؟ پہلے سوال کا جواب ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہوگا، بشرطیکہ اس کی معرفت ہو اس پر ایمان ہو اور اس کے بموجب عمل ہو۔ دوسرے کا جواب ————— ”أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ“ ہوگا، بشرطیکہ معرفت ایمان، اطاعت اور فرمانبرداری کی شہادت ساتھ ہو۔

محمد ابن عبد اللہ ﷺ خدا کے بندے، رسول، وحی کے حامل، مخلوقات میں بزرگ ترین، اللہ اور بندے کے مابین سفیر ہیں، آپ دین تویم، صراطِ مستقیم کے ساتھ مبعوث کئے گئے، عالمین کے لئے رحمت، متقین کے لئے امام اور تمام مخلوق پر حجت بنائے گئے۔ رسولوں کے آخر میں تشریف لائے سب سے زیادہ روشن چراغ ہدایت ہاتھ میں لائے اور انسانوں کو سیدھے راستہ کی طرف پھیر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں پر آپ کی اطاعت، توقیر، تعظیم اور محبت واجب کر دی، جنت کی تمام راہیں بند کر کے صرف ایک اپنے رسول ﷺ کی راہ کھلی رہنے دی کہ جس پر چل کر آدمی وہاں پہنچ سکتا ہے، پھر آپ کا شرح صدر کیا، تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے اور ذلت و خواری کی مہر ان پر لگا دی جو آپ کی مخالفت کریں چنانچہ مسند امام احمدؒ کی حدیث ہے۔

”عَنْ أَبِي مُنِيبٍ ۖ الْجَرَّ شَيْءٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ ۖ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بُعِثْتُ بِالسَّيْفِ بَيْنَ يَدَيِ

السَّاعَةِ حَتَّى يُعْبُدَ اللَّهَ وَخَدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ
ظِلِّ رُمْحِي وَجُعِلَ الذَّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلَى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي وَمَنْ
تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ“

”قیامت کے روبرو مجھے بھیجا گیا تاکہ صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کی پرستش کی جائے میرا
رزق میرے نیزے کے سائے تلے کیا گیا ذلت و خواری اُن پر نازل کر دی گی جو میری
مخالفت کریں جو کسی قوم کی ریت رسم اختیار کرے گویا اُسی میں سے ہے“
جس طرح ذلت مخالفوں کے حصّہ میں آئی اُسی طرح عظمت و برتری مومنین کے حصّہ
میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

(ال عمران: 139)

دل شکستہ نہ ہو غم نہ کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو“ اور فرمایا:

وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ (المنافقون: 8)

”اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین کے لیے ہے“ اور فرمایا:

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ۔

(محمد: 35)

”پس تم کمزوری نہ دکھاؤ اور صلح کی درخواست نہ کرو۔ تم ہی غالب رہنے والے ہو۔ اللہ

تمہارے ساتھ ہے“ اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

(الانفال: 64)

”اے نبی ﷺ تمہارے لیے اور تمہاری اتباع کرنے والے مومنین کے لیے تو اللہ کافی ہے“

رسول اللہ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں جب تک وہ مجھے اپنی

ذات اپنی اولاد اپنے والدین اور دنیا بھر سے زیادہ محبوب نہ بنالے۔ نیز خداوند عالم نے قسم کے ساتھ کہا کہ وہ شخص مومن نہیں جو رسول ﷺ کو اپنے تمام اختلافات میں حُکْمِ نہ قرار دے، پھر اس کے فیصلہ پر راضی نہ ہو جائے، ایسا راضی ہونا کہ دل میں ذرا بھی تنگی نہ ہو اور اُس کے حکم کے آگے گردن جھکا دے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط (الاحزاب: 36)

”کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اُس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اُسے اپنے اُس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے“

پس مومن کو حکم نبوی ﷺ کے بعد اختیار نہیں رہتا کہ اپنی مرضی کو دخل دے، کیونکہ حکم نبوی ﷺ اٹل ہے، کسی کے لئے جائز نہیں کہ اس کے سوا کسی اور کے حکم کی پیروی کرے۔

اللہ یہ کہ وہ شخص وہی حکم دے جو نبی ﷺ نے دیا ہے، اس صورت میں اس کی حیثیت گویا ایک مبلغ و مخبر کی ہوگی حاکم کی نہ ہوگی۔ لیکن جو شخص براہ راست حکم دے اور اپنے دل سے شریعت میں اصول و قواعد وضع کرے، امت پر اس کی اتباع واجب نہیں یہاں تک کہ اس کے احکام اور اصول و قواعد حکم نبوی کے مطابق ثابت نہ ہو جائیں، اگر مطابق ہوں، قبول کر لئے جائیں مخالف ہوں، رد کر دیئے جائیں، اگر مخالفت یا موافقت صاف معلوم نہ ہو سکے تو معلق چھوڑ دیئے جائیں۔

فصل:

اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے پھر اپنی مخلوقات میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے، فرمایا:

”وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ط“ (القصص: 68)

اور تمہارا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور (وہ خود ہی اپنے کام کے لیے جسے چاہتا ہے) منتخب کر لیتا ہے۔“

مخلوق دو قسم کی ہے۔ طیب اور خبیث اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب ہمیشہ طیب ہی پر پڑتی ہے، اور یہیں سے انسان کی سعادت و شقاوت بھی پہچانی جاتی ہے، جو خدا کے ہاں سعید اور اس کی نظر میں طیب ہے دنیا میں اُس کا میلان طبع ہمیشہ طیبات ہی کی طرف ہوگا، اعمال دیکھو گے تو نظر آئے گا کہ وہ اللہ واحد کی پرستش کرتا ہے، کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کرتا، اس کی مرضی کو اپنی ہوا و ہوس پر مقدم رکھتا ہے۔ اس کی مخلوق کے ساتھ حتی المقدور نیکی کرتا ہے، سب کے ساتھ اس کا برتاؤ وہی ہے جو وہ اُن سے اپنے لئے چاہتا ہے۔ یہی حال اخلاق میں بھی ہوگا، اعلیٰ ترین اخلاق سے اُس کا نفس آراستہ ہوگا، حلم، رحم، صدق، محبت، شجاعت، عفت، سخاوت، انسانیت، وقار، رواداری، قلب کی سلامتی، مومنین کے ساتھ فروتنی، دشمنان الہی پر نخوت و خنثی غرضیکہ تمام محاسن اخلاق سے متصف ہوگا کہ جن کی تحسین پر تمام شرائع ربانی، فطرت اور عقول انسانی متفق ہیں۔ اسی طرح اکل و شرب میں اس کی رغبت طیب و حلال ہی کی طرف ہوگی جو جسم و روح دونوں کے لئے مفید اور غذا مہیا کرنے والا ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے احباب و ہم نشین بھی اچھے ہی لوگ ہوں گے، شریروں کی صحبت اُسے پسند نہ آئے گی، غرضیکہ اس کا وجود ہی اس کے طیب و طاہر ہونے کی خبر دے گا، خبث و کثافت کا ایک شمع بھی اس میں نہ پایا جائے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے حق میں آیا ہے:

الَّذِينَ تَتَوَفَّيهِمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ لَا يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا
اَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (النحل: 32)

”اُن متقیوں کو جن کی رُوحیں پاکیزگی کی حالت میں جب ملائکہ قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں
”سلام ہو تم پر، جاؤ جنت میں اپنے اعمال کے بدلے۔“

اور ایسے ہی لوگوں سے جنت کے نگہبان کہیں گے:

سَلَّمَ عَلَيْكُمْ طَبْتُمْ فَأَدْخُلُوْهُمَا خِلْدِيْنَ ۝ (الزمر: 73)

”سلام ہو تم پر بہت اچھے رہے، داخل ہو جاؤ اس (جنت) میں ہمیشہ کے لیے“

اور اسی طیب و خبیث کی تقسیم کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:

اَلْخَيْثُثُ لِلْخَيْثِيْنَ وَالْخَيْثُثُ لِلْخَيْثُثِ ج وَالطَّيِّبُ
لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُ لِلطَّيِّبِيْنَ ج (النور: 26)

”خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے۔ پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے“

پس طیب الفاظ اعمال اور عورتیں اپنے مناسب حال طیبین کے لئے ہیں، اور خبیث الفاظ اعمال اور عورتیں خبیثوں کے لیے ہیں، طیبین کے ساتھ ان کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے طیب و طیبات کے لئے جنت مخصوص کی ہے، اور خبیث و خبیثات کا ٹھکانا جہنم کو قرار دیا ہے۔ یعنی جس طرح مخلوق دو قسم کی ہے اسی طرح اُن کے ٹھکانے بھی دو ہیں، ایک جنت جس میں طیب ہی طیب ہوگا، خبیث کا وہاں گزر نہیں۔ دوسرا دوزخ، جو صرف خبیث کا مقام ہے طیب کا داخلہ اس میں محال ہے۔ لیکن ان دونوں مقاموں کے علاوہ ایک مقام اور بھی ہے جس میں خبیث و طیب دونوں ہی رہتے ہیں۔ اور وہ مقام یہی دار دنیا ہے جس میں نہ طیبین کی کمی ہے نہ خبیثین کی، دونوں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں چونکہ دنیا کی کیفیت یہی ہے اسی لئے حکمت الہی نے اُسے ابتلا و امتحان کا مقام بنا دیا ہے، یہاں دونوں کسوٹی پر رکھے جاتے ہیں، اور عمر بھر پرکھے جاتے ہیں، یہاں تک کہ قیامت آ جائے اور دونوں اپنے اپنے اعمال نامے لے کر رب العزت کے حضور میں پہنچیں، اس وقت پروردگار عالم طیب کو خبیث سے جدا کر دے گا، طیبین اپنے مقام جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے جہاں اُن کے سوا اور کوئی نہ ہوگا، خبیثین اپنی تمام نجاستوں و کثافتوں کے ساتھ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے جہاں اپنے علاوہ کسی کو نہ پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فریقین کی جزا و سزا خود انہیں کے اعمال میں رکھ دی ہے طیبین کے اقوال و اعمال و اخلاق بعینہ اُن کے لئے جنت کی لذتیں اور نعمتیں بن جائیں گی اور انہیں میں برکت دے کر اللہ تعالیٰ بہترین اسباب راحت و سرور مہیا کر دے گا اسی طرح خبیثین کے اقوال و اعمال و اخلاق اُن کے حق میں کانٹے ہوں گے اور انہیں سے انواع و اقسام کے آلام و مصائب پیدا ہو جائیں گے۔ اُس آقا کی کیا ہی بڑی حکمت ہے! اس طرح وہ اپنے بندوں کو اپنی کمال ربوبیت، کمال حکمت، علم، عدل اور مظاہر رحمت دکھاتا ہے، تاکہ اُس کے دشمنوں کو معلوم ہو جائے کہ خود وہی گمراہ اور مفتری و کذاب تھے نہ کہ اس کے پاک اور سچے رسول ﷺ! فرمایا!

وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۖ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مِنْ يَّمُوتَ ط بَلٰى
وَعَدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ
الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا
كَذِبِينَ ۝ (النحل: 38-39)

”یہ لوگ اللہ کے نام سے کڑی کڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ”اللہ کسی مرنے والے کو پھر سے زندہ کر کے نہ اٹھائے گا“..... اٹھائے گا کیوں نہیں؟ یہ تو ایک وعدہ ہے جسے پورا کرنا اس نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ اور ایسا ہونا اس لیے ضروری ہے کہ اللہ ان کے سامنے اس حقیقت کو کھول دے جس کے بارے میں یہ اختلاف کر رہے ہیں اور منکرین حق کو معلوم ہو جائے کہ وہ جھوٹے تھے“

غرض یہ کہ مخلوق میں کچھ طیبین ہیں کچھ خبیثین، کچھ سعید ہیں کچھ شقی، دونوں کے لئے علامتیں اور نشانیاں ہیں جن کے ذریعہ وہ شناخت کئے جاسکتے ہیں۔ خبیث وہ ہے جس کے قلب، زبان اور اعضاء و جوارح سے خبث و نجاست پڑی بہتی ہے، طیب وہ ہے جس کے قلب، زبان اور اعضاء و جوارح سے طہارت کا فوارہ پھوٹا کرتا ہے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا

ہے کہ ایک ہی شخص میں طیب و خبیث دونوں مادے پائے جاتے ہیں، ایسی حالت میں انسان اُس فریق میں ہو جاتا ہے جس کا مادہ بعد کشفِ کشف کے بالآخر دوسرے مادہ پر غالب آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جس کے ساتھ بہتری منظور ہوتی ہے، موت سے پہلے اُسے خبیث مادہ سے پاک کر دیتا ہے، چنانچہ بروز قیامت وہ صاف ستھرا اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہوتا اور سیدھا جنت میں بھیج دیا جاتا ہے، کیونکہ اس میں کوئی میل تورہتی ہی نہیں جس کی تطہیر کے لئے اُسے جہنم کی بھیڑ میں پڑنا پڑے۔ اللہ تعالیٰ کا بندے پر یہ فضل اُس توفیق کی شکل میں ہوتا ہے جو اس کی جناب سے نیکی، اطاعت، توبۃ نَصُوحًا اور کفارہ کرنے والی حسنات کے لئے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن جس بد نصیب کے شامل حال فضل الہی نہیں ہوتا، خبیث مادہ اس میں برابر موجود رہتا اور بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ اپنی تمام کثافتوں اور نجاستوں کے ساتھ وہ بارگاہِ خداوندی میں پہنچتا ہے اور جہنم میں گرا دیا جاتا ہے، کیونکہ اپنے خبیث مادوں کے ساتھ وہ جنت میں جا ہی نہیں سکتا، اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ دوزخ کی بھیڑ میں پڑے اور طہارت حاصل کرے۔ لیکن جو نبی تنقیہ و تصفیہ ہو جاتا ہے وہ جہنم سے نکل آتا ہے اور اپنے پروردگار کی مجاورت اور اہل جنت کی صحبت کا اہل ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کی جہنم میں اقامت صرف اتنی ہی مدت کے لئے ہوتی ہے جتنی مدت میں وہ طہارت حاصل کر لیں، ان میں جو خوش نصیب جلد پاک ہوتے ہیں جلد نجات پا جاتے ہیں اور جنہیں دیر لگتی ہے انہیں وہ پرمحَن زندگی زیادہ عرصہ تک بھگتنا پڑتی ہے۔

”جَزَاءٌ وَفَاقًا“ ”وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ“۔

ربا مشرک! تو چونکہ اس کی جبلت خبیث اور اس کی ذات خبیث ہوتی ہے اس لئے جہنم بھی اس کی نجاست کو زائل نہیں کر سکتی وہ کتنی ہی مدت رہے خبیث ہی رہے گا، اگر باہر بھی نکال لیا جائے تو جب بھی خبیث رہے گا، اس کی مثال کتے کی مانند ہے جسے لاکھ غسل دونا پاک ہی رہے گا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مشرک پر جنت حرام کر دی ہے۔

برخلاف اس کے مومن ہے کہ جس پر دوزخ حرام ہے، کیونکہ وہ تو سر اسر طہارت ہی ہے، اُس میں خبث کا شائبہ بھی نہیں ہوتا کہ جس کے ازالہ کے لئے جہنم میں جانا ضروری ہو۔
”فَسُبْحَانَ مَنْ بَهَرَتْ حِكْمَتُهُ الْعُقُولَ وَالْأَلْبَابَ!“

فصل:

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ پر ایمان لانا اور آپ ﷺ کی اطاعت کرنا کس قدر ضروری ہے، کیونکہ طیب و خبیث کی پوری پوری شناخت کا ذریعہ بجز آپ کے ذریعہ کے اور کوئی نہیں۔ آپ ایک میزان حق ہیں۔ آپ ﷺ ہی کے اقوال و اعمال و اخلاق پر تمام اقوال و اعمال و اخلاق تولے جاتے ہیں۔ انسان کی ضرورتوں میں سب سے بڑی اور سب سے زیادہ ناگزیر ضرورت یہی ہے کہ وہ رسول خدا ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے بخوبی واقف ہو، تاکہ اس نمونہ پر اپنی زندگی ڈھالے اور آپ ﷺ کے نقش قدم پر چل کر سعادت دنیوی و اخروی سے شاد کام ہو۔ والسلام۔

WWW.KITABOSUNNAT.COM

﴿ باب 1 ﴾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ:

آپ ﷺ کا حسب نسب اعلیٰ و اشرف آپ ﷺ کی قوم اشرف، آپ ﷺ کا قبیلہ اشرف اور آپ ﷺ کا خاندان اشرف آپ محمد ﷺ بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہیں۔ یہاں تک سلسلہ نسب متفق علیہ اور یقینی طور پر معلوم ہے۔ عدنان کا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہونا بھی یقینی ہے اسی طرح حضرت اسماعیل کے ذبح ہونے پر بھی تمام صحابہ و تابعین اور علماء امت کا اتفاق ہے۔

ولادت باسعادت:

ولادت عام فیل ۱ میں ہوئی، واقعہ فیل درحقیقت اُس خارق العادت ہستی کے ظہور کا پیش خیمہ تھا جو عنقریب مکہ کی وادی غیر ذی زرع میں جلوہ گر ہونے والی تھی، ورنہ اصحاب فیل اہل کتاب تھے اور اُن کا مذہب مکہ کے بت پرستوں کے مذہب سے کہیں بہتر تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان بت پرستوں کو اہل کتاب پر ایسی فتح مبین عطا فرمائی جس میں کسی انسانی ہاتھ اور تدبیر کو مطلقاً دخل نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوئی کہ اس واقعہ کے ذریعہ خانہ کعبہ قریش اور مکہ کی بزرگی مسلم ہو جائے جس میں عنقریب اُس کے نبی ﷺ کا ظہور ہونے والا تھا۔

۱۔ یعنی 571ء عربوں کا قاعدہ تھا کہ تاریخ کا حساب بڑے بڑے واقعات سے کرتے تھے واقعہ فیل بھی ایک نہایت اہم واقعہ تھا اس لئے اس سے تاریخوں کا حساب کرنے لگے۔ واقعہ فیل کی اصلیت یہ ہے کہ یمن کے یسائیوں نے حبشی سردار "ابرهہ ابن الاسرم" کی سرکردگی میں خانہ کعبہ کے ڈھانے کے لئے مکہ پر فوج کشی کی، مگر کما میاب نہ ہوئے عذاب الہی میں پڑ کر برباد ہو گئے سورہ فیل میں یہی واقعہ مذکور ہے۔ امام ابن جریر طبری نے مکرمہ کی روایت سے یہ تفسیر ماثور درج کی ہے کہ چڑیاں اصحاب فیل پر کنکریاں گرائی تھیں جس پر کنکری گرتی تھی، چپک کے مرض میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ عرب میں سب سے پہلے چپک کا ظہور اسی واقعہ سے ہوا۔

بچپن اور شباب:

پیدائش سے پہلے ہی والد کا سایہ سر سے اُٹھ چکا تھا، ابھی سات برس کے بھی نہ ہوئے تھے کہ ماں کی مامتا سے بھی محروم ہو گئے، والدہ (آمنہ) کی وفات مکہ و مدینہ کے مابین مقام ”ابواء“ ۲ میں ہوئی جبکہ وہ مدینہ میں آپ کے ماموں کے گھر سے واپس آرہی تھیں۔

دادا عبدالمطلب نے گود میں اُٹھالیا، لیکن ابھی ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ انہوں نے بھی سفر آخرت اختیار کیا۔ آخر ابو طالب نے پرورش شروع کی۔

بارہ سال کی عمر میں شفیق چچا کے ہمراہ ملک شام تشریف لے گئے، اسی سفر میں بحیرہ ارب کی دُور بین نظریں پڑیں اور اُس نے ابو طالب کو مشورہ دیا کہ آپ ﷺ کو شام میں نہ پھرائیں کیونکہ یہودیوں کی جانب سے خطرہ ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے بعض غلاموں کے ساتھ آپ ﷺ کو مدینہ پہنچا دیا۔

۲۵ برس کے سن میں ایک تجارتی کارواں لیکر شام کا پھر سفر کیا، شہر بصری تک گئے، واپسی میں حضرت خدیجہ بنت خویلد سے شادی ہوئی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون ہیں جنہیں آپ کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا، اور امہات المؤمنین میں سب سے پہلے اپنے خدا سے جا ملیں۔ جب تک خدیجہؓ زندہ رہیں آپ ﷺ نے دوسری شادی نہ کی، اُن کے لئے یہ شرف کیا کم ہے کہ خود رب العزت نے جبریل کے واسطے سے انہیں سلام بھیجا!

خلوت پسندی:

سال پر سال گزرتے چلے گئے، یہاں تک کہ ایک وقت آیا جب آپؐ تنہائی پسند ہو گئے، حرا کا سنان غار منس و ہدم ہو گیا جس میں کئی کئی رات اور دن مسلسل تَدَبَّر و تَفَلُّر و عبادتِ

۲ لیکن جہلانہ کہ کے قبرستان ”معلیٰ“ میں ایک قبر بنا رکھی ہے جسے ”قبر سیدنا آمنہ“ کہتے ہیں، ہر پنجشنبہ کو جوق در جوق زیارت کو جاتے ہیں، حجاج کو بھی زیارت کرائی جاتی ہے اور خوب لوٹا جاتا ہے۔ (مترجم)

باری تعالیٰ میں منہمک رہنے لگے۔ بتوں سے نفرت تھی، آبائی دین سے عداوت، کسی چیز سے اتنے بیزار نہ تھے جتنے ان دو چیزوں سے۔

نبوت:

جب چالیسواں سال ختم ہوا، غار حرا میں آفتاب نبوت طلوع ہوا، تاج رسالت پیشانی مبارک پر رکھا گیا اور تمام مخلوق کے لئے پیغمبر بنا کر مبعوث کئے گئے۔ سب متفق ہیں کہ بعثت دوشنبہ کے دن ہوئی، مہینے کی تعیین میں اختلاف ہے، مگر رجحان اسی جانب ہے کہ 8- ربیع الاول 41 عام الفیل میں رسالت سے سرفراز ہوئے۔ بعض اسے رمضان میں بتاتے ہیں۔ اور شَهِرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (ماہ رمضان جس میں قرآن نازل کیا گیا) سے استدلال کرتے ہیں۔

اقسام وحی:

وحی الہی کئی صورتوں سے آتی تھی: (۱) روئے صادقہ آپ ﷺ پر وحی کا آغاز اسی سے ہوا، خواب دکھائی دیتے۔ اور جو کچھ دیکھتے بال بال ٹھیک نکلتا۔ (۲) فرشتہ بغیر نظر آئے قلب میں القاء کرتا۔ جیسا کہ خود فرمایا۔ اِنَّ رُّوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رَوْعِي اِنَّهٗ لَنْ تَمُوتَ نَفْسٌ حَتّٰى تَسْتَكْمَلَ رِزْقَهَا فَاَتَقُوا اللّٰهَ وَاجْمَلُوا فِي الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ عَلٰى اَنْ تَطْلُبُوهُ بِمَعْصِيَةِ اللّٰهِ فَاِنَّ مَا عِنْدَ اللّٰهِ لَا يَنَالُ اِلَّا بِطَاعَتِهِ۔“

(روح القدس نے میرے اندر ڈالا ہے کہ کوئی مر نہیں سکتا جب تک اپنی روزی پوری پوری نہ پالے، پس اللہ سے ڈرو، طلب مال ٹھیک طریقہ سے کرو، رزق کی تاخیر تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ اللہ کی معصیت کے راستے سے اُسے حاصل کرو، کیونکہ اللہ کے پاس جو ہے صرف اس کی فرمانبرداری ہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے)۔ (۳) فرشتہ انسان کی صورت میں نمودار

ہوتا اور وحی پہنچاتا، اس حالت میں کبھی کبھی صحابہؓ بھی اسے دیکھتے تھے۔ (۴) گھنٹی کی سی آواز آتی۔ یہ وحی آپؐ پر بہت سخت ہوتی، حتیٰ کہ کڑا کے کی سردی میں بھی پیشانی عرق ہو جاتی، اگر اونٹ پر ہوتے تو وہ بوجھ سے بیٹھ جاتا، ایک مرتبہ زید بن ثابتؓ کے زانو پر زانو رکھے بیٹھے تھے کہ اسی قسم کی وحی آگئی، زیدؓ کا بیان ہے کہ مجھ پر اسقدر بوجھ پڑا کہ قریب تھا کہ میری ران ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ (۵) فرشتہ اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیتا اور خدا کا پیغام پہنچاتا۔ عمر بھر میں صرف دو دفعہ ایسا موقع ہوا جیسا کہ سورۃ النجم میں مذکور ہے۔ (۶) وہ وحی جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے اوپر شب معراج میں کی جس میں نماز وغیرہ فرض ہوئی۔ (۷) وہ خطاب جو اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ فرشتہ براہ راست کیا جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ کے ساتھ ہوا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے لئے یہ فضیلت قرآن سے ثابت ہے اور آنحضرت ﷺ کے لئے حدیث معراج سے۔ بعضوں نے وحی کی ایک اور آٹھویں قسم بھی قرار دی ہے، یعنی بلا حجاب کے اللہ تعالیٰ کا رُودر و کلام کرنا۔ لیکن یہ مذہب ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ مسئلہ سلف و خلف دونوں میں مختلف فیہ رہا ہے اگرچہ جمہور صحابہؓ بلکہ تمام کے تمام حضرت عائشہؓ کے مسلک سے متفق ہیں چنانچہ عثمان بن سعیدؓ دارمی نے اس پر صحابہؓ کا اجماع نقل کیا ہے۔

۱۔ بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی نے مسروق سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا "اے ام المؤمنین! کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ وہ بولیں۔" "بحان اللہ! تیرے اس سوال سے میرے رونمیں کھڑے ہو گئے!۔ تین باتیں کیونکر ممکن ہیں؟ جو کوئی تجھ سے ان کا ذکر کرے، جھوٹا ہے، جو کوئی کہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا جھوٹا ہے (پھر آیت پڑھی)

"لَا تَذَرُكَ الْآبْصَارُ ذُوهُوَ يَذَرُكَ الْآبْصَارُ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ" (الانعام) (نگاہیں اسے دیکھ نہیں سکتیں، وہ سب کو دیکھتا ہے، وہ تو نہایت لطیف اور سب کچھ جانتا ہے) "وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَخِيَاءً أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بَأْذَنِهِ مَا يَشَاءُ ط إِنَّهُ عَلِيُّ حَكِيمٌ" (الشورى) (کسی انسان کو شایاں نہیں کہ اللہ اس سے باتیں کرے، مگر ہاں اس طرح کہ وہی ہو یا حجاب کے اندر سے ہو یا فرشتے (حاشیہ جاری ہے)

مختون و مسرور:

ختنہ کے بارے میں تین قول مروی ہیں۔ (۱) آپؐ پیدائشی مختون و مسرور (ناف کٹی ہوئی) تھے، لیکن اس باب میں جو حدیث سب سے زیادہ مشہور ہے وہ بھی غیر صحیح ہے، ابن جوزیؒ نے موضوعات میں شمار کی ہے، باقی اور جتنی حدیثیں ہیں ان کی صحت بھی ثابت نہیں۔ پھر اس میں کوئی خاص فضیلت بھی نہیں، بہت سے آدمی مختون پیدا ہوتے ہیں۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ ختنہ اس دن ہوا جب حلیمہؓ دائی کے ہاں ملائکہ نے شق صدر کیا۔ (۳) تیسرا قول یہ ہے کہ ولادت سے ساتویں دن آپؐ کے دادا عبدالمطلب نے ختنہ کیا، اس تقریب پر دعوت بھی کی، اور نام ”محمدؐ“ رکھا۔ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ اس باب میں ایک حدیث مسند غریب روایت کی گئی ہے، اس مسئلہ پر دو فاضلوں کمال الدین ابن طلحہ اور کمال الدین ابن الندیم میں مناظرہ ہوا، ازل الذکر نے ایک کتاب تصنیف کر ڈالی اور ہر طرح کی حدیثیں بے لگام روایت کر گئے کہ آپؐ مختون پیدا ہوئے تھے، مگر آخر الذکر نے تردید کردی اور ثابت کیا کہ عرب کے دستور کے مطابق ختنہ ہوا تھا، چونکہ یہ رواج عام تھا اس لئے ثبوت کے لئے کسی سند کی ضرورت نہیں، مدعی کو دلیل پیش کرنی چاہیے۔

فرشتہ بھیجے جو اس کے حکم دی کرے اللہ بہت بڑا اور حکمت والا ہے اور جو کوئی کہے کہ محمدؐ کل (غیب) کی بات جانتے تھے جھوٹا ہے (پھر آیت پڑھی) ”وَمَا تَذَرِي نَفْسٌ مَّا ذَا تَقْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَذَرِي نَفْسٌ مَّا بَآئِ اَرْضٍ تَمُوتُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ“ (لقمان) (کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیا کرے گا کل اور نہیں جانتا کوئی شخص کہ کس سر زمین میں مرے گا بے شک اللہ ہے ہر بات جانتے والا اور پوری طرح باخبر) اور جو کوئی کہے کہ محمدؐ نے وحی میں سے کوئی چیز چھپا ڈالی جھوٹا ہے (پھر آیت پڑھی) ”يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ط وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ط وَاللّٰهُ يَغْضِبُكَ مِنَ النَّاسِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ“ (المائدہ) (اے رسول! جو کچھ تمہارے رب نے تم پر نازل کیا ہے پہنچا دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھا جائے گا کہ تم نے اس کا پیغام ہی نہیں پہنچایا اللہ تمہیں لوگوں کے شر سے بچائے گا بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔) (ابوزید)

رضاعی مائیں:

آپ ﷺ کو متعدد عورتوں نے دودھ پلایا:۔ ثویبہ کنیز ابولہب نے چند دن دودھ پلایا اس دودھ میں آپ کے شریک عبد اللہ بن عبد الاشد المخزومی مسروح بن ثویبہ اور آپ کے چچا حمزہ بن عبد المطلب تھے۔ ثویبہ کے اسلام میں اختلاف ہے۔ پھر حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا جس میں آپ کے شریک عبد اللہ بن حلیمہ آپ کے چچیرے بھائی ابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب تھے جو آپ ﷺ کے سخت دشمن تھے یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ نیز حضرت حمزہ کی اتانے بھی آپ ﷺ کو دودھ پلایا۔ جو قبیلہ سعد بن بکر سے تھیں یہ اُس وقت آپ ﷺ جب حلیمہ سعدیہ کے ہاں تھے اس طرح حضرت حمزہ آپ کے دو طرف سے رضاعی بھائی ہوئے۔ حلیمہ اور ان کے شوہر کے اسلام میں بھی اختلاف ہے۔

کس کس کی آغوش میں آپ ﷺ رہے:

آپ کی خادمائیں میں سے بعض کے نام یہ ہیں: خود آپ ﷺ کی والدہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ کلاب۔ پھر ثویبہ، حلیمہ، شیماء آپ ﷺ کی رضاعی بہن جو وفد ہوازن کے ہمراہ جب خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے اپنی چادر ان کے لئے بچادی فاضلہ الجلیلہ ام ایمن برکتہ الحبشیہ جو آپ ﷺ کو والد سے ورثہ میں ملی تھیں، ان کی شادی آپ نے اپنے محبوب زید بن حارثہ سے کر دی تھی، انہی کے بطن سے اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔ جب نبی ﷺ کا وصال ہوا تو ابو بکرؓ و عمرؓ ام ایمن کے گھر گئے وہ بیٹھی رو رہی تھیں، تسکین دینے لگے کہ اے ام ایمن! جو کچھ خدا کے ہاں ہے وہ رسول ﷺ کے لئے اس دنیا سے بہتر ہے، کہنے لگیں ”میں بھی جانتی ہوں“ میں اس غم میں رو رہی ہوں کہ اب آسمان سے خبریں آنا بند ہو گئیں۔“ یہ سن کر دونوں صحابیوں پر بھی رقت طاری ہو گئی۔

اولین وحی:

وحی کا آغاز رؤیائے صادقہ سے ہوا روایت ہے کہ چھ ماہ تک یہی حالت رہی اس کے بعد اصلی نبوت سے سرفراز ہوئے غار حرا میں گوشہء نشین تھے کہ فرشتہ نمودار ہوا اور سب سے پہلی وحی پہنچائی **اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ** (علق: 1) حضرت عائشہؓ و جمہور صحابہؓ کا یہی قول ہے اور صحیح ہے۔ حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلی وحی **يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ اخْرُجْ** تھی ۱۔

ترتیب دعوت:

دعوت کی بنیاد نبوت سے پڑی، آغاز گھر سے کیا، سب سے پہلے اپنے اہل بیت کو دعوت حق پہنچائی، پھر قوم کو، پھر عربوں کو جن میں کوئی نبی مبعوث نہ ہوا تھا، پھر قیامت تک اُن تمام قوموں کے لئے اُسے چھوڑ گئے جن کے کانوں تک وہ پہنچے۔ ابتدا میں تین سال تک خفیہ خفیہ دعوت دیتے رہے، جب آیت **فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ** (پروردگار کے حکم کا اعلان کرو اور مشرکوں کی پرواہ نہ کرو) نازل ہوئی تو علی الاعلان حق کی طرف پکارنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کی عداوت بڑھی اور آپ پر اور مسلمانوں پر مصائب کی بارش شروع ہو گئی، یہاں تک کہ ہجرت کی اجازت دی گئی۔

۱۔ لیکن بعضوں کا قول ہے کہ سب سے پہلے سورہ فاتحہ نازل ہوئی، ہم ان تمام اقوال کو اس طرح جمع کر سکتے ہیں کہ ادیت اضافی قرار دیں اس صورت میں سورہ فاتحہ اولین وحی ہوگی جو اس لئے نازل ہوئی کہ آپؐ وحی سے مانوس اور اس کے سننے کے لئے تیار ہوں اس کی تائید آپؐ کے اس جواب سے بھی ہوتی ہے جو ورقہ بن نوفل کو دیا تھا کہ ”کہ میں نے یہ سب ایسے شخص سے سنا ہے جسے میں نے دیکھا نہیں۔“ اقرأ سے اصل وحی کا آغاز ہوا جبکہ جبریلؑ نے سینہ سے لگایا کہ تخل وحی کے لئے استعداد مکمل ہو جائے۔ یا ایہا المدثر اس معنی میں پہلی وحی ہوگی کہ انقطاع وحی کے طویل وقفہ کے بعد سب سے پہلے وہ نازل ہوئی یا یہ کہ تبلیغ کے لئے وہ سب سے پہلی وحی ہے۔ (ابوزید)

دو ہجرتیں:

جب مسلمانوں کی تعداد بڑھی اور کفار کو خطرہ پیدا ہوا تو انہوں نے تکلیف پہنچانا اور اہل اللہ کو ابتلاؤ امتحان میں ڈالنا شروع کیا۔ جب مصیبت حد سے تجاوز کر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی اور فرمایا: ”وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے پاس لوگوں پر ظلم نہیں ہونے پاتا“ چنانچہ بارہ مردوں اور چار عورتوں نے ہجرت کی جن میں رقیہ بنت رسول ﷺ اور ان کے شوہر عثمان بن عفان بھی تھے۔ یہ لوگ حبشہ میں نہایت آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے کہ ایک جھوٹی خبر مشہور ہو گئی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا، یہ سن کر ان لوگوں نے مکہ کا رخ کیا، قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کے بجائے قریش نے اور بھی زیادہ عداوت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ اس پر بعض لوگ پھر حبشہ واپس گئے اور بعض مکہ چلے آئے جہاں قریش نے انہیں بری طرح ستایا، ان میں ایک عبد اللہ بن مسعودؓ بھی تھے۔ قریش کی ایذا رسانی روز بروز بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کہ مسلمانوں کے لئے اپنی جان بچانا مشکل ہو گیا تھا آخر آنحضرتؐ نے پھر ہجرت کا حکم دیا، اس مرتبہ ۸۳ مرد اور سات عورتیں حبشہ روانہ ہوئیں اور نجاشی کی پناہ میں بڑی آسودگی سے رہنے لگیں۔ اہل مکہ نے سنا تو سخت برہم ہوئے اور عمر و بن العاص کی سرکردگی میں ایک سفارت نجاشی کے دربار میں بھیجی تاکہ ان مومنین صادقین کے برخلاف اُسے اُکسائیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی تدبیر چلنے نہ دی اور سفارت ناکام لوٹ آئی۔ اس ذلت سے انہیں اور بھی زیادہ اشتعال ہوا اب وہ ہر طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ مجبور ہوئے کہ اہل و عیال سمیت ایک پہاڑی گھاٹی ”شعب ابی طالب“ میں جا کر پناہ لی، چنانچہ آپؐ اس گھاٹی میں تین سال تک محصور رہے (بعضوں کا قول ہے کہ دو سال) اور کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو آپؐ نے اور اہل بیت نے برداشت نہ کی ہو۔ محاصرہ اٹھنے کے وقت سن مبارک 49 برس کا تھا (اور ایک قول کے مطابق 48 سال کا) اس

واقعہ کے چند ہی ماہ بعد آپؐ کے مہربان چچا ابوطالب کا انتقال ہوا، پھر حضرت خدیجہؓ کی وفات واقع ہوئی ان دو واقعوں کے بعد کفار کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے اور انہوں نے دل کھول کے پریشان کیا۔ تنگ آکر آپؐ زید بن حارثہ کے ہمراہ طائف تشریف لے گئے جہاں چند دن قیام رہا اور پیغام حق سنایا، مگر ایک تنفس نے بھی لبیک نہ کہا اور اہل مکہ سے زیادہ قسّی القلب ثابت ہوئے، جب آپؐ واپس ہو رہے تھے تو طائف والوں نے راستے میں دونوں طرف دو صفیں او باشوں کی کھڑی کر رکھی تھیں جو سنگباری کرتی تھیں، آپؐ کے پاؤں اس قدر زخمی ہو گئے تھے کہ خون کی نلیاں چلنے لگی تھیں! راستہ میں عداس نصرانی سے ملاقات ہوئی جو مشرف بہ اسلام ہوا۔ اسی سفر میں مقام ”نخلہ“ پر نصیبین کے سات جنوں نے آپؐ سے قرآن سنا، اور اسی سفر میں آپؐ نے پروردگار سے بصد زاری مناجات کی کہ اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُو ضَعْفَ قُوَّتِيْ وَ قِلَّةَ حِيلَتِيْ (سنیرت ابن ہشام) ”الہی میں تجھ ہی سے اپنی بے کسی و بے چارگی کا شکوہ کرتا ہوں“ مکہ میں داخلہ مطعمؓ بن عدی کی حمایت میں ہوا۔ اس کے بعد معراج ہوئی پہلے مسجد اقصیٰ پہنچے پھر عالم بالا کی طرف تشریف لے گئے، جہاں ربّ العزت سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا اور نمازیں فرض ہوئیں۔ معراج عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ ہوئی، بعضوں کا خیال ہے کہ حالت خواب میں ہوئی تھی۔

دین حق کی ترقی:

طائف سے واپسی کے بعد آپؐ برابر مکہ میں مقیم رہے، ہر طرف سے مصائب و آلام کا سامنا تھا، سب کچھ سہتے تھے، مگر دعوت حق سے منہ نہ موڑتے تھے، آپؐ کا دستور تھا کہ ہر موسم حج میں قبائل کے پاس فرداً فرداً جاتے، دعوت دیتے اور فرماتے ”کون ہے جو میری حمایت کرے اور جنت لے، تاکہ میں خدا کا پیغام مخلوق تک پہنچا سکوں؟“ مگر کوئی شنوائہ ہوتا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اپنے دین کو غلبہ دے، اپنا وعدہ پورا کرے، اپنے نبی ﷺ کی مدد کرے، اپنا بول بالا کرے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لے، تو اس کے لئے ایک

غیر متوقع سامان کر دیا۔ ایک موسم حج میں آپؐ مدینہ والوں کے بڑاؤ پر تشریف لے گئے وہ چھ آدمی تھے (بعض کے نزدیک آٹھ تھے) عقبہ منیٰ کے پاس بیٹھے سر منڈا رہے تھے، سرورِ عالمؐ بھی قریب بیٹھ گئے، دعوتِ حق پہنچائی اور قرآن سنایا۔ اُن کے دل نرم ہو گئے، مشرف بہ اسلام ہوئے اور مدینہ لوٹ گئے، یہاں وہ خاموش نہیں بیٹھے بلکہ تبلیغ و دعوت شروع کی جس میں اللہ تعالیٰ نے بڑی کامیابی عطا فرمائی، مدینہ کا ایک گھر بھی باقی نہ رہا جس میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا چرچا موجود نہ ہو۔ مدینہ میں سب سے پہلی مسجد جس میں قرآن کی تلاوت ہوئی، مسجد بنی زریق ہے۔

دوسرے سال موسم حج میں بارہ انصاری مکہ آئے جن میں پانچ اولین مسلمانوں میں سے تھے، اُنہوں نے عقبہ کے پاس رسول اللہ ﷺ سے عورتوں کی بیعت کی اور واپس چلے گئے۔ تیسرے سال اُن کے 73 مرد اور دو عورتیں آئیں، اور اس بات پر بیعت کی کہ رسول اللہ ﷺ کی اس طرح حفاظت و حمایت کریں گے جس طرح اپنے اہل و عیال کی اور خود اپنی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں میں سے بارہ نقیب مقرر کئے اس واقعہ کے بعد صحابہؓ کو ہجرت مدینہ کی اجازت دی گئی، اور مسلمان جو قریب خفیہ طور پر روانہ ہونے لگے، انصاریوں نے بڑی آؤ بھگت کی اور مدینہ میں ہر طرف اسلام پھیل گیا۔

۱۔ عورتوں کی بیعت سے مراد عورتوں کے شرائط پر بیعت ہے۔ جو سورہ ممتحنہ کی اس آیت میں بیان کی گئی ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بَهْتَانًا يَفْتَرِيهِ بَيْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْنَهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ ۖ (اے نبی! جب مومن عورتیں تمہارے پاس اس بات پر بیعت کرنے آئیں کہ نہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں گی نہ چوری کریں گی نہ زنا کریں گی نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی نہ کسی پر بہتان لگائیں گی اور نہ نیک کام میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو اُن سے بیعت لے لو اور اُن کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرو) آج کل کے مسلمان غور کریں کہ کیا وہ عورتوں کے اسلام پر بھی ہیں، مجاہدین فی سبیل اللہ کا ایمان تو بہت دور رہا؟ (مترجم)

پھر اللہ تعالیٰ نے خود اپنے پیغمبر کو بھی ہجرت کی اجازت دی، چنانچہ آپ ﷺ مکہ سے بروز دو شنبہ ماہ ربیع الاول (بعضوں کا قول ہے کہ ماہ صفر) کو چلے حضرت ابو بکر صدیقؓ، اُن کے غلام عامر بن فہیرہ اور رہبر عبد اللہ بن الارقیط ہم رکاب تھے۔ سفر جاری کرنے سے پہلے آپ ﷺ مع حضرت ابو بکرؓ کے تین دن تک غار ثور میں رہے، کیونکہ مشرکین تعاقب میں تھے۔ پھر ساحل کی راہ سے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ مدینہ کے قریب پہنچ گئے 12 ربیع الاول دو شنبہ کا دن تھا، حوالی مدینہ میں قبائلی گاؤں میں ٹھہرے خاندان عمر و بن عوف کو مہمان نوازی کی سعادت میسر آئی، اُن کے ہاں 14 دن قیام رہا اور مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔

جمعہ کے دن شہر مدینہ کا قصد کیا، نماز کا وقت بنی سالم میں ہو گیا، اترے سب مسلمانوں کو جمع کیا جن کی تعداد وہاں ایک سو تھی، پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر آگے بڑھے، لوگ ہر طرف سے دوڑ دوڑ کے آتے اور اونٹنی کی مہار پکڑ کے مہمان بننے کی پیش کش کرتے، جواب ملتا ”چھوڑ دو اسے حکم مل چکا ہے“ چنانچہ وہ چلتے چلتے اُس مقام پر بیٹھ گئی جہاں اب مسجد ہے۔ یہ زمین بنی نجار کے دولڑکوں سہل و سہیل کے جانوروں کا اصطبل تھی۔ آپؐ اُتر پڑے اور ابو ایوبؓ انصاری کے مکان میں فروکش ہوئے۔ پھر اپنی مسجد تعمیر کی، کھجور کی ڈالیوں اور کچی اینٹوں کی عمارت تھی، خود سرور عالم اور صحابہ دیواریں اُٹھاتے تھے۔ مسجد کے بعد اپنا حجرہ تعمیر فرمایا پھر قرب و جوار میں ازواجِ مطہراتؓ کے حجرے۔ جن میں آپؐ سے قریب تر حجرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ سات ماہ بعد ابو ایوبؓ انصاری کے ہاں سے اُٹھ کر اپنے گھر میں تشریف لے آئے۔

رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کی خبریں حبشہ پہنچیں تو 33 مہاجر مدینہ کو چلے، جن میں سے سات تو اہل مکہ کے ہاتھوں میں پڑ کر قید ہو گئے۔ باقی خدمتِ نبویؐ میں پہنچ گئے۔ ہجرت کے وقت عمر مبارک 53 برس کی تھی۔

آپ ﷺ کی اولاد:

سب سے بڑے بیٹے قاسمؓ، پھر زینبؓ، پھر رقیہؓ، پھر ام کلثومؓ، پھر فاطمہؓ، پھر عبد اللہؓ یہ سب کے سب ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھے کسی اور بیوی سے اولاد نہ ہوئی البتہ آپؐ کی کنیز ماریہ قبطیہ سے مدینہ میں ۸ ہجری میں ابراہیم پیدا ہوئے، لیکن حالت شیر خوارگی ہی میں فوت ہو گئے۔ آپؐ کی تمام اولاد آپؐ کی حیات ہی میں فوت ہوئی بجز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جو چھ ماہ بعد تک زندہ رہیں، اور ایسے باپ کا غم دیکھنے پر مجبور ہوئیں!

آپ ﷺ کے چچا اور پھوپھیاں:

آپؐ کے چچا: سید الشہداء حمزہ بن عبد المطلب، عباسؓ، ابوطالبؓ، ابو لہبؓ، زبیرؓ، عبد الکعبہؓ، مقومؓ، ضرارؓ، قثمؓ، مغیرہؓ، عیداقؓ، بعضوں نے ”عوام کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ان میں بجز حمزہؓ و عباسؓ کے کوئی مسلمان نہ ہوا۔

آپؐ کی پھوپھیاں: صفیہؓ (حضرت زبیرؓ بن العوام کی والدہ) عاتکہؓ، برہؓ، ارویؓ، امیمہؓ، ام حکیم البیضاء۔ صفیہ کا اسلام تحقق ہے، عاتکہ کے اسلام میں اختلاف ہے، بعضوں نے ارویؓ کے مسلمان ہونے کی بھی تصدیق کی ہے۔

امہات المومنین:

سب سے پہلی خدیجہ بنت خویلد القرشیہ ہیں، نبوت سے پہلے زوجیت میں آئیں، اُس وقت عمر ۴۰ سال تھی، مگر ان کی زندگی بھر آنحضرت ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی۔ وہ حضرت خدیجہؓ ہی تھیں جنہوں نے باوجود عورت ہونے کے نبوت کا

بارگراں اٹھانے میں رسول خدا کی مدد کی، آپ کے ساتھ مصائب برداشت کئے، اور جان و مال اس راہ میں خرچ کیا۔ ہجرت سے تین سال قبل انتقال ہوا۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے چند دن بعد سودہ بنت زمعہ القرشیہ سے شادی کی (انہوں نے بعد میں اپنا دن حضرت عائشہؓ کو دے دیا تھا)۔ پھر عائشہ صدیقہؓ بنت ابی بکر الصدیق (رضی اللہ عنہما) سے عقد کیا۔ (اسی میں رخصتی ہوئی، ازواج مطہرات میں صرف یہی ایک دو شیزہ تھیں۔ حضرت عائشہؓ اپنی تمام ہم عصروں میں رسول خدا ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں، سب سے زیادہ ذی علم تھیں، بہت سے صحابہؓ فتوے لیتے تھے، آپؐ کی یہ فضیلت کیا کم ہے کہ آپؐ کی طہارت و برأت پر خود قرآن نے شہادت دی ہے!) پھر حفصہ بنت عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہما) سے شادی کی (ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ آپؐ نے انہیں طلاق دے دی تھی، مگر پھر رجوع کر لیا تھا)۔ ان کے بعد زینب بنت خزیمہ بن الحارث القیسہ ہیں جو شادی سے دو ماہ بعد فوت ہو گئیں۔ پھر ام سلمہؓ ہند بنت ابی امیہ القرشیہ المعزومیہ سے شادی ہوئی جو ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ دیر زندہ رہیں۔ پھر زینب بنت جحش (قبیلہ بنی اسد) سے شادی کی یہ آپؐ کی پھوپھی بہن یعنی امیمہ کی بیٹی تھیں، انہی کے متعلق قرآن مجید میں آیت نازل ہوئی کہ ”فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا“

۱۔ پوری آیت سورہ احزاب میں اس طرح موجود ہے۔ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا لَكِنِّي لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ خُرُجٌ فِي أَزْوَاجٍ أَذْعَبْنَا لَهُمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۖ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝ (پھر جب زید اُس سے اپنی حاجت پوری کر چکا۔ تو ہم نے اُس (مطلقات خاتون) کا تم سے نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کے معاملے میں کوئی شک نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہتا تھا) ”عرب میں دستور تھا کہ اپنے منہ بولے لڑکوں اور لے پالکوں کی عورتوں سے کسی حال میں بھی رشتہ نہ کرتے کیونکہ انہیں بہنوئی تھے، زید بن حارثہ آپ کے منہ بولے بیٹے تھے ان کے ساتھ آپ نے زینب بنت جحش کا عقد کر دیا تھا جب دونوں میں کسی طرح نہ بنی اور زید نے طلاق دے دی تو خود آپؐ نے اُن سے شادی کر لی تاکہ یہ جاہلانہ رسم باطل ہو جائے اسی طرح دوسری ازواج سے عقد کرنے میں بھی کوئی نہ کوئی مصلحت تھی، جیسا کہ کتب سیرت میں بالتفصیل مذکور ہے دشمنان اسلام ہمیشہ ازواج مطہرات کی کثرت پر اعتراض کرتے اور اسے دوسرے جذبات پر مبنی کرتے ہیں، حالانکہ اگر اس طرح کی کوئی بات ہوتی تو آنحضرتؐ کو بہتر سے بہتر عورتیں مل سکتی تھیں آپؐ دو شیزاؤں کو چھوڑ کر بوڑھیوں سے (حاشیہ جاری ہے)

وہ اس پر فخر کیا کرتیں، اور دوسری بیویوں سے کہتیں تمہیں تمہارے ماں باپ نے بیاہا ہے، مگر میرا رشتہ خود اللہ نے سات آسمانوں پر جوڑا ہے!“ اوائل خلافت عمرؓ میں انتقال کیا۔ پھر جویریہؓ بنت حارث سے شادی کی جو بنی مصطلق کے قیدیوں میں تھیں۔ جو اپنا فدیہ دینے میں مدد لینے کے لئے حاضر ہوئیں، آپؐ نے فدیہ ادا کیا اور عقد کر لیا۔ پھر اُم حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ صحرو بن حوہ ہیں، جو عبد اللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں، دونوں نے حبشہ ہجرت کی، شوہر نے مرتد ہو کر عیسائیت قبول کر لی۔ مگر وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں، آپؐ کو خبر پہنچی تو نجاشی کو اُن کی شادی کے لئے کہا، نجاشی نے خود ہی مہر ادا کیا اور شادی کر دی۔ یہ واقعہ ۷ھ کا ہے۔ ان کے بعد صفیہؓ بنت حی بن اخطب سے شادی ہوئی، یہ جنگ میں خاص آپؐ کے حصہ میں کنیز ہو کر آئی تھیں، آپؐ نے آزاد کر دیا اور اس آزادی کو مہر قرار دے کر عقد کر لیا، جس کے بعد یہ سنت پوری امت کیلئے قائم ہو گئی کہ انسان کنیز کو آزاد کر کے اُس کی آزادی کو مہر قرار دے دے اور شادی کر لے۔ پھر میمونہؓ بنت حارث الہلالیہ سے شادی کی یہ آخری شادی تھی۔

آپ ﷺ کے غلام اور کنیریں:

آپؐ کے غلاموں میں سے زیدؓ بن حارثہ آپؐ کے محبوب ہیں، جنہیں آپؐ نے آزاد کر دیا تھا اور اپنی کنیز اُم ایمن سے شادی کر دی تھی۔ جن سے اُسامہؓ پیدا ہوئے۔ نیز یہ لوگ بھی آپؐ کے غلام ہیں: اسلم، ابورافع، ثوبان، ابو کبشہ سلیم، شقران صالح، رباح نوبی، یسار نوبی، مدعم، کرکرہ نوبی، انجشہ الحادی، سفینہ ابن فروخ،

کیوں شادی کرتے؟ بجز حضرت عائشہؓ کے کوئی دوشیزہ نہ تھی، اور اکثر بچاس کے سن سے مجاہد تھیں، پھر اگر ایسی بات ہوتی تو ہمیشہ نئے نئے بیاہ کرتے رہتے اور یہ آیت نازل نہ ہوتی کہ ”لَا يَجْلُ لَكَ الْبَنَاتُ مِنْ بَعْدِ وَلَا أَنْ تَبْدَلَ بِهِنَ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَنْجَبَتْ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ رَاقِبًا“ (اے نبی! اُس کے بعد تمہارے لئے دوسری عورتیں حلال نہیں اور نہ اس کی اجازت ہے کہ ان کی جگہ اور بیویاں لے آؤ خواہ اُن کا حسن تمہیں کتنا ہی پسند ہو البتہ لوٹ بیویوں کی تمہیں اجازت ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔)۔ (مترجم)

(ان کا اصلی نام مہران تھا، آنحضرت ﷺ نے سفینہ نام رکھا کیونکہ سفر میں اسباب اٹھا کر چلتے تھے) ابو مشروح انیسہ، افلاح، عبیدہ، طحمان، حنین، سندر، فضالہ، کنیروں میں: سلمیٰ ام رافع، میمونہ بنت سعد، خضیرہ، رضوی، رشیحہ اور ریحانہ ہیں۔

آپ ﷺ کے خدام:

انس بن مالکؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ (جو تے وسواک بردار) عقبہؓ بن عامر الجہنی (آپ ﷺ کا خچر سفر میں چلاتے تھے) اسلعؓ بن شریک (اونٹ کے محافظ) ابوذرؓ غفاری، ایمنؓ عبیدہ، بلالؓ بن رباح المؤذن، سعدؓ (یہ دونوں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے غلام تھے)۔

آپ ﷺ کے محرر (تحریروں کے کاتب):

ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ، عامرؓ بن فہیرہ، عمرؓ بن العاص، ابیؓ بن کعب، عبد اللہؓ بن الارقم، ثابتؓ بن قیس، حنظلہؓ بن الربیع، مغیرہ بن شعبہؓ، عبد اللہؓ بن رواحہ، خالدؓ بن الولید، خالدؓ بن سعید بن العاص، معاویہؓ بن سفیان، زیدؓ بن ثابت (خاص طور پر زیدؓ ہی کتابت کرتے تھے)۔

آپ ﷺ کی شرعی تحریریں:

صدقات کے بارے میں آپؐ کی ایک تحریر حضرت ابو بکرؓ کے پاس تھی جسے انہوں نے انس بن مالکؓ کو بحرین بھیجتے وقت نقل کر کے دیا تھا۔ آپؐ نے ایک تحریر اہل یمن کو بھیجی تھی جسے ابو بکر بن عمر بن حزم، حاکم اور نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے یہ ایک عظیم الشان

تحریر ہے جس میں بہت سے مسائل آگئے ہیں۔ آپؐ نے ایک تحریر قبیلہ زہیر کو روانہ کی تھی۔ زکوٰۃ کے باب میں آپؐ کی ایک تحریر حضرت عمرؓ کے پاس تھی۔

خطوط اور قاصد:

حدیبیہ سے واپس آکر بادشاہوں کے نام خطوط لکھے اور قاصدوں کے ہاتھ روانہ کئے۔ شاہِ روم کا خط جب لکھا جا چکا تو لوگوں نے عرض کیا کہ بادشاہ بغیر مہر کئے خط قبول نہیں کرتے۔ اس پر مہر تیار کرائی جس میں تین سطریں کندہ تھیں: سب سے نیچے ”محمدؐ“ کی سطر تھی اس کے اوپر ”رسول“ کی اور سب سے اوپر ”اللہ“ کی خطوں پر مہر کر دی گئی اور ماہِ محرم ۷ھ میں ایک ہی دن چھ قاصد چھ بادشاہوں کی طرف روانہ ہوئے: عمرو بن امیہ الضمری شاہ حبش نجاشیؓ کے دربار میں گئے جس کا نام ”اصحمہ“ (جس کا ترجمہ عربی میں ”عطیہ“ یعنی بخشش ہے) تھا اور انجیل کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس نے رسول اللہؐ کے خط کی از حد تعظیم کی اور مشرف بہ اسلام ہوا۔ اسی لئے اس کے انتقال کے دن آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھی اور مغفرت کی دعا مانگی۔ یہ ایک گروہ کا خیال ہے جس میں ابن سعد و واقدی وغیرہ شامل ہیں، لیکن یہ خیال صحیح نہیں، کیونکہ جس نجاشیؓ پر آنحضرتؐ نے نماز پڑھی تھی وہ نہ تھا جسے خط بھیجا تھا، چنانچہ خود امام مسلمؒ نے اپنی ”صحیح“ میں روایت کی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے قیسرو کسریٰ اور نجاشیؓ کو خطوط لکھے لیکن یہ نجاشیؓ وہ نہیں ہے جس کے جنازہ کی نماز آپؐ نے پڑھی تھی محمد ابن حزم کی رائے اس بارہ میں صحیح ہے کہ جس نجاشیؓ کے دربار میں آنحضرت ﷺ کا قاصد گیا تھا وہ اسلام نہیں لایا۔ دحیہ بن خلیفہ الکلبی قیصر روم کے دربار میں گئے جس کا نام ہرقل تھا اور باوجود اسلام سے قریب ہو جانے کے اس سعادت سے محروم رہا۔ ابو حاتم و ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت انسؓ سے یہ قصہ یوں روایت کیا ہے کہ جب

۱۔ حبشہ کے بادشاہوں کا لقب ”نجاشی“ ہوتا تھا۔ جیسے شاہانِ روم کا ”قیصر“ (مترجم)

آنحضرت ﷺ قیصر روم کو خط بھیجنے لگے۔ تو مخاطبین سے فرمایا ”کون ہے جو میرا یہ خط قیصر کے پاس لے جائے اور معاوضہ میں جنت لے؟“ ایک شخص نے سوال کیا ”اگرچہ وہ منظور نہ کرے؟“ فرمایا ”اگرچہ وہ منظور نہ کرے“ چنانچہ دجیہ خط لے کے روانہ ہو گئے۔ قیصر بیت المقدس کی زیارت کے لئے آ رہا تھا راستہ میں ملاقات ہو گئی انہوں نے خط فرش پر سامنے پھینک دیا اور خود ایک جانب ہو گئے۔ قیصر نے پکار کے کہا ”خط کون لایا ہے؟ سامنے آئے میں پناہ دیتا ہوں“ دجیہ سامنے آ گئے اور کہا ”میں لایا ہوں۔“ قیصر نے کہا جب قیام کروں حاضر ہونا روایت ہے کہ پھر دجیہ پہنچے قیصر نے محل کے پھاٹک بند کر دئے۔ اور حکم دیا کہ منادی کر دو۔ ”قیصر نے عیسائیت سے منہ موڑا اور محمدؐ کی پیروی قبول کر لی!“ یہ سنتے ہی لوگ ہتھیار اٹھا کر دوڑ پڑے اور محل کا محاصرہ کر لیا۔ قیصر نے دجیہ سے کہا ”تم نے دیکھا! مجھے اپنی بادشاہی کا خوف ہے پھر اعلان کرایا: ”لوگو! قیصر تم سے راضی ہو گیا“ ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لکھا کہ ”میں مسلمان ہوں“ نیز بطور نذر کچھ دینار بھیجے۔ تمام ماجرا سن کے آپ ﷺ نے فرمایا ”دشمن خدا جھوٹا ہے ہرگز مسلمان نہیں اپنی عیسائیت پر جما ہوا ہے اور دینار تقسیم کر دیئے۔“

عبد اللہ بن حذافہ السهمی کسری کے دربار میں گئے جس کا نام ابردیز (پرویز) ابن ہرمز بن نوشیرواں تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کا نامہ گرامی چاک کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا حضور ﷺ کو خبر پہنچی تو صرف اس قدر فرمایا ”خدا یا اس کی سلطنت بھی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال“ چنانچہ زیادہ مدت نہیں گزری کہ اس کی اور اس کی قوم کی پوری سلطنت پارہ پارہ ہو کر معدوم ہو گئی۔ حاطب ابن ابی بلتعہ، مقوقس شاہ مصر کے دربار میں گئے اس کا نام جرتح بن مینا تھا یہ اسکندریہ کا نواب اور مصر کے قبطیوں کا سردار تھا۔ اس نے بڑے تپاک سے قاصد کا خیر مقدم کیا، فطرت کا نور چمکا مگر مغال ہو گیا اسلام لاتے لاتے رہ گیا، لیکن رسول اللہ کی خدمت میں بہت سے ہدیے بھیجے جن میں مار یہ قبطیہ اور ان کی دو بہنیں ”سیورین“

و ”قیسرین“ بھی تھیں ماریہ کو حضور ﷺ نے اپنی خدمت کے لئے قبول فرمایا اور سیرین حسان ابن ثابتؓ کو دے دی۔ ان کے علاوہ ایک اور کثیر سومثقال سونا، بیس مصری چادریں، ایک بھورا خچر (ذُلْدُل) ایک بھورا گدھا (عفیر) ایک خوبہ سرا (مابور) کہ جسے ماریہ کا چچیرا بھائی بتایا گیا ہے۔ ایک گھوڑا (لزاز) ایک کانچ کا پیالہ اور بہت سا شہد بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سب دیکھ کر فرمایا ”خبیث نے سلطنت کو ترجیح دی حالانکہ وہ رہنے والی نہیں!“

شجاع بن وہب الاسدی کو شاہ بلقاء حارث بن ابی شمر الغسانی کے ہاں اور سلیط بن عمرو کو رئیس یمامہ ہوذہ بن علی الحنفی کے ہاں بھیجا۔ آخر الذکر نے قاصد کا پُر تپاک خیر مقدم کیا مگر اسلام قبول نہ کیا اسی کے کہنے سے سلیط ایک دوسرے سردار ثمامہ بن اثال الحنفی سے ملنے گئے جو انہیں کے اثر سے بعد میں اسلام لے آیا۔ یہ وہ چھ قاصد ہیں جنہیں آنحضرت ﷺ نے ایک ہی دن چھ مختلف بادشاہوں اور سرداروں کے پاس بھیجا تھا۔ اس کے بعد ماہ ذوالقعدہ ۸ھ میں آپ نے چند اور قاصد دوسرے اطراف میں روانہ فرمائے عمر و بن العاص کو جیفر و عبد ابن جلندی کے ہاں عمان بھیجا دونوں کے دونوں مسلمان ہو گئے آخر تک ثابت قدم رہے اور صدقہ و قضاء کے انتظامات میں عمر و بن العاص کو ہر طرح کے اختیارات دے دیئے چنانچہ عمروان کے ہاں برابر مقیم رہے یہاں تک کہ وفات نبوی ﷺ کی خبر پہنچی۔

فتح مکہ سے پہلے علاء بن الحضرمی کو شاہ بحرین منذر بن ساوی کے دربار میں بھیجا جو فوز اسلام لایا اور برابر قائم رہا۔ مہاجر بن ابی امیہ المخزومی کو حارث بن عبد کلال الحمیری کے پاس یمن بھیجا جس نے کہا میں غور کر کے کچھ فیصلہ کروں گا۔ ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو جنگ تبوک کے بعد تبلیغ و اشاعت کے لئے یمن بھیجا جہاں کے باشندوں کے دل اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیئے اور سب

کے سب بلا کسی جبر و کراہ اور جنگ کے جوق در جوق مسلمان ہو گئے۔ یہ سن کر حضرت علیؓ کو اُن کی طرف روانہ فرمایا۔ اور خود بھی حجتہ الوداع میں بہت سے یمینوں سے ملے۔ جریر بن عبد اللہ البجلی کو ذوالکلاع الحمیری اور ذو عمر کے پاس دعوت اسلام دے کر روانہ کیا، دونوں کے دونوں مشرف بہ اسلام ہوئے اور آخر تک ثابت قدم رہے۔ عمرو بن امیہ الضمری کو خط دے کر میلہ کذاب کے پاس بھیجا، پھر دوسرا خط سائب بن عوام (حضرت زبیر کے بھائی) کے ہاتھ بھیجا مگر وہ مسلمان نہ ہوا۔ فروہ بن عمرو الجذامی (جو معان پر رومیوں کی طرف سے گورنر تھا) کے پاس بھی ایک قاصد روانہ فرمایا جس نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور بہت سے ہدیے بارگاہ نبوت میں بھیجے۔

مؤذن:

آپ ﷺ کے مؤذن چار تھے، دو مدینہ میں رہتے تھے، ایک قبائیں اور ایک مکہ میں مدینہ میں بلالؓ بن رباح حبشی، جو اسلام میں سب سے اول مؤذن ہیں، اور عبد اللہؓ ابن ام مکتوم القرشی (نابینا)۔ قبائیں سعد القرطی (عمارؓ بن یاسر کے غلام) اور مکہ میں اوسؓ بن مغیرہ الجمحی (ابو محذورہ) تھے۔

عمال:

آپؐ نے متعدد عمال (گورنر) سے کام لیا ہے: باذان بن ساسان کسری کی طرف سے یمن کے گورنر تھے، اسلام لے آئے تو آپؐ نے عہدہ پر برقرار رکھا۔ باذان سب سے پہلے مسلمان ہیں جو گورنر بنائے گئے اور سب سے پہلے عجمی سردار ہیں جو مسلمان ہوئے، ان کے انتقال پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے بیٹے کو صنعاء کا گورنر مقرر کیا اور جب وہ شہید ہو گئے تو خالد بن سعید بن العاص کو روانہ فرمایا۔ مہاجر بن ابی امیہ المخزومی کو ”کنذہ“ اور ”صف“ کا حاکم مقرر کیا، مگر روانہ ہونے سے پہلے ہی حضرت کا وصال ہو گیا،

اس لئے روانگی ملتوی ہوگئی اور حضرت ابو بکرؓ کے حکم سے مرتدین کے قتال پر مامور ہوئے۔ زیادؓ بن امیہ انصاری کو ”حضرموت“ کا ابو موسیٰ اشعریؓ کو زبیدؓ عدنانؓ زمع اور ساحل کا ابو سفیانؓ صخر بن حرب کو نجران کا ان کے بیٹے یزیدؓ کو تیماکا عتابؓ بن اسید کو مکہ اور موسم حج کا حاکم مقرر کیا حالانکہ اس وقت ان کی عمر کل بیس سال کی تھی۔ پھر حضرت علیؓ کو یمن کے فہم کی تحصیل اور منصب قضا پر مقرر کیا۔ عمرو بن العاص کو عمان اور اس کے حوالی کی حکومت سپرد کی۔ ان کے علاوہ بکثرت صحابہ کو صدقہ و زکوٰۃ وصول کرنے پر متعین کیا، ہر قبیلہ میں ایک ایک شخص اس کام کے لئے ہوتا تھا۔ ۹ھ موسم حج کا والی حضرت ابو بکرؓ کو بنایا، پھر فوز حضرت علیؓ کو ”سورئہ برآۃ“ شانے کے لئے مکہ بھیجا۔

محافظ:

متعدد صحابی آپ ﷺ کی حفاظت کے لئے متعین تھے چنانچہ سعدؓ بن معاذ نے جنگ بدر میں پہرہ دیا جبکہ آپ ﷺ سو گئے تھے۔ محمد بن مسلمہؓ نے احد میں حفاظت کی، زبیرؓ بن العوام نے جنگ خندق میں۔ عبادؓ بن بشر آپ کے محافظوں کے سردار تھے لیکن جب آیت ”وَاللّٰهُ يَعْصِيْكُمْ مِّنَ النَّاسِ“ (خدا تمہاری لوگوں سے حفاظت کرے گا) نازل ہوئی تو آپؐ برآمد ہوئے، لوگوں کو اطلاع دی اور محافظین کو رخصت کر دیا۔

شعراء:

آپ ﷺ کے شعراء: کعبؓ بن مالک، عبد اللہؓ بن رواحہ، حسانؓ بن ثابتؓ اور خطیبؓ ثابتؓ بن قیس بن شماس ہیں۔

حدی خوان:

سفر میں آپ ﷺ کے حدی خوان (اونٹ کے سامنے گانے والے) عبد اللہؓ بن رواحہ

انجشہ، عامر بن الاکوع، اور مسلم بن الاکوع تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس انجشہ نامی ایک خوش آواز حدی خواں تھا، ایک مرتبہ اُس نے گانا شروع کیا اور اونٹ تیزی سے چلنے لگے عورتیں بھی ساتھ تھیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ ”انجشہ“ ہو لے ہو لے، ششے ٹوٹ نہ جائیں، شیشوں سے عورتوں کو مراد لیا ہے۔

تھیار اور گھر گرتی:

آپؐ کے پاس نو تلواریں تھیں جن میں سب سے زیادہ مشہور ”ذوالفقار“ تھی یہ نہایت محبوب تھی، ہمیشہ ساتھ رہتی تھی، اس پر جابجا چاندی چڑھی ہوئی تھی، سات زرہیں تھیں، چند ڈھالیں تھیں جن میں ایک کا نام ”فتق“ اور دوسری کا ”زلوق“ تھا۔ پانچ نیزے تھے تین لوہے کی چھڑیاں (حرے) تھیں، جن میں سے کوئی ایک اکثر ساتھ رہتی تھی، کبھی اسے خود ہاتھ میں لے کر نکلتے، عید کے موقعوں پر کوئی دوسرا لے کر آگے آگے چلتا، اور کبھی بطور سترہ کے سامنے نصب کر کے نماز پڑھتے۔ دو خود (ہیلٹ) تھے ایک کا نام ”موشح“ رکھا تھا اور دوسرے کا ”مبوغ“۔ تین جے تھے جنہیں جنگ کے موقعوں پر زیب تن فرماتے، کہا گیا ہے کہ ان میں سے ایک جبہ مہین سبز کپڑے کا تھا۔ متعدد زرد سیاہ اور سفید جھنڈے تھے۔ ایک چھوٹا سا خیمہ بھی تھا جس کا نام ”کن“ تھا۔ ایک خمیدہ جریب (ٹیرھی لاٹھی) تھی جسے لے کر چلتے، اس پر سہارا دے کر سوار ہوتے اور اونٹ پر سامنے لٹکا لیتے تھے۔ دو پیالے تھے ایک میں چاندی کی زنجیر لگی ہوئی تھی، دوسرا شیشہ کا تھا۔ ایک تیل دانی تھی۔ ایک تھیلی تھی جس میں آمینہ، کنگھا، قینچی اور مسواک رہتی تھی۔ بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ چار پائی کے پائے لکڑی کے تھے۔ ایک بہت بڑا کونڈا تھا، جس کا نام ”غراء“ تھا اس میں چار کنڈے لگے ہوئے تھے اور چار آدمی مل کے اٹھاتے تھے۔ ایک فرش (دری) تھی۔ ایک لکڑی کا برتن تھا جو چار پائی کے نیچے رکھ دیا جاتا تھا اور آپؐ اس میں رات کو پیشاب کرتے تھے۔ ان چیزوں کے علاوہ آپؐ کی ملکیت میں سو بکریاں تھیں جن کی

تعداد اس سے زیادہ بڑھنے نہ دیتے، جب کوئی زیادہ بچہ پیدا ہوتا ایک بکری ذبح کر ڈالتے۔ جنگ بدر میں آپ ﷺ کو مال غنیمت میں ابو جہل کا یمنی اونٹ حاصل ہوا تھا جس کی ناک میں چاندی کی گھنڈی لگی ہوئی تھی، حدیبیہ کے موقع پر اسی کو قربانی کے لئے مکہ بھیجا تھا تا کہ مشرکین جلیں۔

لباس:

سر پر عمامہ کبھی ٹوپی کے ساتھ ہوتا، کبھی بغیر ٹوپی کے، اور کبھی کبھی صرف ٹوپی پہنتے عمامہ کا شملہ عموماً شانوں کے درمیان پشت پر رہتا جیسا کہ امام مسلمؒ نے عامرؓ بن عبد اللہ کی حدیث روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر اس حال میں دیکھا کہ سیاہ عمامہ سر پر تھا اور اس کا شملہ پشت پر۔ لیکن جابرؓ بن عبد اللہ کی حدیث (مسلم) میں شملہ کا ذکر نہیں ہے صرف اس قدر ہے کہ آنحضرتؐ مکہ میں سیاہ عمامہ باندھے داخل ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شملہ ہمیشہ نہیں چھوڑتے تھے۔ جسم مبارک پر کرتا ہوتا تھا جو نہایت پسند خاطر تھا، اس کی آستینیں صرف ہاتھ کے گٹوں تک ہوتی تھیں، تنگ آستینوں اور چھوٹے دامنوں کا جبہ، قبا، تہ بند، چادر اور بعض دوسرے قسم کے لباس بھی استعمال فرمائے ہیں۔ حلقہ سرخ بھی پہنا ہے، حلقہ دو کپڑوں سے مرکب ہوتا ہے: تہ بند اور چادر۔ سرخ سے یہ مطلب نہیں کہ لال رنگ کا ہوتا تھا، بلکہ حلقہ میانی نام ہی ایسے کپڑے کا تھا جو سرخ و سیاہ دھاگوں کو ملا کر بنا جاتا تھا، اس کا رنگ اگرچہ سرخ نہ ہوتا تھا لیکن کہلاتا سرخ ہی تھا۔ خالص سرخ رنگ کا کپڑا پہننے کو آپؐ نے منع فرمایا ہے حتیٰ کہ گھوڑے پر سرخ رنگ کا زین رکھنے سے بھی روکا ہے (بخاری) ابو داؤدؒ نے عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں اصفر (زرد رنگ) سے ہلکا رنگا ہوا کپڑا پہننے دیکھا تو فرمایا۔ ”یہ تو نے کیسا کپڑا پہنا ہوا ہے؟“ عبد اللہ کہتے ہیں میں سمجھ گیا کہ آپؐ نے ناپسند فرمایا ہے، چنانچہ فوراً گھرا آیا، تنور جل رہا تھا، میں نے کپڑا اسی میں جھونک دیا۔ پھر جب دوسرے دن حاضر ہوا تو فرمانے لگے ”عبد اللہ! کپڑے کی کیا خبر ہے؟“ میں نے واقعہ بیان کر دیا فرمانے لگے ”اپنی بیوی کو

کیوں نہ دے دیا؟ عورتوں کے لئے اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔“

سیاہ رنگ کا کپڑا بھی پہنا ہے، فروہ ۱۔ بھی کہ جس کے کناروں پر ریشمی گوٹ لگی تھی پہنا ہے جیسا کہ امام احمدؒ اور ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔ خف (چرمی موزے) اور جوتا پہنا ہے صحیح مسلم میں اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک طیالی خسر وانی (کپڑے کی ایک قسم ہے) بچہ نکالا جو دیباچ کی طرح نرم تھا اور جس میں ریشمی گوٹ لگی ہوئی تھی، پھر فرمایا۔

یہ رسول اللہ ﷺ کا جبہ ہے، حضرت عائشہؓ کے پاس تھا، ان کے انتقال پر میں نے لے لیا، آنحضرت ﷺ اسے پہنا کرتے تھے۔“ آپ ﷺ کا کریمہ سوت کا ہوتا، طول میں کم اور آستینیں تنگ اور چھوٹی ہوتی تھیں، یہ لمبی چوڑی تھیلوں کی طرح کشادہ آستینیں نہ تو کبھی رسول اللہ ﷺ کے لباس میں ہوئیں نہ کسی صحابیؓ کے۔ ان کا استعمال قطعاً خلاف سنت بلکہ جواز میں بھی شبہ ہے کیونکہ وہ منجملہ اُس لباس کے ہیں جن سے غرور پیدا ہوتا ہے۔

سفید رنگ کا کپڑا حضور ﷺ کو بہت مرغوب تھا، چنانچہ فرمایا ”سفید کپڑا سب سے بہتر کپڑا ہے خود پہنا اور مردوں کو اس میں کفناؤ۔“

لباس کے بارے میں آپؐ کی سنت یہ تھی کہ جس قسم کا کپڑا میسر آ جاتا، پہن لیتے، کسی خاص صنف پر اصرار نہ تھا، چنانچہ اونی، سوتی، کتان، ہر قسم کے کپڑے پہنتے، الا یہ کہ کوئی خاص عذر مانع ہوتا تو اجتناب کرتے، مثلاً ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے آپؐ کے واسطے اونی جبہ تیار کیا، آپؐ نے پہن لیا، لیکن جب پسینہ نکلا اور اون میں بدبو پیدا ہوئی تو فوراً اتار دیا۔ آپؐ اچھے سے اچھا کپڑا بھی استعمال کرتے اور معمولی سے معمولی بھی حتیٰ کہ پیوند تک لگا لیتے۔ ابوداؤدؒ میں عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کے جسم مبارک پر بہتر سے بہتر لباس دیکھا ہے۔ پس جو لوگ زہد و عبادت کے خیال سے اچھے کپڑے اور اچھے کھانے کو منع کرتے ہیں یا جو لوگ جھوٹے کھانے اور موٹے کپڑے کو غرور

سے ناپسند کرتے ہیں، دونوں کے دونوں سنت نبویؐ سے منحرف ہیں۔ سنت نبویؐ میں ہر بات اعتدال پر مبنی ہے، افراط و تفریط کا وہاں گزرنے سے اسی بنا پر علماء سلف نے حد سے زیادہ قیمتی اور حد سے زیادہ معمولی کپڑے کے استعمال کو ناپسند کیا ہے، کیونکہ دونوں لباس شہرت میں داخل ہیں۔ ابنِ عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی دنیا میں لباس شہرت لے اختیار کرے گا آخرت میں خدا اُسے ذلت و خواری کا لباس پہنائے گا، جس کے شعلوں میں وہ دوزخ کے اندر جھلے گا! صحیحین میں ہے کہ فرمایا۔ جس کسی نے غرور سے اپنے لباس کے دامن دراز کئے، قیامت کے دن خدا اس کی طرف نہ دیکھے گا۔

اس بارے میں کوئی خاص اصول بنایا نہیں جاسکتا، مختلف حالات میں مختلف لباس مناسب ہوتا ہے، چنانچہ شہرت اور تکبر کے خیال سے ادنیٰ درجہ کا لباس بھی مذموم ہوتا ہے، اور اعلیٰ سے اعلیٰ لباس بھی حمد و شکر کی نیت سے محمود ہو جاتا ہے۔ لیکن اس باب میں ہم صحیح مسلم کی اس حدیث کو اصل قرار دے سکتے ہیں جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کسی کے دل میں ایک ذرہ بھی غرور ہوگا وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا، اور جس کے دل میں ایک ذرہ بھی ایمان کا ہوگا وہ جہنم میں نہ جائے گا۔ اس پر ایک شخص نے عرض کی: لیکن یا رسول اللہ ﷺ، میری خواہش یہی ہوتی ہے کہ میرا کپڑا اچھا ہو اور جوتا اچھا ہو، کیا یہ بھی غرور ہے؟ فرمایا نہیں، اللہ جلیل ہے، جمال کو پسند کرتا ہے، غرور، حق کا ٹھکرانا اور مخلوق کی تحقیر ہے۔

اکل و شرب:

اکل و شرب میں سنت نبویؐ یہ تھی کہ جو کھانا موجود ہوتا، اُسی پر اکتفا کرتے نہ موجود کو رد کرتے نہ غیر موجود کے لئے اہتمام فرماتے۔ طبیات میں سے جو کچھ بھی پیش کر دیا جاتا، تناول کر

۱۔ ”لباس شہرت“ سے ہر وہ لباس مراد ہے جو نظروں کو متوجہ کرنے والا، دلوں پر اثر ڈالنے والا اور صاحب لباس کے لئے عظمت و بزرگی قائم کرنے والا ہو، عام اس سے کہ دنیا داروں کا لباس ہو یا مذہبی پیشواؤں کا، اس وقت جو لباس صوفیوں اور پرانے مولویوں میں رائج ہے وہ بھی لباس شہرت میں داخل ہے، کیونکہ اس میں وہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں جو لباس شہرت میں ہوتی ہیں۔ (مترجم)

لیتے، الا یہ کہ طبیعت کراہت کرتی تو ہاتھ اٹھا لیتے، مگر نہ تو اس کی مذمت کرتے نہ اسے حرام قرار دیتے۔ آپؐ نے کبھی کسی کھانے کی مذمت نہیں کی، جو مرغوب ہوا کھالیا اور نہ خاموشی کے ساتھ چھوڑ دیا، جیسا کہ گوہ کے معاملہ میں ہوا کہ اسے کبھی کھایا نہ تھا اس لئے تناول کرنے سے اجتناب کیا، لیکن امت پر حرام نہ کیا، بلکہ خود آپؐ کے دسترخوان میں لوگوں نے اسے کھایا اور آپؐ دیکھتے رہے۔ اے بارہا ایسا ہوا کہ گھر میں بالکل کھانا نہ رہا، مگر آپؐ نے نہ تو کسی سے مانگا نہ شکایت کی، بلکہ صبر و شکر کئے رہے، بسا اوقات بھوک کی شدت سے پیٹ پر ہتھرتک باندھ لئے ہیں، اور تین تین دن بغیر غذا کے بھوکے رہے ہیں مگر اُف تک نہ کی۔ سفر میں کھانا عموماً زمین پر رکھا جاتا، خدا کے اس وسیع فرش سے دسترخوان کا کام لیتے تھے۔

پانی ہمیشہ بیٹھ کے پیتے، لیکن کھڑے کھڑے پینا بھی ثابت ہے، چنانچہ ایک مرتبہ چاہ زمزم پر تشریف لائے، لوگ پانی پی رہے تھے، آپ ﷺ نے بھی طلب فرمایا، ڈول بڑھا دیا گیا اور آپ ﷺ نے بے تکلفی سے کھڑے کھڑے ہی پی لیا۔

ایک سانس میں پانی پینے یا برتن کے اندر سانس لینے سے منع کیا ہے، فرمایا۔ ”پانی پیو تو چوس کر پیو“ اور فرمایا ”پانی پیتے ہوئے برتن میں سانس مت لو، بلکہ پیالہ ہٹا کر سانس لو۔“ صحیح مسلم میں ہے کہ جب پانی پیتے تو پیالہ ہٹا کے تین مرتبہ سانس لیتے اور فرماتے۔ ”اس طرح پینا زیادہ خوشگوار اور مفید ہے۔“ ترمذی میں ہے کہ فرمایا ”ایک سانس میں غٹ غٹ پانی نہ پیو، بلکہ دو اور تین دفعہ کر کے پیو، بسم اللہ سے شروع کرو اور جب پی چکلو تو خدا کی حمد و ثنا کرو۔“ کھانے میں بھی یہی دستور تھا کہ بسم اللہ سے شروع کرتے اور الحمد للہ پر ختم کرتے۔ مشروب پی چکے اور برتن میں کچھ رہ جاتا تو داہنی طرف والے کو بڑھا دیتے اگرچہ بائیں جانب زیادہ سن رسیدہ لوگ موجود ہوتے۔

یہ واقعہ حضرت خالد بن ولید کا ہے۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ برتاؤ:

حضرت انسؓ سے حدیث صحیح میں مروی ہے کہ فرمایا ”تمہاری اس دنیا میں سے میرے لئے عورتیں اور خوشبو پسندیدہ بنادی گئی ہیں، لیکن نماز میں میری دلی مسرت ہے۔“ تمام ازواج کے ساتھ شبِ باشی، رہن سہن اور نان نفقہ میں برابر کا سلوک کرتے، رہی محبت میں کمی بیشی تو وہ انسان کے بس کی چیز نہیں، اسی لئے فرمایا کرتے ”خدا یا جو کچھ میرے اختیار میں ہے اس میں برابر کا سلوک کرتا ہوں، لیکن جو میرے بس میں نہیں اس پر ملامت نہ کیجیو۔“ آپ ﷺ نے طلاق بھی دی ہے رجوع بھی کیا ہے، ایک مہینہ کیلئے ایلا لے بھی کیا ہے لیکن ظہار ۲ کبھی نہیں کیا۔

تمام ازواج کے ساتھ نہایت ہی اچھا برتاؤ تھا، ہمیشہ خوش خلقی سے پیش آتے، حضرت عائشہؓ کم عمر تھیں اس لئے انصاری لڑکیاں کھیلنے کے لئے بلادیتے، اگر وہ کسی ایسی بات کے لئے ضد کرتیں جو نامناسب نہ ہوتی تو فوراً پوری کر دیتے، محبت کا یہ عالم تھا کہ جب وہ پانی پیتیں تو برتن میں ٹھیک اُسی جگہ پر لب مبارک لگا کر باقی پانی خود نوش کر لیتے جہاں اُن کے لب لگے ہوتے! اکثر ان کی گود میں ٹیک لگاتے، اگر ایام سے ہوتیں تو بھی ان کے زانو پر سر رکھ کے لیٹ جاتے اور قرآن پڑھتے، روزہ کی حالت میں انہیں پیار بھی کرتے ایک مرتبہ مسجد میں حبشی تماشا دکھا رہے تھے آپؐ نے حضرت عائشہؓ کو دکھایا اور اس طرح کہ وہ آپؐ کے شانوں پر جھکی کھڑی تھیں۔ دو دفعہ سفر میں مذاقا اُن سے دوڑ بھی کی ہے، اور ایک دفعہ گھر سے نکلتے ہوئے دروازہ میں اُن سے کشاکش بھی ہوئی ہے۔

قاعدہ تھا کہ سفر پر جانے لگتے تو ازواج میں قرعہ ڈالتے، جس کا نام نکل آتا اُسی کو ہمراہ لے جاتے۔ حاضرین سے کبھی کبھی فرمایا کرتے ”سب سے اچھا آدمی وہی ہے جو اپنے اہل کے

۱۔ ۲۔ ان دونوں لفظوں کے معنی آگے بیان ہوں گے

ساتھ اچھا ہو میں اپنے اہل کے ساتھ سب سے زیادہ اچھا ہوں، دوسری ازواج کی موجودگی میں کبھی کسی ایک کی طرف ہاتھ بھی بڑھاتے۔ عموماً نماز عصر کے بعد سب بیویوں کے ہاں ایک ایک کر کے جاتے اور حالات معلوم کرتے، جب رات ہو جاتی تو اُس بیوی کے گھر تشریف لے جاتے جس کی باری ہوتی، اس بارے میں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح نہ تھی، خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنے جانے اور رہنے سہنے میں ہم میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتے۔ نو بیویوں میں سے آٹھ کی باری ہوتی تھی کیونکہ حضرت سودہؓ نے کبرئیی کی وجہ سے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تھی، اس لئے ان کے ہاں دورات رہتے تھے اور باقی سب کے ہاں ایک ایک رات اول اور آخر شب جب چاہتے مقاربت کرتے، اگر اول شب ہوتی تو کبھی غسل کر کے سوتے اور کبھی صرف وضو پر اکتفا کرتے۔ کبھی ایک غسل سے تمام ازواج کے ہاں جاتے اور کبھی ہر ایک کے ہاں الگ الگ غسل کرتے۔ جب کبھی سفر سے رات کو لوٹتے تو اس رات ازواج کے گھر نہ جاتے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے منع فرماتے۔ ا

خواب اور بیداری:

کبھی بستر پر سوتے، کبھی چٹائی پر، کبھی چار پائی پر، کبھی زمین پر، بستر کے اندر کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ جب سونے کے لئے بستر پر جاتے تو فرماتے ”بِسْمِکَ اللّٰهُمَّ اَحْيَاوْا مُوْتُ“ (اے الہی! تیرے ہی نام جینا اور مرنا ہے) دائیں کروٹ پر لیٹے، دایاں ہاتھ دائیں رخسارے کے نیچے رکھتے، پھر فرماتے ”اللّٰهُمَّ وَقِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ بُعِثَ عِبَادُکَ“ (اے الہی! جس دن تیرے بندے اٹھائے جائیں گے مجھے اپنے عذاب سے بچائیو) جب بیدار ہوتے تو فرماتے ”الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ“ (خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی اور اُسی کی طرف پھر

ایسا لے لے تاکہ عورت کو اپنی تیاری کا موقع مل جائے رات کو اچانک شوہر کے پہنچ جانے سے عورت کو کلفت ہوتی ہے۔ (مترجم)

لوٹ کے جانا ہے) پھر مسواک کرتے۔ دستور تھا کہ اوّل رات ہی میں سو جاتے اور پچھلے پہرے اُٹھ بیٹھتے، لیکن اگر مسلمانوں کے کچھ کام رات ہی میں کرنے کے ہوتے تو دیر میں سوتے۔ آپؐ کی آنکھیں سوتی تھیں مگر قلب ہمیشہ بیدار رہتا تھا، اسی لئے جب سو جاتے تو کوئی نہ اُٹھاتا یہاں تک کہ خود اُٹھ جاتے۔

سواری:

آپ ﷺ کی سواری میں گھوڑے، اونٹ، خچر اور گدھے رہے ہیں، کبھی زین کے ساتھ سوار ہوتے کبھی ننگی پیٹھ پر اکثر تنہا بیٹھتے، لیکن کبھی آگے یا پیچھے کسی اور کو بھی شریک کر لیتے، عموماً مردوں کو بٹھاتے، کبھی کبھی ازواج مطہرات میں سے بھی کسی کو لے لیتے۔ سواری زیادہ تر گھوڑے اور اونٹ کی تھی، خچر کا وجود عرب میں کم تھا، اسی لئے جب ایک خچر بطور تحفہ کے آیا اور لوگوں نے عرض کی کہ کیوں نہ گھوڑے اور گدھے سے نسل لی جاوے، تو جواب میں فرمایا۔ ”یہ فعل جاہلوں کا ہے۔“

معاملات و اخلاق:

آپؐ نے تجارت کی ہے، خرید و فروخت کی ہے، ٹھیکہ لیا ہے اور دیا ہے، نبوت سے پہلے گلہ بانی کی مزدوری کی ہے اور حضرات خدیجہؓ کا مال تجارت لے کر شام کا سفر کیا ہے۔ لوگوں کے ساتھ ساجھے میں بھی کام کیا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ آپؐ کا ایک پرانا شریک حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔ ”آپؐ نے مجھے نہیں پہچانا؟“ فرمانے لگے ”نہیں تم تو میرے شریک تھے اور کیا ہی اچھے شریک، نہ تو کبھی حق مارا اور نہ ٹکرا و جحت کی“۔ آپؐ دوسروں کے وکیل بھی بنے ہیں اور دوسروں کو اپنا وکیل بھی بنایا ہے، ہدیہ لیا ہے، اور دیا ہے، اور ہدیہ لانے والے کو انعام بھی دیا ہے۔ ہبہ قبول کیا ہے اور دوسروں سے اپنے لیے ہبہ کرایا ہے، چنانچہ سلمہ بن الاکوع کے حصہ میں ایک مرتبہ ایک کنیر آئی، آپؐ نے فرمایا۔ ”یہ مجھے ہبہ کر دو، انہوں نے

فوراً منظور کر لیا، آپ ﷺ نے وہ کنیز مکہ بھیج دی اور چند مسلمان قیدیوں کو معاوضہ میں رہا کر لیا۔ آپ قرض بھی لیتے تھے، کبھی رہن رکھ کے اور کبھی بغیر رہن کے، ضروریات زندگی بھی عاریۃً لیتے تھے اور کبھی اُدھار خریدتے تھے۔ آپ ﷺ کا یہ اعلان عام تھا کہ میں تمام مسلمانوں کے قرض کا ضامن ہوں، جو مسلمان قرضہ چھوڑ مرے اُس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے۔ آپ ﷺ نے اللہ کی راہ میں اپنی ایک زمین وقف کی اور مسلمانوں کے لیے اس کی آمدنی صدقہ کر دی تھی آپ نے دوسروں کی سفارش کی ہے اور اپنے لئے چاہی بھی ہے، چنانچہ ”بریۃ“ سے اس کے شوہر کے بارے میں سفارش کی کہ اس کی زوجیت میں رہنا منظور کر لے، مگر جب اُس نے انکار کر دیا تو اُس پر کچھ ناراض بھی نہ ہوئے۔ آپ قسم بھی کھاتے تھے، مگر کبھی اس میں کوئی شرط لگا دیتے، کبھی بغیر شرط کے رکھتے، کبھی اُسے توڑ کے کفارہ ادا کرتے اور کبھی اُسے آخر تک پورا کرتے۔ ۱۔ آپ ﷺ مذاق بھی کرتے تھے، لیکن اس میں بھی بجز حق کے اور کچھ نہ کہتے۔ تور یہ ۲۔ بھی کرتے مگر اس میں بھی حق وصدق ملحوظ رہتا چنانچہ جنگ کے موقعوں پر اکثر ایسا ہو تا کہ جس سمت میں جانے والے ہوتے اس کے مخالف سمت کے حالات، راستے اور منزلیں دریافت فرماتے تاکہ دشمن کو اصلی ارادہ کے متعلق غلط فہمی ہو جائے۔ آپ مشورہ بھی دیتے اور قبول بھی کرتے۔ بیماروں کی عیادت کرتے، جنازوں میں شرکت کرتے، دعوتِ حق قبول کرتے، بیواؤں، مسکینوں اور لاچاروں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ان کے ساتھ جاتے اور کبھی کسی کی مدد سے دریغ نہ کرتے، شعر بھی سنتے، اس پر انعام بھی دیتے۔ آپ ﷺ نے پیدل دوز بھی کی ہے، کشتی بھی لڑی ہے۔ اپنا جوتا اپنے ہاتھ سے گانٹھا ہے، کپڑے اور چرمی ڈول میں پیوند لگائے ہیں۔ اپنی بکری اپنے ہاتھ سے دوہتی ہے۔ کپڑوں سے جوئیں بھی نکالی ہیں۔

۱۔ یہ سب اس لئے کرامت کے لئے اسوہٴ حسنہ ہوں (مترجم)
۲۔ ایسی بات جو مخالف میں ڈال دے۔

۳۔ دعوت کے معاملہ میں آج کل ہمارے مولوی بہت بدنام ہو رہے ہیں اور اس سے اسلام کی تضحیک ہوتی ہے، کیا اچھا ہو کہ کچھ مدت کے لئے علماء دعوت قبول کرنے سے اجتناب کریں، اُس سے سنت کی مخالفت نہ ہوگی، کیونکہ اس کے مقابلہ میں ایک بڑا شرعی عذر (یعنی اسلام کی عزت) موجود ہے۔ (مترجم)

اہل وعیال کا اور خود اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا ہے۔ مسجد کی تعمیر میں صحابہؓ کے ساتھ انہیں ڈھوئی ہیں۔ مہمان بھی ہوئے ہیں اور میزبانی بھی کی ہے۔ معاملات میں آپؐ کا طریقہ بہترین تھا، قرض لیتے تو قرض سے زیادہ ادا کرتے اور قرض خواہ کے حق میں دُعا فرماتے۔

”بَارَكَ اللَّهُ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ، إِنَّمَا جَزَاءُ السَّلْفِ الْحَمْدُ وَالْأَدَاءُ“

(اللہ تیرے مال و اولاد میں برکت عطا فرمائے، قرض کا معاوضہ یہ ہے کہ ادا کیا جائے اور شکر گزاری ظاہر کی جائے) ایک مرتبہ ایک انصاری سے کچھ قرض لیا درمیان میں اُسے ضرورت ہوئی اور وہ تقاضا کے لئے حاضر ہوا، اُس وقت آپؐ کے پاس کچھ بھی موجود نہ تھا، فرمانے لگے ”ابھی تک ہمارے پاس کوئی آمدنی نہیں آئی“۔ اس نے کچھ کہنا چاہا، روک کر فرمانے لگے ”ٹھہرو! کچھ اور نہ کہو مجھے بہت اچھا قرضدار پاؤ گے!“ چنانچہ بعد کو اسے قرض سے دونا (دو گنا) دے دیا۔ ایک مرتبہ ایک شخص سے اونٹ اُدھار خریدا، وہ قیمت لینے آیا اور سخت کلامی کرنے لگا، صحابہؓ تنبیہ کے لئے اُٹھے، آپؐ نے منع کیا اور فرمانے لگے رہنے دو، حقدار کو کہنے سننے کا حق ہے ایک مرتبہ کچھ اُدھار خریدا، پھر فروخت کیا تو نفع ہوا، نفع کو خاندان عبد المطلب پر صدقہ کر دیا اور فرمانے لگے ”آئندہ سے ہم کوئی چیز بھی ادھار نہ خریدیں گے“ (ابوداؤد) ایک مرتبہ قرض خواہ تقاضا کے لئے آیا اور سخت سست بکنے لگا، حضرت عمرؓ مارنے چلے، آپؐ نے روکا اور فرمانے لگے ”عمر! تمہارے لئے یہ زیادہ مناسب تھا کہ مجھے ادا کرنے کی نصیحت کرتے اور اسے صبر کی، ایک یہودی سے کچھ مال خریدا وہ قیمت لینے آیا، آپؐ نے فرمایا ”ابھی وعدہ کا دن نہیں آیا، وہ شوخ چشمی سے بولا“ تم خاندان عبد المطلب کے لوگ بہت ٹال مٹول کیا کرتے ہو!“ اس پر صحابہؓ کو غصہ آگیا اور دوڑ پڑے، آپؐ نے سب کو روک دیا، اور یہودی جتنا سخت ہوتا گیا، آپؐ اتنے ہی نرم ہوتے گئے، یہاں تک کہ وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ، پکار اُٹھا، اُس نے کہا

یا رسول اللہ ﷺ نبوت کی تمام باتیں مجھے آپ ﷺ میں نظر آتی تھیں، صرف آپ ﷺ کے حکم کا امتحان باقی تھا، سو اس وقت مجھے وہی کرنا تھا، اب میں سچے دل سے مسلمان ہوتا ہوں۔
چلنا، بیٹھنا اور ٹیک لگانا:

ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ سے زیادہ تیز رفتار ۱ میں نے کسی کو نہیں دیکھا، جب چلتے تو معلوم ہوتا کہ زمین سامنے سے تہہ ہوتی چلی جاتی ہے، ہم دوڑتے دوڑتے خستہ ہو جاتے تھے مگر آپؐ کو کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب چلتے تو اس طرح چلتے گویا ڈھلوان پہاڑی سے اتر رہے ہیں دستور تھا کہ جب صحابہؓ ساتھ ہوتے تو انہیں آگے کرتے اور خود پیچھے چلتے اور فرماتے ”مجھے ملائکہ کے لئے اپنے پیچھے رہنے دو“۔ آپؐ جو تاپہن کے بھی چلتے اور برہنہ پاؤں بھی، بعض غزوات میں چلے جا رہے تھے کہ انگشت مبارک میں زخم آگیا اور خون بہنے لگا، اس پر یہ شعر زبان مبارک پر رواں ہوا:

هَلْ أَنْتَ إِلَّا أَصْبَعٌ دُمِيتَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتَ

(تو کیا ہے صرف ایک انگلی جو زخمی ہو گئی ہے، اللہ کی راہ میں تجھے یہ سعادت نصیب ہوئی ہے) سفر میں اپنے صحابہ کا مؤخرۃ الجیش ۲ خود ہوتے، کمزوروں کو سہارا دیتے، پیدل چلنے والوں کو اپنے ساتھ سوار کر لیتے، ان کے حق میں دعا فرماتے۔ نشست میں بھی کچھ اہتمام نہ تھا، کبھی فرش پر بیٹھتے، کبھی چٹائی پر اور کبھی زمین ہی پر۔ جب عدیؓ بن حاتم آئے تو آپؐ انہیں اپنے گھر لے گئے، کنیر نے وہ گدالا کر ڈال دیا جس پر اکثر بیٹھا کرتے تھے، مگر اس پر تنہا بیٹھنا گوارا نہ کیا اور اپنے اور عدی کے بیچ میں رکھ کے خود زمین پر رونق افروز ہو گئے عدی کہتے ہیں کہ اس بات کا مجھ پر بہت اثر پڑا اور میں جان گیا کہ ”یہاں بادشاہی نہیں ہے!“

۱ ہمارے ہاں بہت سے لوگ خرابیاں خرابیاں چلنے کو علامات زہد و اتقا سے قرار دیتے ہیں، اللہ کا رسول ﷺ اور صدر اول کے مسلمان ہمیشہ چاق و بند رہتے اور سپاہیانہ زندگی بسر کرتے تھے یہ چیز ان کے خیال میں مانع زہد نہ تھی، لیکن آج ہم ان سے زیادہ پرہیزگار ہو گئے ہیں اور اس زندگی کو دنیا داروں کی زندگی قرار دیتے ہیں، سچ ہے جب پستی آتی ہے تو کسی چیز کو بھی (عام اس سے کہ دنیا ہو یا دین) بچتے نہیں دیتی، آج مسلمانوں کا دین بھی اتنا ہی پست ہو رہا ہے جتنی ان کی دنیا۔ خدا یا مگر! (مترجم)
۲ سب سے آخر میں چلنے والا۔

لیٹنے میں بھی کوئی خاص اہتمام نہ تھا، کبھی کبھی ایک پیر کو دوسرے پیر پر رکھ لیا کرتے تھے، تکیہ سے ٹیک بھی لگاتے تھے، کبھی داہنی سمت اور کبھی بائیں سمت، اگر ضرورت پڑتی تو کمزوری کے باعث کبھی کسی صحابی پر بھی ٹیک لگا لیتے تھے۔

قضائے حاجت:

جب قضائے حاجت کے لئے جاتے تو فرماتے **اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبُکَ مِنَ الْخُبْثِ وَ الْخَبَائِثِ الرَّجْسِ النَّجْسِ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ** ”(اللہ! مجھے اپنی پناہ میں رکھ خبث سے خباثت سے نجس شیطان رجیم سے) جب فارغ ہو کر لوٹتے تو فرماتے **”عُفِّرْ اَنَکَ“** (تیری مغفرت مطلوب ہے) کبھی پانی سے استنجا کرتے کبھی پتھر سے اور کبھی دونوں سے۔ جب سفر میں ہوتے تو قضائے حاجت کے لئے دور چلے جاتے، یہاں تک کہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے، کبھی کوئی آڑ سامنے رکھ لیتے، کبھی جھاڑیوں اور درختوں کی آڑ میں بیٹھتے۔ اگر سخت زمین پر پیشاب کرنا ہوتا تو تھینٹھیں اُڑنے کے خوف سے پہلے کسی لکڑی سے کرید کے زمین نرم کر لیتے۔ عموماً بیٹھ کے پیشاب کرتے لیکن امام مسلمؒ نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے کھڑے کھڑے بھی پیشاب کیا ہے۔ مگر یہ صرف ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک کوڑے کے ڈھیر کی طرف سے گزرے اور جگہ کے بے موقعہ ہونے کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے پر مجبور ہوئے۔ بیت الخلا سے نکلنے کے بعد بھی قرآن پڑھتے تھے۔ استنجا ہمیشہ بائیں ہاتھ سے کرتے تھے اور اُن باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ کرتے تھے جو عموماً شکی لوگ کیا کرتے ہیں!۔ پھر پیشاب کرتے ہوئے سلام کا

۱۔ اس بارے میں متداول کتب فقہ میں بڑی بڑی بحثیں لکھی ہوئی ہیں اور طرح طرح کی شرطیں بیان کی گئی ہیں جن کے بغیر بقول اُن کے استنجا درست نہیں ہوتا، پھر اُن لوگوں نے جو اپنے کو پرہیزگار کہتے ہیں عجیب عجیب طریقے اس کے لئے اختیار کر رکھے ہیں جنہیں کبھی ”احتیاط“ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی طہارت لازم قرار دیتے ہیں اور جوان کی بیرونی نہ کرے اُسے غیر متنی یا مذہب سے بے پروا سمجھتے ہیں حالانکہ سنت نبویؐ میں اُن توہمات کا کہیں پتہ نہیں۔ پھر سب سے زیادہ عجیب بات اس باب میں وہ بیت استنجا ہے جو ڈھیلہ کرے والوں نے ضروری قرار دے رکھی ہے یہ لوگ ڈھیلے کر دینا چاہتے ہیں (حاشیہ جاری ہے)

جواب نہ دیتے تھے۔ صحیح مسلمؒ میں ابن عمرؓ کا قصہ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پیشاب کر رہے تھے ابن عمرؓ ادھر سے گزرے اور سلام کیا، آپ ﷺ نے انہیں جواب تو دے دیا مگر فراغت کے بعد فرمانے لگے ”میں نے صرف اس خیال سے جواب دے دیا ہے کہ تمہیں یہ خیال نہ گزرے کہ تمہارے سلام کا جواب میں نے نہ دیا، لیکن آئندہ سے خیال رکھو کہ جب میں اس حالت میں ہوں تو سلام نہ کرنا، کیونکہ جواب نہ دوں گا۔“ استنجا کے بعد زمین پر ہاتھ مارتے تھے۔ جب قضائے حاجت کے لئے بیٹھتے تو اُس وقت تک کپڑا نہ اٹھاتے جب تک زمین سے بالکل قریب نہ ہو جاتے۔

صفائی:

ہر کام میں یہی پسند تھا کہ داہنی طرف سے شروع ہو، جوتا پہننا، کنگھی کرنا، غسل کرنا، دینا لینا، سب کچھ داہنی طرف سے شروع ہوتا تھا۔ اسی طرح داہنا ہاتھ کھانے پینے اور دوسرے کاموں کے لئے تھا، بایاں صرف استنجا اور کثافتوں کے دور کرنے کے لئے تھا۔

حجامت کے بارے میں سنت یہ تھی کہ یا تو پورا سر منڈا دیا جائے یا بالکل نہ مونڈا جائے۔ آپؐ مونچھ ۲ ترشواتے تھے ترمذی کی حدیث ہے کہ فرمایا ”جو مونچھ نہیں کٹتا وہ ہم میں سے نہیں“ صحیح مسلمؒ میں ہے ”مونچھیں ترشواؤ، داڑھیاں ۳ بڑھاؤ، اس طرح مجوسیوں کی مخالفت کرو“ صحیحین میں ہے کہ ”مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں کم کرو“

کھار کرتے ہیں ایک ناگ پر رکھ کے آگے بھٹکتے ہیں اور اپنے شرمناک منظر کے ساتھ بلا کسی حیا کے راستوں بازاروں اور مسجدوں میں دیکھے جاتے ہیں حالانکہ ان کا یہ طریقہ سخت شرمناک اور مذموم ہے، جلد سے جلد اس کا ازالہ ہونا چاہیے کیونکہ اس سے دوسروں کو استغناء، بالذاتین کا موقع ملتا ہے۔ (مترجم)

۱۔ آپؐ نے عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ سر منڈا یا ہے اور وہ بھی حج کے موقع پر سر پر ہمیشہ بال رہتے تھے جب کا ندھوں تک دراز ہو جاتے تو ترشوا کر کانوں کی لوہک کر دیتے تھے لہذا معلوم ہوا کہ سنت سر پر بال رکھنا ہے نہ کہ منڈانا، جیسا کہ جاہلوں میں مشہور ہو گیا ہے۔ علاوہ اس کے ذوق بھی یہی چاہتا ہے کہ سر پر بال ہوں منڈا سر نہایت برا معلوم ہوتا ہے، انبیاء کا ذوق سلیم سب سے زیادہ صحیح ہوتا ہے اس لئے اس کے طریقوں میں کوئی چیز ایسی نہیں جسے ذوق سلیم تائید کرے۔ (مترجم) ۲۔ بہت سے لوگ مونچھیں بالکل منڈا دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اتباع سنت کر رہے ہیں حالانکہ سنت میں ہمیں بھی مونچھ منڈانا مذکور نہیں بلکہ بعض ائمہؒ نے تو ایسے لوگوں کی تعزیر کا حکم دیا ہے کیونکہ وہ مونچھیں صاف کر کے اپنے چہروں کو بگاڑتے اور اللہ کی صنعت کو بد نما بناتے ہیں اور واقعہ میں یہ درست بھی ہے کیونکہ لمبی داڑھی کے ساتھ منڈی ہوئی مونچھیں چہرہ کو اس قدر بدایت بنا دیتی ہیں کہ مشکل انسان اپنی نفرت چھپا سکتا ہے۔ (مترجم) (حاشیہ جاری ہے)

آنحضرتؐ کو خوشبو بہت پسند تھی اور اس کا استعمال بکثرت کرتے تھے، حتیٰ کہ بقول ایک جماعت علما کے خوشبو کے کثرت استعمال سے آپ ﷺ کے بال سُرخ ہو گئے تھے اور شبہ ہو تا تھا کہ شاید مہندی کا خضاب کیا گیا ہے۔ جابر بن سمرہؓ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک میں سفید بال تھے؟ جواب دیا صرف چند بال مانگ پر سفید ہو گئے تھے مگر جب تیل لگا لیتے تو چکنائی میں چھپ جاتے تھے۔ بخاری میں ہے کہ کبھی خوشبو واپس نہ کرتے مسلم میں ہے کہ فرمایا ”جس کسی کو پھول پیش کیا جائے چاہئے کہ رد نہ کرے کیونکہ وہ اٹھانے میں ہلکا اور سونگھنے میں خوشگوار ہے۔“ بزار نے مسند میں روایت کی ہے کہ فرمایا ”اللہ طیب ہے طیب کو پسند کرتا ہے صاف ہے صفائی کو پسند کرتا ہے سخی ہے سخاوت کو پسند کرتا ہے اپنے گھروں اور صحنوں کو صاف ستھرا رکھو اور یہودیوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو گھروں میں ہی کوڑا کرکٹ ڈھیر رکھتے ہیں“ حدیث میں ہے کہ ”ہر مسلمان پر اللہ کا یہ حق ہے کہ ہر ساتویں دن ضرور غسل کرے اگر خوشبو میسر ہو تو استعمال کرے“ آپ ﷺ کو مسواک بھی بہت مرغوب تھی روزہ سے ہوں یا بے روزہ جب بیدار ہوتے یا وضو کرتے یا نماز کے لئے کھڑے ہوتے یا گھر میں جانے لگتے تو مسواک ضرور کرتے۔ صحیحین میں ہے کہ ”اگر امت کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر نماز پر مسواک کرنے کا حکم دیتا“ بخاری میں (تعلیقاً) ہے ”مسواک منہ کی صفائی اور پروردگار کی خوشنودی ہے!“ مسواک کے بارے میں بکثرت

(حاشیہ متعلقہ صفحہ نمبر 71) ح داڑھی کی درازی کے متعلق سنت میں کوئی تحدید نہیں ایک مشہور دودا انگل کی جو ناپ مشہور ہو گئی ہے سنت میں اس کا کہیں ذکر نہیں درحقیقت یہ چیز بھی انسان کے ذوق سے تعلق رکھتی ہے اور کسی تحدیدی حکم کی محتاج نہیں کیونکہ ہر انسان اگر ذوق سلیم رکھتا ہے تو جانتا ہے کہ کتنی بڑی داڑھی اس کے چہرہ اور قد کے لئے مناسب ہوگی تمام صحابہؓ کی داڑھیاں برابر نہ تھیں اور نہ کوئی خاص ناپ تھا کہ جس سے داڑھیاں ناپی جاتی ہوں۔ لہذا اس معاملہ میں زیادہ اصرار نہیں کرنا چاہئے اور لوگوں کو ان کے ذوق پر چھوڑنا چاہئے۔ اسی سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے بہت سے لوگ ”خطا“ بنواتے ہیں یعنی رخسار بھونٹ اور گلے کے بال منڈا دیتے ہیں جو بلا شک ”داڑھی“ کے اندر داخل ہیں یہ طریقہ بھی مسنون نہیں معلوم نہیں یہ رسم کیونکر پھیل گئی؟ حالانکہ اس سے بھی چہرہ بد نما ہو جاتا ہے اسی طرح گدی کے بال منڈانے سے بھی بد نمائی پیدا ہوتی ہے مسلمان کے لئے زیبا نہیں کہ اپنی صورت بگاڑ لے ”خدا جو خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے“ ہرگز بد وضعی اور بد ہمتی سے خوش نہیں ہوتا! (مترجم)

احادیث وارد ہوئی ہیں، قطع نظر اس کے اس میں بیشمار فوائد بھی ہیں، وہ منہ کو صاف کرتی ہے، مسوڑھے مضبوط کرتی ہے، دانتوں کے خلا اور سوراخوں کو دور کرتی ہے، قرأت قرآن اور ذکر الہی کی ترغیب دیتی ہے۔ مسواک ہر حال میں مستحسن ہے خصوصاً وضو اور نماز کے وقت تو ضروری قرار دی گئی ہے، منہ کی بدبو کا زائل کرنا ہر وقت اور ہر شخص کے لئے ضروری ہے عام اس کے کہ روزہ سے ہو یا بے روزہ، روزہ دار کے لئے تو مسواک اور بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ معدہ خالی ہونے کی وجہ سے اس کے منہ میں بوزیادہ ہو جاتی ہے، خود آنحضرت ﷺ کا بھی اس پر عمل تھا چنانچہ سنن میں عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ کو روزہ کی حالت میں بے شمار مرتبہ مسواک کرتے دیکھا ہے۔ البتہ بخاری نے ابن عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ روزہ دار کو دن کے اول اور آخر حصہ میں مسواک کرنا چاہئے۔ لیکن تمام امت کا اجماع ہے کہ روزہ دار جب چاہے کھلی کر سکتا ہے، حالانکہ کھلی مسواک سے زیادہ دہن کو تری پہنچاتی ہے۔ بدبو سے روزہ کا ثواب نہیں بڑھتا، اللہ تعالیٰ کو کیا پڑی ہے کہ لوگ بدبو دار دہن سے اس کی عبادت کریں؟

بلاشبہ یہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا کو روزہ دار کے منہ کی بو بھلی معلوم ہوتی ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ قصدِ امنہ میں بو باقی رکھی جائے، یہ تو صرف روزہ کی ترغیب کے لئے فرمایا گیا ہے اور قیامت کے دن ہو گا نہ کہ دنیا میں۔ قیامت میں روزہ دار کے منہ کی بو اسی طرح مشک سے بہتر ہوگی جس طرح اُس دن مجاہد کے زخموں کا خون رنگ میں تو خون کی طرح لال ہوگا، مگر اپنی بو میں مشک کی طرح ہوگا، حالانکہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس دنیاوی زندگی میں مجاہد کو اپنے جسم سے خون ضرور دور کرنا چاہئے، یہی حال روزہ دار کے منہ کی بو کا بھی ہے۔ پھر مسواک سے روزہ کی اصلی بودور بھی نہیں ہو سکتی، جب تک معدہ خالی ہے بو ضرور باقی رہے گی، بلکہ اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ دانتوں اور مسوڑھوں پر کی کثافت دور ہو جائے اور منہ سے بونہ پھیلے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ تمام باتیں امت کو بتادی

ہیں جن سے روزہ مکروہ ہوتا ہے، مگر مسواک کا اُن میں کہیں ذکر نہیں حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ لوگ مسواک کرتے ہیں اور کریں گے اور خود آپ بھی کیا کرتے اور بہت زیادہ وسیع الفاظ میں اس کے استعمال کی ترغیب دلایا کرتے تھے، لیکن آپ نے کبھی نہیں فرمایا کہ روزہ میں مسواک اس وقت نہیں اس وقت کرو۔ !

گفتگو، خاموشی، ہنسی، رونا:

آپ ﷺ از حد فصیح اور شیریں بیان تھے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں تمہاری طرح بڑا اتے نہ تھے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر بولتے اور ایک ایک فقرہ اس طرح الگ الگ کر کے کہتے کہ مخاطب پوری طرح گفتگو یاد کر لیتا۔ اکثر جملہ کو تین مرتبہ دہراتے تاکہ خوب ذہن نشین ہو جائے۔

ہمیشہ خاموش رہتے، بلا ضرورت کبھی نہ بولتے، جب بولتے تو منہ بھر کے بولتے، کٹے پٹے لفظ نہیں بلکہ صاف صاف اور پورے پورے لفظ بولتے۔ زبان پر ہمیشہ جوامع الکلم جاری ہوتے تھے، نیچے تلے الفاظ ہوتے تھے، مطلب سے ایک لفظ بھی کم زیادہ نہ ہوتا تھا۔ اگر کوئی بات ناگوار ہوتی تو چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا اور مخاطب سمجھ جاتا کہ یہ بات بری معلوم ہوئی

۱۔ اس فصل سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو صفائی کا کتنا خیال تھا، اب مسلمان سوچیں کہ ان کی حالت کیا ہے، مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسلمان شاید دنیا کی کثیف ترین قوم ہیں، عوام سے زیادہ علماء کرام کو صفائی کی جانب توجہ کرنا چاہئے، طہارت کے معنی صرف یہ نہیں کہ انسان صحیح طور پر استنجا کر لیا کرے یا غسل جنابت میں دلوئے اوپر انڈیل لے بلکہ طہارت سے مقصود جسم اور لباس کی میل پکیل اور بو سے پاکي ہے، جس کی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم میں بہت کمی ہے، مسلمانوں کی مجلسوں اور مسجدوں میں ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اس حالت کے ساتھ جمع ہوتے ہیں کہ ان کے کپڑوں سے سخت تعفن آتی ہے، اکثر مسلمان جمعہ سے پہلے غسل ہی نہیں کرتے اور نہ کپڑے بدلتے ہیں اگرچہ کتنے ہی میلے ہو جائیں، اسی کثافت کا نتیجہ ہے کہ ہمارا دل و دماغ بھی کثیف اور سست ہو گیا ہے اور اگلی نشاط و ہمت باقی نہیں۔ مسواک کا بیان اس فصل میں پڑھ چکے ہو۔ مگر ہماری حالت کیا ہے؟ بہت سے لوگ بالکل دانت صاف ہی نہیں کرتے، بہت سے اوپر اوپر مسواک کر لیتے ہیں، منہ کے اندر صفائی کی ضرورت نہیں سمجھتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منہ سے سخت تعفن آتی ہے اور ساتھ بیٹھے والا پریشان ہو جاتا ہے، خصوصاً مساجد میں جبکے صفیں کھڑی ہوتی ہیں اور لوگ بے پروائی سے جمائیاں لیتے ہیں تو اس قدر بو بھٹکتی ہے کہ سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے جب ہمارے منہ اور جسم کی یہ حالت ہے تو مکانات کی صفائی کا سوال ہی فضول ہے، کتنے مسلمان ہیں جن کے مکان اُن یہودیوں کے سے نہیں جن کے ہونے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے؟ اللّٰهُمَّ اضْلِعْ اَحْوَائِنَا! (مترجم)

ہے۔ بدخلقی، سخت کلامی، فحش گوئی اور شور و غل کا وہاں گزر نہ تھا۔ ہنسی بس یہاں تک تھی کہ لبوں پر مسکراہٹ ظاہر ہو جاتی، اگر بہت زیادہ ہنستے تو باجھیں کھل جاتیں، وہاں قہقہے نہ تھے۔ آپؐ کو بھی انہیں باتوں سے ہنسی آتی تھی جن سے سب ہنستے ہیں۔ اسی طرح رونا بھی تھا دھاڑیں مارنا یا بچکیوں سے رونا نہ ہوتا تھا، صرف آنکھوں میں آنسو ڈبڈباتے تھے، اگر بہت ہوا تو آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور گریہ کی آواز سینہ سے نکلتی معلوم ہوتی۔ آپؐ کا رونا کبھی میت کے لئے ہوتا، کبھی اپنی امت کے لئے، کبھی خشیت الہی سے، کبھی قرآن سننے سے جس میں شوق، محبت، خوف اور خشیت کی آمیزش ہوتی۔ جب آپؐ کے فرزند ابراہیم کا انتقال ہوا تو آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں اور زبان سے صرف اس قدر فرمایا۔ ”تَذْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ وَلَا تَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا وَإِنَّا بِكَ يَا اِبْرَاهِيمَ لَمَخْزُونُونَ“ (آنکھ روتی ہے، قلب رنجیدہ ہے لیکن ہم وہی کہیں گے جس سے پروردگار راضی ہو، ابراہیم! تیرے لئے ہم غمزدہ ہیں!) اسی طرح اپنی ایک صاحبزادی کو حالت نزع میں دیکھ کر روئے، ایک مرتبہ عبد اللہ بن مسعودؓ نے سورہ نساء سنائی اور جب آیت ”فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا“ پر پہنچے تو رقت طاری ہو گئی۔ ایک مرتبہ سورج گرہن پڑا تو آپؐ نے صَلَوةُ الْكُسُوفِ پڑھی اور نماز میں بہت روئے۔ رات کی نمازوں میں اکثر کیفیت طاری ہوتی تھی اور رویا کرتے تھے۔

خطبہ:

آپؐ نے زمین پر کھڑے ہو کر بھی خطبہ دیا ہے، منبر پر سے بھی اور اونٹ کی پشت پر بیٹھ کر بھی۔ جب خطبہ دیتے تو آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی، غیظ و غضب از حد بڑھ جاتا، اور ایسا معلوم ہوتا گویا کسی فوج کو لاکارہے ہیں۔ خطبہ اس طرح شروع فرماتے تھے:

”أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ (ﷺ) وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَكُلُّ مُحَدَّثَةٍ بِذَعَةٍ وَكُلُّ بِذَعَةٍ ضَلَالَةٌ“

(ترجمہ) سب سے بہتر گفتگو کتاب اللہ ہے، سب سے بہتر ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے، سب سے بُری چیز بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ ہر خطبہ حمد و ثنا سے شروع کرتے تھے، رہا بہت سے فقہا کا یہ کہنا کہ خطبہ استسقا حمد کے بجائے استغفار سے اور خطبہ عید تکبیر سے شروع کرنا چاہئے، تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، کیونکہ سنت نبوی ﷺ میں اس کا کہیں ثبوت نہیں ملتا بلکہ عمل نبوی ﷺ اس کے سراسر خلاف ہے۔ آپ ﷺ ہمیشہ خطبہ کھڑے ہو کر دیتے تھے، مراہیل عطا میں ہے کہ جب منبر پر کھڑے ہو جاتے تو لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتے ”السلام علیکم“، شععی کا قول ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی سنت بھی یہی تھی۔ بسا اوقات خطبہ صرف قرآن سے مرکب ہوتا تھا صحیح مسلمؒ میں اُم ہشامؓ بنت حارثہ کی روایت ہے کہ سورہ ”ق“ میں نے خود آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سن کے یاد کی ہے، کیونکہ آپؐ ہر جمعہ میں اُسے منبر پر بطور خطبہ کے پڑھا کرتے تھے۔ ابو داؤدؒ کی روایت ہے کہ خطبہ میں جب شہادت پڑھتے تو یوں فرماتے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضِلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَاشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ اَرْسَلَهُ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَنَذِيْرًا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ ، مَنْ يُطِيعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَعْصِهِمَا فَاِنَّهُ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهُ وَلَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئًا۔“^۱

خطبہ کا موضوع، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، اس کے اوصاف و کمالات کا بیان، اصول اسلام کی تعلیم،

۱۔ حمد اللہ کے لئے ہے جس سے ہم اعانت و مغفرت چاہتے اور اسی سے اپنے نفسوں کے شر سے پناہ مانگتے ہیں اُن جسے اللہ ہدایت یاب کرے اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے اُدھر سے ہدایت نہ ملے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں میں شہادت دیتا ہوں کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اس کا ایک بندہ اور رسولؐ ہے جسے اُس نے قرب قیامت پر بشارت دینے والا (حاشیہ جاری ہے)

حالات جنت، دوزخ کی تشریح تقویٰ الہی کی ہدایت اور خدا کی ناراضگی و خوشنودی کے اسباب کی تفصیل ہوتا تھا۔ ہر موقعہ پر خطبہ کے مطالب ایسے ہوتے جو مخاطبین کی حالت و ضرورت کے مناسب ہوتے۔ آپ ﷺ نے کوئی خطبہ ۱ نہیں دیا۔ جس میں شہادت کے دونوں کلموں کا اعادہ اور اپنے خاص نام (محمد ﷺ) کا ذکر نہ کیا ہو۔ خطبہ کبھی طویل ہوتا تھا، کبھی مختصر، عید کے موقعوں پر عورتوں کے لئے علیحدہ خطبہ دیتے جس میں انہیں صدقہ کی ترغیب دلاتے۔ خطبہ دیتے وقت کبھی عصا پر ٹیک دیتے اور کبھی کبھی کمان پر۔

نام:

الفاظ معانی کے قالب ہیں، اسم اور مسمیٰ میں ضرور کوئی معنوی مناسبت ہوتی ہے، اسی لئے آپؐ ہمیشہ اچھے نام پسند فرماتے اور برے نام رکھنے سے روکتے تھے، حدیث میں ہے کہ فرمایا ”خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام: عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں، سب سے زیادہ درست: حارث (ماہر۔ یا کاشکار) اور ہام (شجاع۔ سخی) ہیں، سب سے زیادہ کمزور: حرب (جنگ) اور مرہ (تلخ) ہیں“ نیز فرمایا ”اپنے غلام کا نام یسار (زمی) کشادگی) رباح (نفع) نجیح (کامیاب) افلاح (نہایت کامیاب) نہ رکھو، کیونکہ کبھی اُس کا نام لے کر پکارو گے کہ فلاں وہاں ہے؟ اگر نہ ہو تو جواب ملے گا نہیں! اسی طرح آپؐ نے عاصیہ (نافرمان) کا نام یہ فرما کر بدل دیا کہ تو عاصیہ نہیں جمیلہ ہے۔ اس بارے میں اس قدر خیال تھا کہ حکم دے دیا تھا کہ آپؐ کے پاس ڈاک لانے والے

اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی ہدایت پائی اور جوانی و دنوں کا نافرمان ہوا وہ خود اپنے تئیں نقصان پہنچائے گا، اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔

۱۔ ہندوستان میں خطبہ جمعہ محض رسماً ہوتا ہے اس سے کسی کو فائدہ نہیں ہوتا، خطیب اُسے قرآن کی طرح قرأت کے ساتھ اور گامگا کے پڑھتا ہے اور سامعین بیٹھے اونگھا کرتے ہیں، بھلا ایسے خطبہ سے کیا نتیجہ؟ پھر خود یہ مطبوعہ خطبے اعلیٰ مطالب سے خالی ہوتے ہیں اور بجز ریش قافیہ بندی کے ان میں کچھ نہیں ہوتا۔ کاش عربی خطبہ کے ساتھ یا مستقل طور پر خطیب اردو میں تقریر کرے اور وہ باتیں بتائے جس سے قوم کی حالت سدھرے! (مترجم)

خوبصورت اور اچھے نام کے لوگ ہوں۔ آپ کا دستور تھا کہ لوگوں کی کنیت رکھ دیا کرتے تھے عام اس سے کہ صاحب اولاد ہوں یا نہ ہوں چنانچہ حضرت علیؓ کی کنیت ”ابو الحسن“ صہیبؓ کی ”ابو یحییٰ“ مقرر کر دی تھی۔

سلام:

صحیحین میں ہے کہ فرمایا ”سب سے افضل اور سب سے بہتر اسلام یہ ہے کہ آدمی مسکینوں کو کھانا کھلائے اور ہر کس و ناکس کو سلام کرے“ صحیح بخاری میں ہے ”تین باتیں جس کسی میں جمع ہو گئیں ایمان جمع ہو گیا: اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرنا، سب کو سلام کرنا، تنگی میں خدا کے نام پر خرچ کرنا۔“ ایک مرتبہ لڑکوں کے ایک گروہ کی طرف سے گزرے تو انہیں سلام کرنے میں پیش قدمی کی (مسلمؒ) اسی طرح ایک دن عورتوں کی طرف گزر رہا تو انہیں اشارہ سے سلام کیا (ترمذی) صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا ”چھوٹا بڑے کو سلام کرے چلنے والا بیٹھے ہوئے کو، سوار پیدل کو، تھوڑی جماعت بڑی جماعت کو“ آپ ﷺ کی سنت تھی کہ جب مجلس میں آتے تو سلام کرتے اور جب جاتے تو سلام کرتے حدیث میں ہے ”مجلس میں آؤ تو سلام کرو، جانے لگو تو سلام کرو یا درکھو کہ پہلا سلام دوسرے سلام سے فضیلت میں زیادہ نہیں ہے“ اور فرمایا ”اگر کوئی سلام سے پہلے کچھ پوچھے تو جواب مت دو“ آپ ﷺ کا سلام ”السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ“ تھا اور سلام کا جواب ”وعلیک السلام“ اے ہمیشہ زبان سے جواب دیتے ہاتھ یا انگلی کے اشارہ یا سر کی حرکت سے کبھی جواب نہ دیتے، البتہ نماز کی حالت میں اشارہ سے جواب دے دیتے تھے جیسا کہ حضرت انسؓ اور جابر رضی اللہ عنہم وغیرہ کی روایتوں سے ثابت ہے۔ ایک مرتبہ ایسی مجلس کی طرف گزر رہا جس میں مسلمان اور مشرک دونوں ملے جلے بیٹھے تھے آپ ﷺ نے اُن سب کو سلام کیا۔ جب

۱۔ یہ ایک کے لئے ورنہ جماعت کے لئے ”و علیکم السلام“۔

کوئی کسی دوسرے کا سلام آ کر پہنچاتا تو سلام کرنے والے اور پہنچانے والے دونوں کو جواب دیتے تھے۔ اگر کوئی بڑی خطا کرتا تو اُس سے صاحب سلامت بند کر دیتے تھے یہاں تک کہ توبہ کر لے جیسا کہ کعب بن مالک اور اُن کے ساتھیوں کے ساتھ ہوا اور جیسا کہ حضرت زینبؓ سے دو مہینہ ترک کلام کر دیا تھا کیونکہ آپؐ نے اُن سے فرمایا تھا کہ حضرت صفیہؓ کو اپنا اونٹ دیں مگر اُنہوں نے جواب سختی سے دیا، کہنے لگیں ”ہاں میں اُس یہودیہ کو اپنا اونٹ ضرور دے دوں گی!“ (ابو داؤد)۔

چھینک:

ابوداؤد میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ چھینک لیتے تو منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھ لیتے جس سے یا تو آواز بالکل دب جاتی یا بہت کم ہو جاتی۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا ”اونچی جمائی اور تیز چھینک شیطان کی طرف سے ہے اللہ ان دونوں کو ناپسند کرتا ہے“ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے آپؐ کے سامنے چھینک لی، آپ ﷺ نے قاعدہ کے مطابق ”یَرْحَمُکَ اللہ“ کہا، ذرا دیر بعد پھر چھینک لی تو یَرْحَمُکَ اللہ نہ کہا بلکہ فرمانے لگے ”اِسے زکام ہے“ حدیث صحیح میں ہے کہ ”اللہ تعالیٰ چھینک کو دوست رکھتا ہے اور جمائی سے نفرت کرتا ہے جب چھینک آئے تو ”الْحَمْدُ لِلّٰہ“ کہا کرو دوسرے کو چھینکتے اور یہ کہتے سنو تو ”یَرْحَمُکَ اللہ“ کہو، رہی جمائی تو وہ شیطان کی طرف سے ہے لہذا حتی الوسع روکو کیونکہ جب انسان منہ پھاڑ کے جمائی لیتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے“ (بخاری) نیز فرمایا ”جب چھینک آئے تو ”الْحَمْدُ لِلّٰہ“ کہو، سننے والا ”یَرْحَمُکَ اللہ“ کہے، تم جواب میں ”یَهْدِیْکُمْ اللہ وَیُصْلِحْ بِاَلْکُمْ“ کہو (بخاری) صحیح مسلم میں ہے ”مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں: جب باہم ملو تو سلام کرو، دعوت قبول کرو، نصیحت چاہے تو نیک نصیحت کرو، چھینک لے کر ”الْحَمْدُ لِلّٰہ“ کہو تو ”یَرْحَمُکَ اللہ“ کہو، بیمار ہو جائے تو عیادت کرو، مر جائے تو جنازہ میں ساتھ جاؤ۔“

گھر میں کس طرح داخل ہوتے تھے؟

گھر میں اس طرح داخل ہوتے کہ گھر والوں کو پیشتر سے اطلاع ہو جاتی، اچانک نہ گھس جاتے کہ لوگ بے خبری کے عالم میں ہوں، جب اندر پہنچتے تو سلام کرتے، پھر کبھی فرماتے ”تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟“ اور کبھی خاموش رہتے یہاں تک کہ ماحضر پیش کر دیا جاتا۔ ترمذی میں ہے کہ آپؐ نے حضرت انسؓ سے فرمایا ”جب گھر میں جاؤ تو سلام کرو تاکہ اللہ کی برکت تم پر اور تمہارے اہل و عیال پر نازل ہو“ اور فرمایا ”جب آدمی گھر آتا ہے اور اندر جاتے اور کھانے پر بیٹھتے ہوئے اللہ کو یاد کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے اب میرے لئے یہاں رہنا اور کھانا نہیں، لیکن اگر اللہ کو یاد نہیں کرتا تو شیطان کہتا ہے لو میرے لئے شب باشی کا سامان ہو گیا، پھر اگر کھانے پر بھی خدا کا نام نہیں لیتا تو شیطان کہتا ہے اب مجھے کھانا بھی مل گیا“ (مسلم)

گھر میں آنے کے لئے اجازت چاہنا:

جب کسی کے ہاں تشریف لے جاتے تو سیدھے دروازہ کے سامنے نہ آ جاتے بلکہ دائیں یا بائیں پہلو سے آتے اور فرماتے ”السلام علیکم“ حدیث میں ہے کہ فرمایا ”جب کسی کے گھر جاؤ تو اندر جانے کے لئے تین مرتبہ اجازت طلب کرو، اگر مل جائے داخل ہو ورنہ واپس چلے آؤ ایک مرتبہ ایک شخص آپؐ کے حجرہ میں سوراخ سے جھانک رہا تھا آپؐ اٹھے اور اس کی آنکھ پھوڑ ڈالنے کا ارادہ کر لیا، پھر فرمایا ”اگر کوئی بغیر اجازت تمہیں جھانکے اور تم کنکری مار کے اس کی آنکھ پھوڑ ڈالو تو یہ کوئی جرم نہیں ہے۔“ نیز فرمایا ”جو کوئی کسی کے گھر میں بغیر اجازت جھانکے اور صاحب خانہ اُس کی آنکھ پھوڑ ڈالے تو نہ دیت ہے نہ قصاص۔“ ایک شخص حاضر ہوا اور اندر آنا چاہا، آپؐ نے فرمایا کہو ”السلام علیکم“ کیا میں آؤں؟

۱۔ یہ سلام تو مسلمانوں سے تقریباً مفقود ہو گیا ہے، لوگ دوسروں سے ملنے آتے ہیں اور اگر دروازہ پر دربان موجود نہ ہوں تو بالاکلف اندر چلے آتے ہیں اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھتے، گویا خود اپنا گھر ہے۔ (مترجم)

مرغوبات و مکروہات:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا ”جس بندہ کو اللہ کی طرف سے نعمت حاصل ہوئی عام اس سے کہ اہل و عیال میں ہو یا مال و متاع میں اور اُس نے کہا ”مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ“ تو اس پر بجز موت کے کوئی مصیبت نہ آئے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”وَلَوْ لَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ“ (جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تھا کیوں نہ کہا ”یہ اللہ کی مشیت ہے اور بجز خدا کے ہاں کے کوئی طاقت نہیں“) حدیث میں ہے کہ ”روئے صالحہ اللہ کی طرف سے ہے اور برے خواب شیطان کی طرف سے، پس جو کوئی بُرے خواب دیکھے تو چاہئے کہ بائیں جانب تھوک دے شیطان سے پناہ مانگے اور کسی سے بیان نہ کرے۔ لیکن اگر اچھا خواب دیکھے تو چاہئے کہ خوش ہو اور جس سے چاہے بیان کرے۔“

WWW.KITABOSUNNAT.COM

عبادات

وضو:

اکثر ہر نماز کے لئے الگ وضو کرتے تھے، کبھی ایک ہی وضو سے کئی کئی نمازیں پڑھ لیتے، کبھی ایک مدۃ پانی سے وضو کرتے، کبھی دو ٹکٹ سے، امت کو ہمیشہ وضو میں بھی اسراف سے منع کرتے اور فرماتے ”وضو کا بھی ایک شیطان ہے جس کا نام ”ولہان“ ہے، لہذا پانی کے دوسو سوں سے بچو“ وضو میں کبھی اعضا ایک ایک مرتبہ دھوتے، کبھی دو دو اور کبھی تین تین مرتبہ، پھر کبھی ایسا بھی کرتے کہ کوئی عضو دو مرتبہ دھوتے اور کوئی تین مرتبہ، لیکن سر کا مسح ہمیشہ ایک ہی مرتبہ کرتے یہ ثابت نہیں کہ کبھی سر کے بعض حصہ پر مسح کیا ہو اور بعض کو چھوڑ دیا ہو بلکہ ہمیشہ پورے سر کا مسح کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اگر کبھی عمامہ بندھا ہونے کی وجہ سے اول سر کا مسح کرتے تو باقی سر کا عمامہ ہی پر سے ہاتھ پھیر کے مسح کر لیتے۔ اس باب میں سنت یہ تھی کہ کبھی سر پر مسح کرتے کبھی عمامہ پر، کبھی سر کے اگلے حصہ پر اور باقی عمامہ پر۔ ہر وضو میں کھلی اور استنشاق (ناک میں پانی لینا) ضرور کرتے، کبھی اس کے خلاف عمل کرنا ثابت نہیں۔ کبھی کھلی اور استنشاق ایک ایک چلو سے کرتے کبھی دو سے اور کبھی تین سے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ دونوں ایک ہی چلو سے اس طرح کر لیتے کہ آدھا کھلی میں لے لیتے اور آدھا ناک میں جیسا کہ صحیحین میں عبد اللہ بن زیدؓ نے روایت کیا ہے۔ ناک میں پانی داہنے ہاتھ سے لیتے تھے اور شکتے بائیں ہاتھ سے تھے۔ سر کے مسح کے ساتھ اندر باہر کانوں کا بھی مسح کر لیتے تھے، کانوں کے لئے علیحدہ پانی لینا ثابت نہیں۔ اگر خف (چرمی موزے) یا جرابیں پہنے نہ ہوتے تو پیر دھوتے، ورنہ مسح کرتے تھے، سفر و حضر دونوں حالتوں میں مسح کیا ہے، اور وفات تک کبھی اسے منسوخ نہیں بتایا۔ مقیم کے لیے مسح کی مدت ایک دن رات قرار دی ہے

۱۔ مقررہ ایک سیر کا وزن ہوتا ہے

اور مسافر کے لئے تین دن رات۔ آپ ﷺ نے خف پر بھی مسح کیا ہے، جرابوں پر بھی اور جوتوں پر بھی۔ وضو ہمیشہ مسلسل اور اپنی پوری ترتیب کے ساتھ ہوتا تھا، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ خلاف ترتیب ایک عضو پہلے دھولیا ہو اور دوسرا پیچھے۔ داڑھی اور انگلیوں میں خلال پابندی سے نہ کرتے تھے۔ جب وضو کرنے بیٹھتے تو بسم اللہ کہتے اور جب ختم کرتے تو کلمہ شہادت پڑھتے، اس کے علاوہ آگے یا پیچھے کچھ کہنا ثابت نہیں۔ کہنیوں سے اوپر ہاتھ اور ٹخنوں سے اوپر پیروں کا دھونا منقول نہیں۔

امام ترمذی کا قول ہے کہ وضو کے بعد اعضا کا خشک کرنا بھی ثابت نہیں۔ کبھی وضو خود کر لیتے تھے اور کبھی کوئی دوسرا پانی ڈال دیتا تھا جیسا کہ مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے ایک سفر میں وضو کر لیا تھا۔ (صحیحین)

تیمم:

صرف ایک مرتبہ ہاتھ مار کے چہرہ اور ہتھیلیوں کا تیمم کر لیتے تھے، دوسرے ہاتھ مارنا یا کہنیوں تک تیمم کرنا ثابت نہیں، امام احمدؒ کا قول ہے کہ جو کوئی تیمم کہنیوں تک بتاتا ہے وہ دین میں اپنے دل سے اضافہ کرتا ہے۔ تیمم ہر اُس زمین پر کرتے جس پر نماز پڑھ سکتے تھے، عام اس سے کہ مٹی ہو، چونا ہو، ریت ہو، فرمایا ”جہاں کہیں میری امت کے آدمی کو نماز کا وقت آجائے تو اس کے پاس اس کی مسجد اور اس کی طہارت کا سامان موجود ہے“، ہر نماز کے لئے تیمم نہ کرتے اور نہ اس کا حکم ہی دیتے، بلکہ تیمم کو بالکل وضو کا قائم مقام قرار دیا ہے ۲۔

۱۔ اس باب میں لوگوں نے طرح طرح کی شرطیں بیان کی ہیں، مثلاً یہ کہ موزے اور جرابیں ایسے ہوں، اتنے دیر ہوں، پھٹے نہ ہوں۔ لیکن شریعت میں ان میں سے کوئی شرط بھی موجود نہیں۔ موزے چڑے کے ہوں یا اون کے یا سوت کے سب پر مسح کیا جاسکتا ہے، اسی طرح جو تپ بھی مسح کرنا جائز ہے، اس باب میں اصل مصلحت رفع تکلیف ہے، اگر جو ایسا ہے جس کے پسینے اور اتارنے میں زحمت ہوتی ہے تو اس پر مسح کیا جاسکتا ہے، اسی طرح ہر قسم کے موزوں اور جرابوں پر مسح ہو سکتا ہے، اگرچہ سونی ہوں، باریک ہوں، جا بجانے پھٹے ہوں، کیونکہ سنت نبوی ﷺ میں لوگوں کی خود ساختہ شرطوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ (مترجم)

۲۔ تیمم وضو اور غسل جنابت کا قائم مقام ہے، اگر پانی میسر نہ ہو یا حالت مرض و سفر ہو، قرآن میں ہے۔ (حاشیہ جاری ہے)

نماز: ۱

جب نماز شروع کرتے تو صرف ”اللہ اکبر“ کہتے، اس سے پہلے اور کچھ نہ کہتے، حتیٰ کہ نیت بھی زبان سے کچھ کہہ کر نہ کرتے مثلاً نیت کرتا ہوں چار رکعت نماز کی قبلہ رخ ہو کر یا مقتدی اور امام ہو کر یا فرض نماز کی یا سنت کی یا قضا کی یا ادا کی، غرض یہ کہ اس طرح کی کوئی بات نہ کہتے بلکہ یہ تمام الفاظ بدعت ہیں جن میں سے کسی ایک لفظ کو بھی کسی شخص نے روایت نہیں کیا نہ صحیح اسناد سے نہ ضعیف سے بلکہ کسی صحابی یا تابعی سے بھی مروی نہیں حتیٰ کہ ائمہ اربعہ میں سے بھی کسی نے اس کی تحسین نہیں کی۔ تکبیر کے لیے اپنے دونوں ہاتھ کاندھوں یا کانوں تک اس طرح اٹھاتے کہ انگلیاں پھیلی رہیں پھر داہنا ہاتھ بائیں پر رکھ لیتے اور نماز شروع کر دیتے۔ نماز کا آغاز مختلف دعاؤں سے کرتے تھے، کبھی فرماتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْمَاءِ أَوْ لَمْ تُسْمِعُوا النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ط... الخ (النساء: ۴۳)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ نماز اُس وقت پڑھنی چاہیے جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔ اور اسی طرح جنابت کی حالت میں بھی نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک غسل نہ کر لو! یہ کہ راستہ سے گزرتے ہو۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے لمس کیا ہو اور پھر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرلو۔

۱۔ نماز کے فوائد بے شمار ہیں اس سے لوگوں میں نظم پیدا ہوتا ہے، چستی و چالاکی آتی ہے، پابندی اوقات اور ایفائے عہد کی عادت پڑتی ہے، نماز کی صفوں کا اتحاد دلوں میں اتحاد پیدا کرتا ہے اور جنگ کی صفوں کو طاقت بخشتا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ نماز اپنے بھائیوں کے ساتھ صف میں کھڑے ہو کر اپنے تئیں ایک بڑی برادری کا فرد اور طاقت ور جسم کا عضو سمجھتا ہے، پھر اس کے ذریعہ جماعت سے انس پیدا ہوتا ہے جو ہر قسم کی ترقیوں اور نیکیوں کی بنیاد ہے۔ علاوہ ازیں نماز ہی کے ذریعہ بندہ اور خدا میں ٹھوس تعلق پیدا ہوتا ہے، بندہ اپنے مولا کے حضور میں کھڑا ہوتا ہے اس کی آنکھیں تلاوت کرتا ہے ان میں غور فکر کرتا ہے، اٹھتا ہے، بیٹھتا ہے اور نماز کے جملہ ارکان اس احساس کے ساتھ ادا کرتا ہے کہ اللہ مجھے دیکھتا اور میری ہر حرکت کا نگران ہے تو اس احساس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

اس کے قلب میں خشیت و محبت الہی کی نشوونما ہوتی ہے اور بتدریج نماز اس کے لئے زندگی کا سب سے زیادہ پسندیدہ مشغلہ اور برائیوں سے بچنے کے لئے ایک مضبوط سپر بن جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ط وَلَذِكُرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ۝ (العنکبوت: 45)

اور نماز قائم کرو یقیناً نماز نفس اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر اس سے بھی زیادہ بڑی چیز ہے۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

پس نماز سے اخلاق درست ہوتے ہیں، جسم پاک ہوتے ہیں، لباس جگہدار ماحول کی صفائی رہتی ہے، لوگوں میں ہمت و نشاط پیدا ہوتی ہے، نیکی کی ترغیب بدی سے نفرت، باہمی اتحاد، قلب میں اعلیٰ جذبات اور اعلیٰ خیالات کی نشوونما غرضیکہ بے شمار دینی و دنیاوی فوائد حاصل ہوتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ط وَأِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقَاو رَّبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ (البقرة: 46-47)

صبر اور نماز سے مدد لو بیشک نماز ایک سخت مشکل کام ہے، مگر ان فرماں بردار بندوں کے لیے مشکل نہیں ہے جو سمجھتے ہیں کہ آخر کار انہیں اپنے رب سے ملنا اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ بنا بریں اس زندگی میں کوئی شخص بھی نماز سے مستغنی نہیں ہو سکتا، لیکن بعض لوگوں نے نماز چھوڑ دی ہے کیونکہ وہ اس کے فوائد سے ناواقف اور موجودہ زمانے کے اکثر نمازیوں کے حالات دیکھ کر مایوس ہو گئے ہیں کہ جن کے نہ تو اخلاق ہی درست ہوئے اور نہ ظاہری و باطنی زندگی میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔ مگر اس میں نماز کا کیا قصور؟ یہ لوگ تو ان نمازیوں میں ہیں جن کی بابت قرآن کہتا ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُؤْخَذُونَ ۝ وَيَمْتَعُونَ النَّاعُونَ ۝ (الماعون: 4-7)

پھر بتاہی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں، جو ریاکاری کرتے ہیں، اور معمولی ضرورت کی چیزیں (لوگوں کو) دینے سے گریز کرتے ہیں۔

یہ لوگ نماز میں کیا پڑھتے ہیں، صرف کمریں لگاتے ہیں، نہ نماز کے معنی سمجھتے ہیں نہ اس کے ارکان کا مطلب جانتے ہیں نہ قرآن میں کبھی غور و فکر کرتے ہیں، صرف اٹھنا بیٹھنا سیکھ لیا ہے فقہی شروط کی پابندی پیش نظر رہتی ہے، خواہر سے سرور رکھتے ہیں، مغز سے نا آشنا ہیں، جس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ نماز انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی اور نہ فوز و فلاح کی راہیں ان پر کھلتی ہیں، حالانکہ ان کی نماز اگر حقیقی نماز ہو تو دین و دنیا کی برکتوں کا موجب بنتی، قرآن میں ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ (المؤمنون: 1-2)

یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ (حاشیہ جاری ہے)

نماز کے لئے متعدد معین اوقات ہونے میں بھی بڑی حکمت ہے اور یہ کہ لوگ دنیا میں مشغول ہوں تو تھوڑی تھوڑی دیر بعد آ کے اللہ کے حضور جھک جائیں تاکہ اعمال دنیا کی وجہ سے جو کثافتیں قلب پر آ گئی ہوں ذکر الہی سے دور ہو جائیں اور قلوب پھر از سر نو تروتازہ پاک صاف اور ہر نیکی کو ذخیرہ کرنے کے لئے مستعد ہو جائیں بنا برین اوقات کی پابندی کے ساتھ نماز دن کا ادا کرنا ضروری ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز کے اوقات کا ذکر قرآن میں نہیں حالانکہ قرآن نے نہ صرف اوقات بتا دیئے ہیں بلکہ نماز کے اہم ارکان: قیام قرأت تسبیح و تہلیل رکوع و سجود کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا ۝ (النساء: 103)

نماز درحقیقت ایسا فرض ہے جو پابندی وقت کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے۔

اور فرمایا:

اقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝ (بنی اسرائیل: 78)

نماز قائم کرو زوال آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک اور (قائم کرو) فجر کی نماز بھی بے شک نماز فجر (کے وقت) فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

(آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز پڑھا کرو، نیز فجر کے وقت کا قرآن (نماز) بھی کیونکہ فجر کا قرآن دیکھا جاتا ہے) (خدا کی طرف سے) اور فرمایا:

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفَا مِنْ اللَّيْلِ ط إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ط ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّكْرَيْنِ ۝ (ہود: 114)

اور دیکھو نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے پر۔ درحقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں یہ ایک یاد دہانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو خدا کو یاد رکھنے والے ہیں اور فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ كُلٌّ مَثْرَبٌ ط مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَصْعُونَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهْرِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ط كُلُّ عَوْرَتٍ لَّكُمْ (النور: 58)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو لازم ہے کہ تمہارے غلام لونڈیاں اور تمہارے وہ بچے جو ابھی عقل کی حد کو نہیں پہنچے ہیں تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں: صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کو جبکہ تم کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے لیے پردے کے وقت ہیں اور فرمایا۔

فَسُبْحَنَّ اللَّهَ حِينَ تُفْسُونَ وَحِينَ تَضَبِحُونَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ ۝ (الروم: 17-18)

(حاشیہ جاری ہے)

پس تسبیح کرو اللہ کی جب کہ تم شام کرتے ہو اور جب صبح کرتے ہو۔ آسمانوں اور زمین میں اُسی کے لیے حمد ہے۔ اور (تسبیح کرو اس کی) تیسرے پہر جب کہ تم پر ظہر کا وقت آتا ہے۔ اور فرمایا۔ وَالْعَصْرُ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝
:العصر (2-1) زمانے کی قسم انسان درحقیقت خسارے میں ہے۔ اور فرمایا۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ۚ وَمِنْ آنَاءِ
الْيَلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَى ۝ (طہ: 130)

اور اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو سورج نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو اور دن کے کناروں پر بھی شائد کہ تم راضی ہو جاؤ اور فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُونَ (الحج: 77)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو رکوع اور سجدہ کرو اپنے رب کی بندگی کرو اور نیک کام کرو اُسی سے توقع کی جاسکتی ہے کہ تم کو فلاح نصیب ہو اور فرمایا:

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ۝ (البقرہ: 43)

نماز قائم کرو زکوٰۃ دو اور جو لوگ میرے آگے جھک رہے ہیں اُن کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ۔

اور فرمایا۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ۝ (البقرہ: 238)

حفاظت کرو اپنی نمازوں کی خصوصاً درمیانی نماز کی اور کھڑے رہو اللہ کے حضور ادب و نیاز سے قرآن نے نماز کی پوری تفصیل اس لئے نہیں بیان کی کہ یہ چیز سراسر عمل سے تعلق رکھتی ہے زبانی سمجھانے سے نہ تو سمجھ میں آسکتی ہے اور نہ سمجھانا کچھ مفید ہی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو زندہ شریعت بنا کر بھیجا تا کہ اپنے عمل سے دنیا کی ہدایت کرے چنانچہ آپ ﷺ نے عمل کر کے دکھایا کہ اس طرح نماز پڑھنا چاہیے امت نے اُسے یاد کر لیا اور شروع سے اب تک برابر اسی پر عمل پیرا ہے۔ (ابوزید مترجم)

اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ... الخ“ ۱۔ کبھی کہتے ”اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ“ ۲۔ کبھی کہتے ”اِنْ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحِیَّایْ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ“ ۳۔ لاَشْرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ“ ۴۔ صحاب سنن کی روایت ہے کہ نماز اس تسبیح سے شروع کرتے تھے ”سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ“ ۵۔ (حضرت عمرؓ بھی آنحضرت ﷺ کے مصلے پر کھڑے ہو کر اسی آخری دعا سے نماز شروع کرتے اور اسے با آواز بلند کہتے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے) اس کے بعد کہتے: ”اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ“ پھر ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ کہتے جو کبھی آواز بلند ہوتی اور کبھی آہستہ سے۔ پھر سورۃ فاتحہ پڑھتے، ہر آیت پر ٹھہرتے اور آخری حرف کو کھینچ کے پڑھتے، جب الحمد ختم ہو جاتی تو اگر نماز ایسی ہوتی جس میں قرأت آواز سے کی جاتی تو ”آمین“ بھی آواز سے کہتے ورنہ آہستہ سے، مقتدی آپ کی آمین سن کے خود بھی بلند آواز سے اس کا اعادہ کرتے تھے۔ پہلی رکعت میں دو سکتے کرتے تھے ایک تکبیر اولی کے بعد اور دوسرا سورۃ فاتحہ کے خاتمہ پر پھر کوئی سورت شروع کرتے جو کبھی طویل ہوتی اور کبھی مختصر، لیکن عموماً متوسط درجہ کی سورتیں پڑھتے تھے الایہ کہ سفر ہو یا اور کوئی عذر پیش آجائے تو مجبوراً چھوٹی سورتیں تلاوت کرتے تھے۔ نماز فجر میں قرأت اور سب نمازوں

۱۔ الہی میرے اور میری خطاؤں کے مابین اتنی دوری کر دے جتنی مشرق و مغرب کے مابین ہے۔ (بخاری)

۲۔ میں نے اپنا رخ ہر طرف سے پھیر کے اس ذات کی طرف کر دیا جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے پس میں مشرکوں میں سے نہیں۔ (سورۃ الانعام)

۳۔ میری دعا، میری عبادت، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے کہ جس کا کوئی شریک نہیں اس کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں۔ (سورۃ الانعام)

۴۔ تقدیس ہو خدا یا تیری شکر ہو تیرے لئے بڑا ہونا تم تیرا اور بلند ہوا مرہ تیرا، بجز تیرے کوئی معبود نہیں۔

سے زیادہ لمبی ہوتی تھی، جمعہ میں اکثر ”الم السجد“ اور ”هَلْ آتَى عَلَى الْإِنْسَانَ“ عیدین اور کبھی جمعہ میں سورہ ”ق“ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ، سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ اور اَلْعَاقِبَةُ پڑھتے تھے، یہ اس لئے کہ ان سورتوں میں خلق کائنات، خلق آدم، حالات جنت و دوزخ غرضیکہ متعدد مہتم بالشان مطالب آگئے ہیں جن کا جمعہ اور عیدین جیسے مجموعوں میں دہرانا زیادہ مناسب ہے۔ جمعہ اور عیدین کے علاوہ باقی نمازوں میں معین کر کے سورتیں نہ پڑھتے تھے بلکہ مختلف موقعوں پر مختلف سورتیں تلاوت کرتے تھے، چنانچہ ابوداؤد میں عمرو بن شعیبؓ کی روایت ہے کہ مفصلات میں کوئی چھوٹی بڑی سورت ایسی نہیں جو میں نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے فرض نمازوں میں نہ سنی ہو۔“

پہلی رکعت ہمیشہ دوسری رکعت سے بڑی ہوتی تھی، جب قرأت ختم ہوتی تو اتنا توقف کرتے کہ دم لے لیں، پھر ہاتھ اٹھا کے تکبیر کہتے اور رکوع میں چلے جاتے، رکوع کی صورت یہ تھی کہ ہاتھوں کے دونوں پنجے گھٹنوں پر اس طرح رکھتے تھے گویا انہیں پکڑے ہوئے ہیں، دونوں ہاتھ پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے، پشت بالکل سیدھی رہتی تھی، سر نہ بہت اٹھا ہوا ہوتا تھا اور نہ بہت جھکا ہوا بلکہ پیٹھ کی سیدھ میں رہتا تھا۔ رکوع میں ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ“ کہتے اور کبھی اتنا اضافہ اور کر دیتے: ”سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي“ رکوع و سجود اتنا دراز ہوتا تھا کہ آدمی دس مرتبہ ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ“ کہہ سکے اصحاب سنن کی روایت ہے کہ حضرت انسؓ نے عمرو بن عبد العزیزؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو کہنے لگے ”اس نو جوان کی نماز آنحضرت ﷺ کی نماز سے اس قدر مشابہ ہے کہ میں نے اور کسی کی نہیں دیکھی“ راوی کہتا ہے کہ اس پر ہم نے عمرو بن عبد العزیزؓ کے رکوع و سجود کا اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ ان میں سے ہر ایک دس تسبیحوں کے برابر ہے، جب رکوع ختم ہو جاتا تو ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ کہتے ہوئے سر اٹھاتے، نیز رفع یدین کرتے، رکوع سے پہلے اور پیچھے رفع یدین کرنا نہایت صحیح اور بکثرت احادیث سے ثابت ہے، چنانچہ تقریباً

تیس صحابہؓ نے اسے روایت کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں، پھر اس کے خلاف ایک حدیث بھی ثابت نہیں۔ ۱۔ رکوع سے اٹھ کر جب پوری طرح کھڑے ہو جاتے تو کہتے ”رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ“ اور کبھی کہتے ”اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“ اس میں ”وَلَكَ الْحَمْدُ“ واؤ کے ساتھ نہ کہتے تھے۔ یہ قیام بھی اتنا ہی دراز تھا جتنا رکوع و سجود اثنائے قیام میں یہ دعا پڑھتے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مَلَأَ السَّمَوَاتِ وَمَلَأَ الْاَرْضِ وَمَلَأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدَ اَهْلِ الشَّاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكَلَّمْنَا لَكَ عَبْدٌ لَا مَا نَعِ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطَى لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ“ نیز یہ دعا بھی ثابت ہے: اَللّٰهُمَّ اغْسِلْنِيْ مِنْ خَطَايَا يَّ بِاَلْمَاءِ وَالتَّلَجِ وَالْبَرْدِ وَنَقِّنِيْ مِنَ الذُّنُوْبِ وَالْخَطَايَا كَمَا يُنَقِّي الثُّوْبَ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَا عِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَا كَمَا بَا عَدْتُ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔“ دعا کے بعد تکبیر کہتے اور سجدہ میں بغیر رفع یدین کئے چلے جاتے، سجدہ کا طریقہ یہ تھا کہ زمین پر پہلے گھٹنے رکھتے تھے پھر ہاتھ، پھر پیشانی اور ناک، یہی طریقہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور اس کے خلاف کوئی روایت موجود نہیں، اہل بن حجر کی حدیث میں ہے کہ ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح سجدہ کرتے دیکھا ہے کہ پہلے گھٹنے ٹیکتے، پھر ہاتھ رکھتے اور جب اٹھنے لگتے تو ہاتھ پہلے اٹھاتے اور گھٹنے اس کے بعد“ سجدہ میں پیشانی اور ناک پوری طرح زمین پر رکھ دیتے، ہاتھ پہلوؤں سے الگ رہتے اور پنجے شانوں اور کانوں کی سیدھ میں ہوتے، صحیح مسلم میں ہے کہ فرمایا ”جب سجدہ کرو تو ہتھیلیاں زمین پر رکھو اور کہنیاں اٹھائے رہو“ سجدہ میں پیٹھ سیدھی رہتی، دونوں پیروں کی انگلیوں کے سرے قبلہ کی

۱۔ رفع یدین ارکان نماز میں سے نہیں اس کا کرنا نہ کرنا برابر ہے، نماز کی صحت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا، لیکن سوال یہ ہے کہ جب وہ اتنی قوت و کثرت سے ثابت ہے تو تمام مسلمان کیوں نہیں کرتے؟ جب اللہ کے رسولؐ پابندی سے رفع یدین کیا کرتے تھے تو ہمارا اس کے خلاف پابندی سے عمل کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ (مترجم)

طرف ہوتے، تھیلیاں اور انگلیاں پھیلا دیتے، انگلیاں نہ باہم ملی ہوتیں نہ بالکل الگ الگ، لیکن ابن حبانؒ کی روایت میں ہے کہ رکوع میں انگلیاں کھول دیتے تھے اور سجدہ میں ملائے رہتے تھے سجدہ میں کہتے: **سُبْحَنَ رَبِّيَ الْأَعْلَى سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي** اور فرماتے **اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخِطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أَحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ** اور فرماتے **"اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَ جَهْلِي وَاسْرَافَ أَمْرِي وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي جَدِي وَهَزْلِي وَخَطِيئِي وَعَمْدِي وَكُلَّ ذَلِكَ عِنْدِي اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ أَنْتَ إِلَهِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ"** سجدہ کی دعا کے متعلق ہدایت فرمائی ہے کہ خوب گرگڑا کر مانگو، جب قیام دراز ہوتا تو رکوع و سجدہ بھی دراز کرتے اور جب مختصر ہوتا تو اسے بھی اُسی مناسبت سے مختصر کر دیتے۔ سجدہ سے تکبیر کہتے ہوئے اٹھتے، پھر بایاں پیر بچھا دیتے اور اس پر بیٹھ جاتے، داہنا پیر کھڑا رہتا، ہاتھ رانوں پر اس طرح رکھتے کہ کہنیاں بھی رانوں پر رہتیں، پنجے گھٹنوں پر ہوتے، دو انگلیاں مٹھی میں لے لیتے اور حلقہ بنا کر انگشت شہادت اٹھاتے، ہلاتے اور دعا کرتے، وائل بن حجرؒ کی روایت اسی طرح پر ہے۔ دونوں سجدوں کے مابین اتنی دیر بیٹھتے جتنی دیر سجدہ میں لگتی اور اس جلوس میں فرماتے **"اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَاجْبُرْنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي"** پھر کھڑے ہوتے تو پیر کے پنجوں اور گھٹنوں پر اس طرح اٹھتے کہ بوجھ رانوں پر رہتا، زمین پر ہاتھ ٹیک کے اٹھنے کی عادت نہ تھی۔

جب کھڑے ہوتے تو بلا توقف قرأت شروع کر دیتے، دوسری رکعت پہلی رکعت سے چھوٹی ہوتی تھی، جب التحیات کے لئے بیٹھتے تو بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور داہنا داہنی ران پر

۱۔ خدا یا میری مغفرت کر، مجھ پر رحم کر، میری مدد کر، مجھے ہدایت بخش اور رزق عطا فرما۔

رکھتے، پھر انگشت شہادت سے اشارہ کرتے، اُسے خم کرتے، حرکت دیتے، چھنگلیا اور اس کے بعد کی انگلی باہر نکلی رہتی، اس پر نظر جمادیتے، آہستہ آہستہ ہلاتے اور دعا کرتے۔ بایاں ہاتھ اور اس کی انگلیاں بدستور اپنی حالت پر رہتیں، اس موقع پر نشست بالکل ویسی ہوتی جیسی سجدہ کے بعد، صحیحین میں ہے کہ: ”جب دوسری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھاتے اور داہنا کھڑا کرتے، لیکن جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو داہنا پاؤں مثل سابق کے کھڑا کر دیتے، لیکن بایاں پاؤں اس مرتبہ اس کے نیچے سے باہر نکال دیتے اور جسم کو زمین پر رکھ کے بیٹھ جاتے۔“ اس نشست میں یہ دعا پڑھتے التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ“ اس تشہد کو بہت جلد ختم کر کے تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے ہوئے کھڑے ہو جاتے۔ باقی دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے علاوہ کوئی اور سورت نہ پڑھتے۔ چوتھی رکعت میں بیٹھتے تو التَّحِيَّاتِ میں کلمہ شہادت کے بعد اپنے اور اپنی آل پر درود بھیجتے، قبر اور دوزخ کے عذاب موت و حیات اور مسیح الدجال کے فتنوں سے پناہ مانگتے، پھر دائیں اور بائیں جانب یہ کہتے ہوئے سلام پھیرتے: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“ امام احمد کی روایت ہے کہ نماز میں سر جھکا کے کھڑے ہوتے تھے، آنکھیں بند نہ کرتے تھے، نظر سجدہ گاہ پر رہتی تھی، صرف التَّحِيَّاتِ میں کلمہ شہادت پڑھتے وقت انگشت شہادت کو دیکھتے تھے۔ اللہ کے رسول کی دلی مسرت نماز میں تھی، بلالؓ سے کہا کرتے تھے ”بلال نماز کے لئے اذان دے کر ہمیں تسکین دو“

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ طویل نماز کے ارادہ سے نیت باندھتے، مگر درمیان میں بچہ کے رونے کی آواز آجاتی تو نماز مختصر کر دیتے، مبادا صف میں اس کی ماں کو تکلیف ہو رہی ہو۔ کبھی امامہ بنت ابی العاص (اپنی نواسی) کو کاندھے پر اٹھائے اس طرح نماز پڑھتے کہ

جب کھڑے ہوتے انہیں اٹھالیتے، اور جب رکوع وسجود میں جانے لگتے تو اُتار کے زمین پر بٹھادیتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حسن یا حسین رضی اللہ عنہما کھیلتے کھیلتے آجاتے آپ ﷺ سجدہ میں ہوتے، وہ پشت مبارک پر سوار ہو جاتے، اُن کے گرنے کے ڈر سے آپ ﷺ سجدہ دراز کر دیتے۔

ایک مرتبہ یہ ہوا کہ ایک سوار کو کوئی خبر لانے کے لئے بھیجا، پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے مگر برابر اُس گھائی کی طرف پھر پھر کے دیکھتے رہے جس سے سوار واپس آنے والا تھا لیکن اس سے نہ خشوع و خضوع میں فرق آیا اور نہ جماعت کے کسی رکن میں کوئی خلل پڑا، یہ حضور قلب اور توجہ الی اللہ کی عجیب مثال ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت عائشہؓ باہر گئی ہوتیں، دروازہ بند ہوتا، آپؐ نماز پڑھتے ہوتے، اس اثنا میں وہ واپس آتیں تو آپؐ چل کے دروازہ کھول دیتے اور نماز کی نیت بدستور بندھی رہتی۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ نماز میں ہوتے اور کوئی سلام کرتا تو اشارہ سے جواب دیتے۔ صحیح مسلم میں جابر کی روایت ہے ”مجھے آنحضرت ﷺ نے ایک کام پر بھیجا، میں واپس آیا تو آپؐ نماز میں مشغول تھے، میں نے سلام کیا تو اشارہ سے جواب دے دیا عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ آپؐ ہاتھ کے اشارہ سے جواب دیتے تھے، نبیؐ میں عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ میں حبشہ سے ایسے وقت واپس پہنچا کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں تھے، میں نے سلام کیا تو سر کے اشارہ سے جواب دیا،“ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ رات حجرہ میں نماز پڑھتے، حضرت عائشہؓ سامنے سجدہ گاہ پر سوئی ہوتیں، آپؐ سجدہ میں جانے لگتے تو اُن کے پہلو میں انگلی مارتے، وہ پیرسمیٹ لیتیں، اور جب کھڑے ہو جاتے تو پھیلا دیتیں۔ کبھی منبر پر نماز شروع کرتے، رکوع بھی اُسی پر کرتے، صرف سجدہ کے لئے نیچے اتر آتے اور پھر اوپر چلے جاتے۔ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے، دیوار سامنے تھی، ایک بکری آئی اور سامنے سے گزرنے لگی، آپؐ اُسے برابر روکتے ٹالتے اور پھسلاتے رہے، یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے بالکل دیوار سے جا لگے اور بکری پیچھے سے

نکل گئی۔ امام احمدؒ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے آپؐ نے دولڑکیوں کو باہم لڑتے دیکھا، فوراً آگے بڑھے، انہیں پکڑ کے الگ الگ کر دیا اور پھر بدستور نماز پڑھنے لگے۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ خدمت اقدس میں حاضر ہونے کا میرے لئے ایک وقت مقرر تھا، میں جاتا اور اجازت چاہتا، اگر نماز میں ہوتے تو کھکا ردیتے اور میں اندر آجاتا، اگر خالی ہوتے تو زبان سے اجازت دے دیتے۔ (احمد و نسائی) کبھی برہنہ پاؤں نماز پڑھتے کبھی جوتا پہن کر، بلکہ حکم دیا ہے کہ یہودیوں کی مخالفت کے لیے جوتا پہن کے نماز پڑھو۔ ۱۔ مصیبت کے وقت نماز میں دعاء قنوت پڑھتے تھے، جس میں اپنی امت کے لئے دعا اور دشمنوں کے حق میں بدعا کرتے تھے، جب ضرورت رفع ہو جاتی تو قنوت بھی ترک کر دیتے تھے۔ (بخاری و مسلم) عموماً فجر اور مغرب کی نمازوں میں قنوت کرتے تھے، امام احمدؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کامل ایک ماہ تک ظہر عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں میں دعاء قنوت پڑھی، آخری رکعت میں سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کے بعد دعا شروع کرتے تھے، جس میں بنی سلیم کے ایک قبیلہ کو بدعا دیتے اور مقتدی آمین کہتے تھے، ابوداؤد وغیرہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، اور یہی ثابت بھی ہے کہ کسی خاص ضرورت ہی پر نمازوں میں اس طرح کی قنوت کرتے تھے، ورنہ دائمی طور پر جو دعائے قنوت پڑھتے تھے اس سے صرف حمد و ثنا مقصود ہوتی تھی۔

۱۔ فقہانے ان باتوں کی ایک لمبی چوڑی فہرست دی ہے جن سے نماز باطل یا مکروہ ہو جاتی ہے، منجملہ ان کے ایک قصداً کھانا اور اشارہ کرنا بھی ہے، مگر نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ان افعال کی وہ کیا تاویل کریں گے؟ بہت سے مولوی جوتا پہن کے نماز پڑھنے کی ممانعت کرتے ہیں اور اسے ایک بدعت قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ بدعت نہیں، خود رسول اللہ ﷺ نے جوتا پہن کے نماز پڑھی ہے اور دوسروں کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ بخاری وغیرہ کتب حدیث میں بالترتیب موجود ہے (بلکہ بعض ائمہؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جو بدعتیں ان کے نماز پڑھنا ہی سنت ہے۔ مترجم) حتیٰ کہ تفسیر ماثور کے ناقلوں نے آیت ”يَسْتَأْذِنُ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ“ (اے بنی آدم! ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو) زینت سے مراد نماز میں جوتا پہننا بتایا ہے، بعض لوگ جوتے کے ساتھ نماز پڑھنے کو اس لئے ناپسند کرتے ہیں کہ جوتے میں وقت بوقت نجاست لگتی رہتی ہے، لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ زمین پر گرڈ دینے سے جوتا پاک ہو (حاشیہ جاری ہے)

سجدہ سہو:

صحیح حدیث میں ہے کہ فرمایا ”میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں، بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو، اگر کبھی بھولوں تو یاد دلاؤ“ آپ ﷺ کئی بار نماز میں بھولے ہیں اور سجدہ سہو کیا ہے جس کی صورتیں مختلف تھیں، کبھی سلام سے پہلے کرتے اور کبھی اس کے بعد صحیحین میں ہے کہ نماز ظہر کی دوسری رکعت میں بیٹھنا بھول گئے تو چوتھی رکعت میں سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کئے۔ حدیث میں ہے کہ سجدہ سہو کی صورت یہ تھی کہ سلام کے پہلے بیٹھے بیٹھے با آواز بلند تکبیر کہتے پھر دو سجدے کرتے (متفق علیہ) ایک مرتبہ ظہر یا عصر کی نماز میں بھولے سے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا، پھر گفتگو میں مشغول ہو گئے، لیکن جب معلوم ہوا کہ سہو ہو گیا ہے تو باقی دو رکعتیں پوری کیں اور سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کئے۔ ایک دن نماز میں ایک رکعت رہ گئی اور سلام پھیر کے مسجد کے باہر چلے گئے، حضرت طلحہؓ نے بڑھ کر یاد دلایا تو لوٹے بلالؓ کو تکبیر کا حکم دیا، پھر جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ (احمد) ایک مرتبہ ظہر میں پانچ رکعتیں پڑھ گئے، سلام کے بعد لوگوں نے یاد دلایا تو سہو کے دو سجدے کر لئے (متفق علیہ) ایک مرتبہ عصر میں تین رکعت پڑھ گئے، گھر تشریف لائے تو لوگوں نے یاد دلایا، فوراً مسجد واپس آئے اور جماعت کے ساتھ باقی رکعت پوری کی، سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کئے، اور پھر دوبارہ سلام پھیرا۔ یہ وہ پانچ مواقع ہیں جن میں آپ ﷺ سے سہو ہونا ثابت ہے۔

جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے ”جب مسجد میں آؤ تو اُلتا کے جوتا دیکھ لو اگر نجاست لگی ہو تو زمین پر گرؤ اور انہیں پہن کر نماز پڑھو“ (ابوداؤد و احمد) دوسری حدیث میں ہے ”اگر جوتے میں نجاست لگ جائے تو اُس کے لئے منی طہارت ہے“ (ابوداؤد) ابو زید۔ (لوگوں کو حیرت ہوگی کہ جب یہ تمام باتیں حدیث میں موجود ہیں تو علما ان پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ لیکن یہ حیرت بالکل بجائے کیونکہ کتنے ”عالم“ ہیں جنہوں نے صحیح طور پر حدیث پڑھی ہے! لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ آج کل عالم ہونے کے لئے بس یہ کافی ہے کہ فذکری چند کتابیں پڑھ لی جائیں)۔ (مترجم)

نماز کے بعد:

سلام کے بعد تین مرتبہ استغفار کرتے اور فرماتے ”اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“۔ یہ الفاظ قبلہ رخ کہتے تھے پھر فوراً مقتدیوں کی جانب متوجہ ہو جاتے۔ عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کو بارہا بائیں پہلو سے مڑتے دیکھا ہے (صحیحین) انسؓ کی روایت میں ہے کہ داہنے پہلو سے مڑتے تھے (مسلم) ابن عمرؓ کا قول ہے کہ کبھی بائیں پہلو سے مڑتے تھے اور کبھی دائیں سے۔ جب مقتدیوں کی طرف گھومتے تھے تو پوری طرح گھومتے تھے یہ نہ ہوتا تھا کہ ایک گروہ کی طرف پھرتے اور دوسرے کو محروم رکھتے۔ ہر فرض نماز کے خاتمہ پر فرماتے تھے:

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ، لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ ا۔“

صحیح ابن حبانؒ میں ہے کہ دس مرتبہ اس دعا کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ ابو حاتمؒ کی روایت ہے کہ ہر نماز کے بعد فرماتے تھے: اللَّهُمَّ أَصْلِحْ لِي دِينِي الَّذِي جَعَلْتَهُ عِصْمَةً أَمْرِي وَأَصْلِحْ لِي دُنْيَايَ الَّتِي جَعَلْتَ فِيهَا مَعَاشِي، اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخِطِكَ وَأَعُوذُ بِعَفْوِكَ مِنْ نَقْمَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطَى لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ“ ۲

حضرت معاذؓ کو وصیت فرمائی کہ ہر نماز کے خاتمہ پر کہا کرو: ”اللَّهُمَّ اعْنِي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ“ ۳

۱۔ بجز اللہ واحد کے کوئی خدا نہیں اسی کی بادشاہی ہے اسی کے لئے ہر طرح کی تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔
 ۲۔ خدا یا میرے لئے میرا دین درست کر دے کہ جسے تو نے میرے لئے پناہ بنایا ہے اور میرے لئے میری دنیا بھی درست کر دے کہ جس میں تو نے میری روزی رکھی ہے خدا یا میں تیرے غصہ سے تیری رضامندی کے واسطے میں پناہ لیتا ہوں تیرے انتقام سے تیرے غم و غم کا پچاؤ ڈھونڈتا ہوں اور تجھ سے خود تیری ہی طرف بھاگ کے پناہ چاہتا ہوں جو تیرے اس کارو کئے والا کوئی نہیں اور جو تیرے اس کا دینے والا کوئی نہیں تیرے مقابلہ میں رتبہ والے کا رتبہ کام نہیں آسکتا۔
 ۳۔ خدا یا اپنے ذکر، شکر اور حسن عبادت میں میری مدد کر۔

نماز کے خاتمہ سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نماز کے آخر میں یعنی ختم ہونے سے پہلے اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اس کے بعد، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس طرف گئے ہیں کہ خاتمہ سے مراد سلام سے پہلے ہے یعنی یہ دعا سلام سے پہلے پڑھنی چاہئے۔

سترہ (آڑ):

جب دیوار کے سامنے نماز پڑھتے تو اس کے قریب ہی رہتے، اگر کسی لکڑی، ستون یا درخت کے پیچھے نماز پڑھتے تو اسے اپنی دائیں یا بائیں ابرو کے مقابل رکھتے، میدان میں لوہے کی سلاخ سامنے گاڑ لیتے تھے جو اسی مقصد سے ساتھ رہتی تھی۔

سنن و نوافل:

اگر مقیم ہوتے تو شب و روز میں دس سنتیں ضرور پڑھتے، بخاری میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مقیم ہوتے تو گھر کے اندر دس رکعتیں ضرور پڑھتے تھے یعنی دو ظہر سے پہلے دو اس کے بعد دو مغرب کے بعد دو عشا کے بعد اور دو فجر سے پہلے حضرت حفصہؓ کی روایت ہے کہ نماز جمعہ کے بعد گھر آ کے دو رکعت نماز پڑھتے تھے (صحیحین)۔ سنت نبوی ﷺ فرض نمازوں میں یہ تھی کہ ہمیشہ مسجد میں پڑھتے، لیکن سنتوں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا، سنتیں ہمیشہ گھر میں پڑھا کرتے تھے الا یہ کہ کوئی عذر پیش آ جائے، حدیث میں ہے کہ فرمایا ”لوگو نماز (سنت) گھر میں پڑھا کرو کیونکہ فرض کے علاوہ نماز کا گھر میں پڑھنا ہی افضل ہے۔“

فجر کی دو سنتیں اور وتر نماز کبھی نہ چھوڑتے تھے حتیٰ کہ سفر میں بھی ان کا ترک کرنا منقول نہیں، ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سنت فجر اور وتر کی اس قدر پابندی اس لیے کرتے تھے کہ سنت فجر بمنزلہ آغاز عمل کے ہے اور وتر بمنزلہ خاتمہ عمل کے، یعنی روزانہ زندگی شروع ہو تو نماز سے اور ختم ہو تو نماز سے اسی وجہ سے آپ ﷺ ان دونوں نمازوں میں

سورہ اخلاص اور قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھا کرتے تھے، جو نہایت جامع سورتیں ہیں سورہ اخلاص میں توحید اعتقاد اور معرفت ہے، ایسی توحید کامل جو شرک کی تمام صورتوں کے قطعی منافی ہے۔ پھر اس میں اللہ تعالیٰ کے بے نیاز ہونے کا اثبات ہے جو جملہ کمالات کی جامع اور اس کی ذات اعلیٰ و اشرف کو ہر قسم کے نقص سے مبرا کرنے والی ہے، ولد والد کی نفی ہے جو لوازم صمدیت و احدیت میں سے ہے۔ کفو نظیر کی نفی ہے جس سے ہر قسم کی تشبیہ و تمثیل کی نفی ہوتی ہے، غرضیکہ سورہ اخلاص میں توحید اعتقادی کے وہ بنیادی اصول آگئے ہیں جن کے تسلیم کر لینے کے بعد انسان تمام گمراہ فرقوں سے الگ ہو کر موحد کامل ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ تنہا توحید اعتقادی کافی نہیں، توحید عملی کا وجود بھی ضروری ہے جو بسا اوقات مفقود ہو جاتی ہے، کیونکہ جس طرح باوجود علم کے انسان اکثر مضمر عمل کرتا ہے اسی طرح توحید عملی و اعتقادی کی موجودگی میں بھی شرک عملی کا غلبہ ہو جاتا ہے، بنا بریں ضروری ہوا کہ توحید عملی کی بھی بنیادیں مضبوط کر دی جائیں اور شرک عملی کی بھی جڑیں اکھاڑ پھینکی جائیں، چنانچہ سورہ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ میں یہی بات صاف کر دی گئی یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ توحید علمی و عملی کی یہ دونوں جامع سورتیں اپنی اولین و آخرین نمازوں میں پڑھا کرتے تھے، نیز طواف کے نفلوں اور حج میں ان کی تلاوت فرماتے تھے۔ امام مالکؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ آپؐ شب میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں ایک رکعت وتر کی ہوتی تھی، ان سے فارغ ہونے کے بعد دائیں کروٹ سے لیٹ جاتے تھے یہاں تک کہ موزن فجر کی اذان دیتا تو اٹھتے اور دو مختصر رکعتیں پڑھتے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ یہ لیٹنا کچھ سنت کے طور پر نہ تھا، بلکہ رات کو آپؐ تھک جاتے تھے اس لئے ذرا آرام لینے کے لئے لیٹ جاتے تھے۔ دائیں کروٹ سے لیٹنے میں یہ مصلحت بتائی گئی ہے کہ چونکہ قلب بائیں جانب ہے اس لئے بائیں کروٹ سونے سے نیند اچھی نہیں آتی آپؐ چونکہ فجر کی نماز میں نیند کے غلبہ سے بچنا چاہتے تھے اس لئے دائیں

کروٹ پر سوتے تھے تاکہ تھوڑے وقت میں نیند پوری ہو جائے۔ صحیحین میں قاسمؓ بن محمد نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رات میں آپؐ دس رکعتیں پڑھتے تھے، پھر ایک رکعت وتر کی ادا کرتے تھے، اس کے بعد فجر کے وقت دو رکعت سنت فجر پڑھتے تھے۔ شب کی ان نمازوں میں کبھی قرأت با آواز بلند کرتے اور کبھی آہستہ سے۔ جب کھڑے ہو کر پڑھتے تو قیام کبھی دراز کرتے اور کبھی مختصر۔ وتر نماز اکثر آخر رات میں پڑھتے تھے، لیکن کبھی درمیانی اور اول رات میں بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔

سفر میں نفل نمازیں سواری پر بیٹھے بیٹھے پڑھتے، اس حالت میں قبلہ رخ نہ ہوتے تھے بلکہ جدھر بھی سواری کا رخ ہوتا، اُسی طرف نماز پڑھتے، رکوع اور سجود اشارہ سے کرتے تھے سجدہ کے لئے رکوع سے زیادہ خم ہوتے تھے۔ احمد ابو داؤدؒ کی روایت ہے کہ جب سواری پر نماز پڑھنا ہوتی تو پہلے اس کا منہ قبلہ کی طرف کر کے نیت باندھتے، پھر لگامیں ڈھیلی کر دیتے کہ اپنے راستہ پر چلی جائے۔

سفر سے واپس آتے تو دو رکعت نماز ادا کرتے، اسی نماز کو بعض لوگوں نے ”صَلَاةُ الضُّحَى“ کا نام دے دیا ہے کیونکہ دو مرتبہ ایسے ہی وقت میں آپؐ سفر سے لوٹے اور نماز پڑھی چنانچہ فتح مکہ سے واپسی بھی اسی وقت ہوئی تھی۔ لیکن اس نماز کو صَلَاةُ الضُّحَى قرار دینا غلطی ہے کیونکہ آپؐ نے ہمیشہ اس کی پابندی نہیں کی جیسا کہ بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت اور دیگر مرفوع احادیث و آثار صحابہؓ سے ثابت ہے۔

سجدہ شکر اور سجدہ قرآن:

مسرت کے موقع پر سجدہ کرتے، مصیبت کے دور ہونے پر سجدہ کرتے جیسا کہ مسند میں ابن ابی بکرؓ کی روایت میں ہے اور جیسا کہ ابن ماجہؓ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ خوشخبری آئی تو رسول اللہ ﷺ سجدہ میں گر پڑے۔

جب تلاوت میں آیت سجدہ آجاتی تو تکبیر کہتے ہوئے ۱ سجدہ کرتے اور اکثر اس میں فرماتے: سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ“ ۲ یہ ثابت نہیں ہے کہ سجدہ سے اٹھتے ہوتے کبھی تکبیر کہی ہو، یا اُس کے بعد سلام پھیرا ہو یا التحیات پڑھی ہو۔

جمعہ:

ہجرت کے وقت جب مدینہ تشریف لائے تو پہلے قبا میں عمر و بن عوفؓ کے ہاں دو شنبہ سے جمعہ تک قیام فرمایا اور ان کے لئے مسجد کی بنیاد ڈالی، جمعہ کے دن وہاں سے روانہ ہوئے تو نماز جمعہ کا وقت بنی سالم میں آگیا، چنانچہ اُس مسجد میں جماعت سے نماز ادا کی جو اس وقت تک وادی میں موجود ہے، یہ پہلا جمعہ تھا جو مسجد نبویؐ کی تعمیر سے پہلے مدینہ میں ادا فرمایا، ابن اسحاقؒ کی روایت ہے کہ اس موقع کے خطبہ میں علاوہ حمد و ثنا کے آپ ﷺ نے فرمایا:

أَمَّا بَعْدُ أَيُّهَا النَّاسُ قَدِمُوا إِلَا نَفْسِكُمْ وَاللَّهِ لَيُصَعَّقَنَّ أَحَدَكُمْ لِيَدْعَنَ غَمَمَهُ لَيْسَ لَهُ رَاعٍ ثُمَّ لِيَدْعَنَ غَمَمَهُ لَيْسَ لَهُ رَاعٍ ثُمَّ لَيَقُولَنَّ لَهُ رَبُّهُ لَيْسَ لَهُ تَرْجِمَانٌ وَلَا حَاجِبٌ يَحْجِبُهُ ذُوْنَهُ أَلَمْ يَأْتِكِ رَسُوْلٌ فَلْيُغَاكِ وَأَتَيْتَكَ مَالًا وَفَضْلًا عَلَيْكَ فَمَا قَدُمْتَ لِنَفْسِكَ ، فَلْيَنْظُرَنَّ يَمِيْنًا وَشِمَالًا فَلَا يَرَى شَيْئًا ثُمَّ لِيَنْظُرَنَّ قُدَّ أَمَهُ فَلَا يَرَى غَيْرَ جَهَنَّمَ ، فَمَنْ اسْتَطَاعَ أَنْ يَتَّقِيَ بَوَاجِهُهُ

۱۔ لیکن بالالتزام ہر آیت سجدہ پر سجدہ نہ کرتے تھے، چنانچہ زید بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سورۃ نجم سنائی، مگر آپؐ نے سجدہ نہیں کیا (اخر حرجہ الخمہ) صحابہؓ کا عمل بھی یہی تھا کہ کبھی سجدہ کرتے اور کبھی نہ کرتے، جیسا کہ مسجدۃ نحل میں حضرت عمرؓ کا واقعہ مروی ہے اور جیسا کہ بخاری و مالک کی روایت میں ہے۔ (ابوزید)

۲۔ میرا چہرہ اس ذات کے لئے سجدہ میں ہے جس نے اُسے پیدا کیا، یہ صورت بخشی اور اپنی قدرت و طاقت سے اس میں ساعت و بصارت پیدا کی۔

مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقِّی مِنْ تَمَرَةٍ فَلَیْفَعْلُ ، وَمَنْ لَمْ یَجِدْ فَبِکَلِمَةٍ فَإِنَّهَا تَجْزِی
الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ أََمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضَعْفٍ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ
وَبَرَکَاتُهُ ۝۱

سنت نبویؐ یہ تھی کہ اس دن (جمعہ) کو نہایت اہمیت دیتے، اس کے فجر میں سورہ الم
السجدہ اور ہَلْ اَتٰی عَلٰی الْاِنْسَانِ پڑھتے۔ امام احمدؒ کی روایت ہے کہ فرمایا: جس
نے جمعہ کے دن غسل کیا، اگر میسر ہو تو خوشبو لگائی۔ اپنا اچھے سے اچھا لباس پہنا، پھر سکون
ووقار کے ساتھ چل کر مسجد آئے، تَحِیَّۃُ الْمَسْجِدِ ادا کی، اس دوران میں کسی کو تکلیف نہ
پہنچائی، امام کا خطبہ توجہ سے سنا، پھر نماز پڑھی، تو اس کی یہ نماز آئندہ جمعہ کی نماز تک اس کے
حق میں کفارہ ہوگی۔ سنن میں ہے کہ فرمایا ”کیا نقصان ہے اگر قدرت رکھتے ہو کہ روز کے
لباس کے علاوہ خاص جمعہ کے لئے ایک لباس بنالو“ ۱

جمعہ کے دن نماز میں لوگوں کے جمع ہونے کا انتظار کرتے یہاں تک کہ جب مجمع ہو جاتا تو
برآمد ہوتے مگر ساتھ نہ کوئی نقیب پکارتا چلتا اور نہ جسم مبارک پر لمبے چوڑے جتے ہوتے،
سادگی سے تشریف لاتے، سلام کرتے اور منبر پر جا بیٹھتے، فوراً بلالؓ اٹھتے اور اذان دیتے
جو صرف ایک مرتبہ ہوتی تھی۔ اس کے بعد آپؐ فوراً خطبہ کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے، اس
وقت کوئی شخص سنت نماز نہ پڑھتا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ بھی عید کے مثل ہے جس
سے پہلے سنت نماز نہیں رہا یہ خیال کہ بلالؓ کی اذان کے بعد سب لوگ سنتوں کے لئے
اٹھ کھڑے ہوتے تھے تو بالکل باطل اور سنت نبوی ﷺ سے جہالت پر مبنی ہے۔

۱۔ لوگو، اپنے لئے توشہ تیار کرو، نبیؐ نے تم سے کوئی اچانک مر جائے گا: اپنا گلہ بان چھوڑ جائے گا: پھر اس کا پروردگار بغیر کسی ترہمان
اور حاجب کے اس سے فرمانے گا: کیا میرے رسولؐ نے آکر تجھے میرا پیغام نہیں پہنچا دیا تھا؟ کیا میں نے تجھے مال و متاع نہیں
دیا تھا؟ پس بتا تو اپنے لیے کیا توشہ لایا ہے؟ اس وقت وہ مسکین دامن میں دیکھے گا مگر کچھ نظر نہ آئے گا: پھر وہ اپنے آگے دیکھے
گا تو بجز جہنم کے کچھ نہ دکھائی دے گا! پس جو شخص آدمی کھجور دے کر بھی دوزخ سے بچے، پس وہ دے۔ پس جو یہ نہ پائے پس وہ
اچھی بات سے کہو کہ نیکی کا بدلہ دس سے سات سو گنا تک ملتا ہے والسلام۔

۱۔ بہت سے لوگ ایسے اور بد بودار کپڑے پہن کر مسجد میں آتے ہیں جس سے نمازیوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے (حاشیہ جاری ہے)

اس طرح جاہلوں کا یہ خیال بھی بالکل بے بنیاد ہے کہ آپؐ تلوار پر ٹیک دے کے خطبہ دیتے تھے اور یہ کہ ایسا کرنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اسلام کا قیام تلوار سے ہوا ہے۔ اس طرح کی کوئی روایت بھی موجود نہیں ہے، حتیٰ کہ یہ بھی منقول نہیں کہ آپؐ تلوار یا کمان یا کسی اور چیز کے سہارے سے منبر پر چڑھتے ہوں البتہ منبر بننے سے پہلے عصا یا کمان پر ٹیک دے کے خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے تھے، تلوار کا اس حالت میں بھی لینا مروی نہیں ہے۔

خطبہ میں سراسر وہی باتیں ہوتی تھیں جن کی مخاطبین کو ضرورت ہوتی۔ دوران خطبہ میں اگر کوئی ضرورت پیش آ جاتی تو غیر متعلق گفتگو بھی کر لیتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور بیٹھنے لگا، آپؐ خطبہ دے رہے تھے، نظر پڑ گئی، تو اُسے مخاطب کر کے فرمانے لگے ”تحیۃ المسجد ادا کرو“ اسی طرح ایک آدمی لوگوں کو پھاند کر اگلی صف کی طرف آ رہا تھا، آپؐ نے دیکھا تو منع فرمایا اور حکم دیا کہ اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ اثنائے خطبہ میں کوئی آیا ہے تو ”آؤ بیٹھو“ اور اسی طرح کے مختصر جملے کہہ دیتے تھے۔ دوران خطبہ میں جب خدا کا ذکر آ جاتا یا دعا فرماتے تو آنشت شہادت سے اشارہ کیا کرتے تھے۔ خطبہ کے وقت بڑی تاکید تھی کہ لوگ قریب ہو کر بیٹھیں اور پوری خاموشی سے سنیں، حدیث میں ہے کہ فرمایا ”جس نے جمعہ کے دن آ کے شور کیا، اُس کا جمعہ نہیں ہوا“۔ امام احمدؒ کی روایت ہے کہ فرمایا ”جمعہ میں جب امام خطبہ دے رہا ہو اور کوئی بولے تو اُس کی مثال اُس گدھے کی ہے جس کی پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ لا دیا جائے، جو کوئی اپنے ساتھی سے کہتا ہے ”خاموش“ اس کا جمعہ نہیں“

حالانکہ مسلمان کو ہمیشہ صاف ستھرا اور کم سے کم ایسا رہنا چاہیے کہ کوئی اسے دیکھ کر نفرت نہ کرے۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہؓ کے منہ میں پیاز یا ہلین کی بو محسوس کی تو فرمایا ”جو کوئی اس طرح کی چیزیں خاتے اسے نہیں چاہئے کہ ہمیں تکلیف دے، بلکہ بہتر ہے کہ اسے گھر میں بیٹھنے!“ (ابوزید) اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے جس کا لوگ خیال نہیں کرتے۔ بہت سے لوگ مجلس میں ایسے تیل اور عطر لگا کر آتے ہیں جس کی بو اگرچہ خوشبو، انہیں جس معبود ہوتی ہے مگر مجلس میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اس کو کو پسند نہیں کرتے اور سخت تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اہل انبیاءؑ احتیاط نہ کرتے، اس چیز کا عطر نہ مار دماغ سے ہے۔ ایسی خوشبو کیوں استعمال کی جائے جس سے اللہ کے کسی بندے کو ذلت پہنچے۔ چاہے یہ بات بھی ملحوظ رہے۔ بہت لوگ تیل لگانے کے بعد ہاتھ دھوئے نہیں بلکہ تیل کو مل لیتے ہیں پھر باقیات میں نہ شام، ایسے ہیں جس سے اللہ کے ہاتھ بھی چٹنے ہو جاتے ہیں۔ یہ سب معاصرت کے بالکل ابتدائی آداب ہیں جس سے انسان پابندی لازمی ہے۔ (ماترہ)

جب خطبہ ختم ہو جاتا تو بلالؓ اقامت کہتے، آپؐ جمعہ کی نماز ہمیشہ دراز کرتے تھے۔ بعد میں سنتیں مسجد میں نہ پڑھتے بلکہ گھر پہنچ کر صرف دو رکعت ادا فرماتے تھے جیسا کہ صحیحین میں ابن عمرؓ کی حدیث سے ثابت ہے کہ ”جمعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ گھر آ کے دو رکعت سنت پڑھتے تھے۔“

عیدین:

عیدین کی نماز اُس عید گاہ میں ادا فرماتے تھے جو مدینہ کے مشرقی پھانک پر واقع ہے ان دونوں تقریبوں پر بہتر لباس زیب تن کرتے تھے۔ عید الفطر میں عید گاہ جانے سے پہلے کھجور کے چند دانے تناول کرتے جو شمار میں طاق ہوا کرتے تھے۔ عید الضحیٰ میں جانے سے پہلے کچھ نہ کھاتے بلکہ واپسی پر اپنی قربانی کے گوشت میں سے کچھ نوش فرماتے۔ عید الفطر کی نماز دیر میں شروع کرتے اور عید الضحیٰ میں جلدی کرتے تھے۔ جب عید گاہ پہنچ جاتے تو نماز شروع ہو جاتی، اس کے لئے نہ تو اذان دی جاتی تھی نہ اقامت کہی جاتی تھی اور نہ ”الصلاة جامعة“ وغیرہ الفاظ پکارے جاتے تھے۔

یہ نماز دو رکعت ہوتی تھی، پہلی رکعت میں پہلی تکبیر کے بعد ہی سات تکبیریں کہتے تھے جن میں سے ہر تکبیر کے بعد کسی قدر سکوت میں کیا فرماتے تھے؟ کچھ ثابت نہیں، لیکن عبد اللہ ابن مسعودؓ کی ایک روایت میں ہے کہ اس میں حمد و ثنا اور درود پڑھتے تھے۔ تکبیروں کے بعد سورہ فاتحہ پھر ”ق، وَالْقُرْآنُ الْمَجِيدُ“ پڑھتے تھے، کبھی اس کے بجائے ”سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی“ بھی پڑھی ہے۔ اس کے بعد تکبیر کہتے اور رکوع وسجود کرتے۔ سجدہ سے جب اٹھ کر پوری طرح کھڑے ہو جاتے تو مسلسل پانچ تکبیریں کہتے، پھر سورہ فاتحہ اور ”اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَاَنْشَقَّ الْقَمَرُ“ پڑھتے، کبھی اس کی جگہ ”هَلْ اَتَكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ“ بھی تلاوت کرتے تھے۔ یہ ثابت نہیں کہ تکبیروں سے پہلے کچھ پڑھتے ہوں بلکہ ہمیشہ کا طریقہ یہی تھا کہ دونوں رکعتیں تکبیروں سے شروع کرتے

تھے۔ ترمذی نے کثیر بن عبد اللہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عیدین کی نماز پڑھی تو پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے متعلق میں نے محمد البخاریؒ (صاحب صحیح بخاری) سے دریافت کیا تو فرمانے لگے ”اس باب میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے اور خود میرا بھی یہی مسلک ہے۔“

جب نماز ختم ہوتی تو اٹھ کے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے جو اپنی صفوں میں بدستور بیٹھے ہوتے، پھر خطبہ دیتے اور وعظ و نصیحت فرماتے۔ جابرؓ کی روایت ہے کہ ”میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید کی نماز پڑھی بلا اذان و اقامت کے نماز شروع کی پھر فارغ ہو کر بلالؓ پر ٹیک لگا کے کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا جس میں تقویٰ و طہارت کی ترغیب تھی، پھر عورتوں کی طرف تشریف لے گئے اور انہیں بھی نصیحت کی“ (متفق علیہ) عیدین کے خطبہ عید میں تکبیریں زیادہ کہتے تھے جیسا کہ ابن ماجہ میں آپؐ کے مؤذن سعدؓ کی روایت میں مذکور ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خطبہ کا آغاز بھی تکبیر سے کرتے تھے خطبہ ہمیشہ الْحَمْدُ لِلّٰہ ہی سے شروع کرتے تھے۔ خطبہ عید کے موقع پر آپؐ نے لوگوں کو بغیر خطبہ سے گھر چلے جانے کی بھی اجازت دی ہے، نیز اگر عید جمعہ کے دن پڑے تو اختیار دیا ہے کہ جمعہ میں شریک نہ ہوں۔ آپؐ عید کی نماز سے پہلے یا پیچھے سنت یا نوافل کوئی نماز نہ پڑھتے تھے۔ عید گاہ ایک راستہ سے جاتے تھے اور دوسرے سے لوٹتے تھے تاکہ دونوں طرف کے لوگوں سے صاحب سلامت کر سکیں۔ ہمیشہ کی سنت تھی کہ عید الضحیٰ کے موقع پر فجر یوم عرفہ (نویں ذی الحج) سے آخر ایام تشریق (13 ذی الحج) کے عصر تک ہر نماز کے بعد تکبیر کہتے تھے جس میں یہ الفاظ ہوتے تھے

”اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ“

صلوٰۃ کسوف:

ایک مرتبہ سورج گرہن پڑا تو تیزی سے مسجد میں آئے اور دو رکعت نماز ادا کی، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور ایک طویل سورت با آواز بلند پڑھی، پھر طویل رکوع کیا، پھر اٹھٹھ تو دیر تک وقوف کیا اور ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“ کہا، پھر دوبارہ قرأت شروع کر دی جو پہلی قرأت سے مختصر تھی، پھر رکوع کیا جو پہلے رکوع سے چھوٹا تھا، پھر کھڑے ہوئے اور سجدہ میں گئے جس میں دیر لگائی۔ اس کے بعد دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح پڑھی۔ اس طرح اس نماز کی ہر رکعت میں دو رکوع، دو سجدے اور دوسری قرأت کی۔ پھر نماز کے بعد خطبہ دیا جس کے یہ الفاظ روایت کئے گئے ہیں: ”إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَاتَانِ مِنَ آيَاتِ اللَّهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمُوتٍ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَادْعُوا اللَّهَ وَكَبِّرُوا وَصَلُّوا وَتَصَدَّقُوا وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ إِنَّكُمْ تَفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ يُوتَى أَحَدُكُمْ فَيُقَالُ لَهُ: مَا عِلْمُكَ بِهَذَا الرَّجُلِ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوِ الْمُؤَقِنُ فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ جَاءَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى فَاٰمَنَّا وَاتَّبَعْنَا، فَيُقَالُ لَهُ نَمَّ صَالِحًا فَقَدْ عَلِمْنَا إِنَّ كُنْتَ لِمُؤْمِنًا وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْمُرْتَابُ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ ۚ“ صحیح طور پر اس قدر ثابت ہے کہ آپ نے صلوٰۃ کسوف زندگی بھر میں صرف ایک مرتبہ پڑھی اور یہ اس دن جب آپ کے لڑکے ابراہیم کی وفات واقع ہوئی۔

۱۔ سورج اور چاند اللہ کی نشانیاں ہیں کسی کے مرنے جینے کی وجہ سے گہن میں نہیں پڑتیں (یہ اس وجہ سے فرمایا کہ اسی وقت آپ کا صا جزادہ ”ابراہیم“ فوت ہوا تھا اور لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ گہن اس کے مرنے کی وجہ سے پڑا ہے آپ نے اس بے بنیاد وہم کی تردید کر دی) جب تم ایسی حالت (گہن) دیکھو تو اللہ کو پکارو تکبیر کو نماز پڑھو صدقہ دو، مجھ پر وحی آئی ہے کہ قبر کے اندر تر تبارہ امتحان ہوگا، تم سے پوچھا جائے گا ”اس شخص کے بارے میں تیرا علم کیا ہے؟“ مؤمن جواب دے گا ”محمد رسول اللہ ہیں ہدایت اور کھلی نشانیاں کے ساتھ آئے ہم نے ان کی تصدیق اور پیروی کی“ اس پر کہا جائے گا ”خیریت سے سوچا، ہم پہلے سے جانتے تھے کہ تو مؤمن ہے“ لیکن منافق اپنے سوال کے جواب میں کہے گا ”اس شخص کے متعلق میرا علم کچھ بھی نہیں میں نے لوگوں کو جو کہتے سنا وہی خود بھی کہنے لگا“ (یہ آخری جملہ نہایت قابل غور ہے) (حاشیہ جاری ہے)

صلوٰۃ استسقاء : ۱

صحیح حدیثوں میں ہے کہ آپؐ نے متعدد طریقوں سے استسقاء کیا ہے: ایک مرتبہ جمعہ کے دن منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ پانی کے لئے دعا کی ”اَللّٰهُمَّ اَغْنِنَا، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا“ (خدا یا ہمیں بچا، ہمیں پانی دے، ہمیں پانی دے) دوسری مرتبہ خاص استسقاء کے لئے عید گاہ تشریف لے گئے، خطبہ دیا جس میں ہاتھ اٹھا کے نہایت تضرع و زاری کے ساتھ دعا کی، پھر صلوٰۃ عیدین کی طرح بغیر اقامت و اذان کے دو رکعت نماز ادا کی۔ دونوں میں قرأت با آواز بلند کی پہلی میں فاتحہ کے بعد ”سَبَّحَ اسْمَ رَبِّكَ اَلَا غُلٰی“ پڑھی دوسری میں ”هَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاثِيَةِ“۔ تیسری مرتبہ جمعہ کے علاوہ ایک دن منبر پر سے استسقاء کیا مگر نماز نہیں پڑھی۔ چوتھی مرتبہ مسجد میں بیٹھے بیٹھے استسقاء کے لئے ہاتھ اٹھا کے دعا کی۔

سفر:

نبوت کے بعد چار طرح کے سفر کئے ہیں: ایک مرتبہ ہجرت کے لئے، بارہا جہاد کے لئے، ایک مرتبہ عمرہ اور ایک مرتبہ حج کیلئے۔ جب سفر پر تشریف لے جانے لگتے تو ازواج مطہرات میں قرعہ ڈالتے، جس کا نام نکل آتا اُسے ہمراہ لے جاتے۔ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو تمام ازواج کو ساتھ لے گئے تھے۔ دن کے اول حصہ میں سفر پر روانہ ہوتے اور دعا کرتے

(حاشیہ متعلقہ صفحہ نمبر 105) اندھی تقلید کا نتیجہ یہی ہوگا اس نازک وقت میں ناکامی و نامرادی کا منہ دیکھنا پڑے، مسلمان کے لئے رو نہیں کہ بلا سوچے سمجھے کوئی بات مان لے اور آنکھیں بند کر کے لوگوں کے پیچھے بولے خدا کے ہاں وہی ایمان و عمل معتبر ہے جو علم و یقین کے ساتھ ہو، تقلید کچھ بھی مفید نہ ہوگی۔

۱۔ پانی برسنے کے لئے نماز اور دعا۔

کہ خدا امت محمدؐ کے لئے اُن کے سفر میں برکت دے! مسافروں کے بارے میں حکم تھا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو دوران سفر میں سردار بنالیں، تنہا سفر کرنے کی ممانعت کی ہے۔ جب سفر کے لئے اُٹھتے تو دعا کرتے اَللّٰهُمَّ اِيْكَ تَوَجَّهْتُ وَ بِكَ اِغْتَصَمْتُ ، اَللّٰهُمَّ اَكْفِنِيْ مَا اَهْمَنِيْ وَمَا لَا اَهْتُمُّ بِهٖ ، اَللّٰهُمَّ زَوِّدْنِيْ التَّقْوٰى ، وَ اَعْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ وَ وَجِّهْنِيْ لِلْخَيْرِ اَيْنَمَا تَوَجَّهْتُ ۙ“ جب سواری حاضر کی جاتی تو رکاب پر پیر رکھتے ہوئے ” بِسْمِ اللّٰهِ “ کہتے اور جب اُس پر جم کے بیٹھ جاتے تو فرماتے ” اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝۲ “ نیز فرماتے ” اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرِنَا وَاَطْوِ عَنَّا بَعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصّٰحِبُ فِى السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِى الْاَهْلِ ۳“

سفر میں ہمیشہ چار رکعت والی نماز کا قصر کرتے، روانگی سے واپسی تک صرف دو رکعتیں پڑھتے رہتے۔ یہ ہرگز ثابت نہیں کہ آپؐ نے سفر میں کبھی بھی ایسی کوئی نماز بغیر قصر کے پڑھی ہو صحیح بخاری میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میں نے سفر کیا اور کبھی نہیں دیکھا کہ آپؐ نے سفر میں دو رکعت سے زیادہ نماز پڑھی ہو“ رہا وہ اختلاف جو حضرت عائشہؓ سے اس بات میں مروی ہے تو وہ بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ باطل ہے کیونکہ اُمّ المومنین کی شان سے یہ بالکل بعید ہے کہ رسول اللہ اور تمام صحابہؓ سے اختلاف کریں، خصوصاً جبکہ خود ہی فرماتی ہیں: ”شروع میں نماز دو دو رکعت ہی فرض تھی“ لیکن ہجرت کے بعد حضر میں دو رکعتیں زیادہ کر دی گئیں اور سفر میں نماز اپنی اصلی حالت پر رہی“ (متفق علیہ) ابن عباسؓ کا قول ہے: ”صلوٰۃ سفر دو رکعت عیدین دو دو رکعت جمعہ دو رکعت پوری پوری نماز بغیر کسی کمی کے تمہارے نبی محمد ﷺ کی زبانی فرض ہوئیں جو کوئی

۱۔ الہی تیری ہی طرف میرا قصد ہے، تجھی سے میری مضبوطی ہے، الہی جس کی مجھے فکر ہو اور جس کی نہ ہو ان سب سے بچا الہی تو میں تقویٰ سے میرے ساتھ معاف کر اور جدھر بھی میں جاؤں نیکی کے لئے مجھے — جا۔ (حاشیہ جاری ہے)

افترا کرے اس کے لئے ہلاکت ہے“ حالانکہ حضرت عمروؓ وہی ہیں جنہوں نے رسول اللہؐ سے عرض کیا تھا کہ ”یا رسول اللہؐ اب ہم کیوں قصر کرتے ہیں حالانکہ بے خوف ہیں؟“ آپؐ نے جواب دیا ”یہ خدا کا صدقہ ہے اور اس کے دین میں سہولت ہے اُسے قبول کرو“ جب زوال سے پہلے سفر شروع کرتے اور تیز چلنا ہوتا تو ظہر کو عصر تک مؤخر کر دیتے یہاں تک کہ منزل پر اترتے اور دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھتے۔ لیکن اگر زوال کے بعد سفر شروع کرتے تو ظہر پڑھ کے سوار ہوتے۔ غزوہ تبوک کے سلسلہ میں روایت کیا گیا ہے اگر سفر سے پہلے زوال ہو جاتا تو ظہر و عصر کو جمع کر لیتے لیکن اگر زوال سے پہلے روانہ ہوتے تو ظہر میں تاخیر کرتے یہاں تک کہ عصر کے لئے اترتے تو دونوں ایک ساتھ ملا لیتے، یہی طریقہ مغرب و عشاء میں بھی تھا۔

نماز کے قصر اور روزہ کے افطار کے لئے سفر کی مسافت محدود نہیں کی، بلکہ اسے لوگوں کے عرف پر چھوڑ دیا ہے، تمام وہ روایتیں جو مسافت کی تحدید کے متعلق وارد ہوئی ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی صحیح نہیں۔ باقی رہا حضر میں جمع کرنا تو بجز عرفہ کے اور کہیں ثابت نہیں، صرف عرفہ میں آپؐ نے ظہر و عصر کے مابین جمع تقدیم کی ہے اور یہ اس لئے کہ دعائیں مسلسل کھڑے رہتے تھے جیسا کہ امام شافعیؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے کہا ہے۔

قرآن کا پڑھنا اور سننا:

ایک حزب مقرر تھی جسے ہمیشہ پڑھتے اور کبھی ناعہ نہ کرتے، قرأت میں ترتیل ملحوظ رہتی تھی۔ ”أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ سے شروع کرتے۔ قرآن بجز جنابت کے ہر حال میں پڑھتے تھے عام اس سے کہ کھڑے ہوں بیٹھے ہوں، ٹیک لگائے ہوں یا بے وضو

(حاشیہ متعلقہ صفحہ نمبر 107) ۲۔ تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے ہمارے لئے اسے سخر کر دیا، اور نہ خود ہم اسے زیر نہ کر سکتے تھے، ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

۳۔ خدا یا ہمارا سفر آسان اور اس کی دوری کم کر دے، خدا یا تو ہی سفر میں رفیق اور اہل و عیال کا نگہبان ہے۔

ہوں۔ قرآن خوش الحانی اور لے سے پڑھتے اور فرماتے تھے ”قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو اور جو قرآن کو خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں اور فرمایا ”خدا نے ایسی کوئی اجازت نہیں دی جیسی خوش آواز نبیؐ کو دی ہے جو قرآن گا کے پڑھتا ہے“ (یعنی خدا اس طرح کوئی چیز نہیں سنتا جس طرح خوش آواز نبیؐ کا قرآن سنتا ہے)۔

دوسروں سے قرآن سننا زیادہ پسند کرتے تھے ایک مرتبہ عبد اللہ بن مسعودؓ کو قرآن سننے کا حکم دیا، انہوں نے پڑھا، آپؐ پر رقت طاری ہو گئی یہاں تک کہ آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ ایک رات ابو موسیٰ اشعریؓ کا قرآن سنا، صبح انہیں اس کی اطلاع دی تو عرض کرنے لگے ”اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضورؐ سن رہے ہیں تو خوب اچھی طرح پڑھتا“۔

عیادت:

اصحابؓ میں اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے۔ ایک یہودی لڑکا آپؐ کی خدمت کیا کرتا تھا، بیمار ہو گیا تو عیادت کو تشریف لے گئے، اور دعوت اسلام پیش کی، اُس نے قبول کر لی اور مسلمان ہو گیا۔ آپؐ کے چچا ابوطالب مشرک تھے ان کی بھی عیادت کی اور اسلام کی دعوت دی۔ عیادت کا طریقہ یہ تھا کہ مریض کے پاس جاتے اور اُس کے سر ہانے کی طرف بیٹھتے، حال پوچھتے، صحت کی دعا کرتے، روایت ہے کہ مریض سے یہ بھی دریافت کرتے کہ کچھ کھانے کی اشتہا ہے؟ اگر کوئی ایسی چیز بتاتا جو مضر نہ ہوتی تو دینے کا حکم دے دیتے۔

۱۔ تلاوت قرآن اور تغنی یا لقرآن سے مقصود اس طرح قرآن پڑھنا ہے کہ پڑھنے والے اور سننے والے کے قلب پر اثر ہو، بہت سے ”ترتیل“ اور ”تغنی“ سے یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ خلق سے قرآن پڑھا جائے یا موسیقی کے اصول اس میں برتے جائیں، ہندوستان میں عربی لہجہ نہ ہونے کی وجہ سے بڑی معصیت یہ ہے کہ لوگ حروفِ حلقی کو غیر طبعی طریقہ سے ادا کرنے اور بھننے قرآن پڑھنے کو قرأت سمجھتے ہیں، جس کے سننے سے کبھی ہنسی آتی ہے کبھی غصہ آتا ہے اور کبھی مسکین ”قاری“ پر رحم آتا ہے۔ کاش لوگ صحیح طور پر فنِ تجوید سیکھتے یا اس طرح تو زمر و زقرآن پڑھنے کے بجائے سادگی سے پڑھتے۔ سادگی بر حال میں مستحسن ہے۔ (مترجم)

جب کسی مریض کی عیادت کرتے تو فرماتے ”لَبَّاسٌ طَهُورٌ اِنْشَاءُ اللّٰهِ“
(اچھوڑ نہیں انشاء اللہ گناہوں سے پاکی ہے) عیادت کے لئے کوئی خاص دن یا وقت مقرر
نہ تھا۔ جب مریض سے مایوس ہو جاتے تو فرماتے ”اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ“
کفن، دفن، جنازہ:

آخر وقت میں بیمار کو خدا اور آخرت یاد دلاتے، وصیت اور توبہ کی ہدایت کرتے اور لوگوں
سے فرماتے کہ اس سے کلمہ شہادت کہلاؤ تاکہ اس کی آخری گفتگو یہی ہو۔ جب موت واقع
ہو جاتی تو جاہل اور کافرو قوموں کی طرح منہ پٹینے، کپڑے پھاڑنے اور دھاڑیں مار مار کے
رونے سے منع کرتے۔ رہا دل کا رنجیدہ ہونا اور اس طرح رونا کہ آواز نہ نکلے تو خود آپؐ سے
ثابت ہے آپؐ پر بھی یہ کیفیت طاری ہوتی تھی اور فرماتے تھے: ”تَذْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ
الْقَلْبُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا“ (آنکھ روتی ہے دل کڑھتا ہے، مگر ہم کہیں گے
وہی جس سے پروردگار راضی ہو) سنت نبویؐ یہ تھی کہ ایسے حادثوں پر بھی خدا کا شکر ادا
کرتے، اِنَّا لِلّٰهِ پڑھتے اور وہی کہتے جس میں اللہ کی خوشنودی ہو۔

طریقہ یہ تھا کہ مردہ کی آنکھیں بند کر دیتے، چہرہ اور جسم چھپا دیتے، مردہ کا بوسہ لینا بھی
ثابت ہے، مردہ کو خدا کے گھر پہنچانے میں جلدی کرتے، اُسے پاک کرتے، خوشبو ملتے، اور
سفید کپڑے میں کفنا تے، پھر نماز جنازہ پڑھتے۔ شہید کو نہ نہلاتے جیسا کہ امام احمدؒ کی
روایت میں ہے ”کہ شہید کو غسل دینے کی ممانعت فرمائی ہے۔“ البتہ چڑے اور لوہے کی
چیزیں اس سے علیحدہ کر دیتے، پھر اُسی کے کپڑوں میں بغیر نماز پڑھے اُسے سپرد خاک کر
دیتے۔ (محرم حج میں) اگر مر جاتا تو اُسے پانی اور بیری کی تچوں سے غسل دینے، احرام ہی
کے کپڑوں میں کفنانے، اور اُس کا سر ڈھکنے کا حکم دیتے مگر خوشبو لگانے سے منع فرماتے۔

کفن کے زیادہ قیمتی ہونے سے منع کیا ہے، خود اُس وقت کی حالت یہ تھی کہ آپؐ کے صحابہؓ
بغیر پیر کا بھی نصیب نہ ہوتا تھا، اگر سر ڈھکتے تھے تو پیر کھل جاتے تھے، ایسے موقعہ کے لئے

سنت یہ تھی کہ سر چھپا دیا جاتا اور پیروں پر سبز گھاس ڈال دیتے ۱۔

جنازہ کی نماز ہمیشہ مسجد کے باہر پڑھتے تھے الّا یہ کہ کسی وجہ سے مسجد میں پڑھنے پر مجبور ہو جائیں۔ جب کوئی جنازہ حاضر کیا جاتا تو پہلے دریافت کرتے کہ میت مقروض تو نہیں؟ اگر قرض ہوتا تو خود جنازہ میں شریک نہ ہوتے مگر صحابہؓ کو اجازت دے دیتے، یہ اس لئے کہ آپؐ کی نماز درحقیقت مردہ کے لئے شفاعت کا حکم رکھتی تھی، مردہ بغیر اس کے کہ اس کا قرض ادا ہو جنت میں نہیں جاسکتا، پھر آپؐ اس کی شفاعت کیونکر کر سکتے تھے؟ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مالی حالت درست کر دی تو آپؐ سب کا قرض ادا کرتے اور سب کے جنازہ کی نماز پڑھاتے تھے میت کا قرض اپنے ذمہ لے لیتے، اور اس کا مال وارثوں کو دے دیتے تھے۔

جب جنازہ کی نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے، حمد و ثنا الٰہی کرتے اور میت کے حق میں دعا مانگتے۔ عموماً چار تکبیریں کہتے تھے لیکن مسلمؒ کی روایت ہے کہ پانچ تکبیریں بھی کہی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ کے متعلق روایت موجود ہے چنانچہ ابن عیینہؒ سے روایت ہے کہ صحابہؓ اہل بدر پر پانچ، چھ اور سات تکبیریں کہتے تھے، یہ تمام احادیث و آثار صحیح ہیں اس لئے چار تکبیروں سے زیادہ بھی کہی جاسکتی ہیں، ممانعت کرنے کی کوئی وجہ نہیں خصوصاً جبکہ خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ نے ایسا کیا ہے۔

ابن عباسؓ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی تو پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ با آواز بلند پڑھی اور لوگوں سے کہا ”یہ اس لئے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ بھی سنت ہے۔“

۱۔ اللہ! اللہ! رسولؐ کے صحابیؓ اس طرح دفن ہوں اور ہمارے ہاں کے امرا اپنے کفن دفن میں اتنا اسراف کریں! لوگ مرنے والوں پر سینکڑوں ہزاروں روپیہ صرف کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہیں ثواب پہنچ رہا ہے حالانکہ زندہ فقر و فاقہ کی مصیبت سے مر رہے ہیں اور ہر طرح مردوں سے زیادہ اس مال کے مستحق ہیں مگر ان پر کوئی خرچ نہیں کرتا۔ ہماری قوم برباد ہے مگر مقبرے آباد ہیں، مسجدیں ویران ہیں، تعلیم گاہیں مفقود ہیں اور جو ہیں سبک رہی ہیں، مگر قبروں پر چاندی سونا پڑا اُلٹ رہا ہے، کاش یہ لوگ اپنی دولت مفید کاموں میں صرف کرتے جس سے خدا بھی خوش ہوتا اور قوم کی حالت بھی سدھرتی، اگر صرف دس سال کے لئے مسلمان عرس اور نیاز فاتحہ بند کر دیں اس کے مصارف قومی کاموں میں دے دیں تو بالکل حالت بدل جائے اور پھر کسی چندہ کی حاجت باقی نہ رہے۔ لیکن یہ آواز سنے کون؟ کہیں زندگی ہو تو جواب ملے! (مترجم)

ابو امامہؓ بن سہل کا مسلک بھی یہی ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔ صحابہؓ کا ایک گروہ اس طرف بھی گیا ہے کہ نماز جنازہ میں درود بھی پڑھنا چاہئے۔

نماز جنازہ سے مقصود میت کے لئے دعا کرنا ہے، بعض دعائیں آپؐ سے مروی ہیں، مثلاً ”اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَآكِرْهُ نُزْلَهُ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهُ وَاعْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ وَادْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاعِزَّهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ“ نیز یہ دعا اللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالسُّنَّةِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ اللّٰهُمَّ لَا تَحْرِ مَنَا أَجْرَهُ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ“

۲ نیز یہ دعا ”اللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبُّهَا وَأَنْتَ خَلَقْتَهَا وَأَنْتَ هَدَيْتَهَا لِلْإِسْلَامِ وَأَنْتَ قَبَضْتَ رُوحَهَا وَتَعَلَّمْ سِرَّهَا وَعَلَّامِ نَيْتَهَا جَنَّا شَفَعَاءَ فَاعْفِرْ لَهَا ۳“

سنت یہ تھی کہ اگر جنازہ کی نماز فوت ہو جاتی تو قبر پر جا کر نماز پڑھتے تھے، اس کے لئے کسی خاص وقت کی قید نہ تھی، جب موقع مل جاتا نماز پڑھ آتے چنانچہ ایک دن بعد بھی پڑھی ہے تین دن بعد بھی اور ایک مہینہ بعد بھی۔ مردہ اگر مرد ہوتا تو نماز میں اس کے سر کے پاس کھڑے ہوتے، اگر عورت تو کمر کے پاس۔ بچہ کی نماز جنازہ بھی پڑھتے اور فرماتے ”اپنے بچوں کی نماز پڑھو کیونکہ وہ تمہارے لئے جنت میں پیش خیمہ ہوں گے“ (ابن ماجہ) خود کشی کرنے والے اور مال غنیمت چرانے والے پر نماز نہ پڑھتے تھے۔

جب نماز جنازہ پڑھ چکے تو مقبرہ تک اُس کے ساتھ آگے آگے پیدل جاتے، حکم دیا ہے کہ سوار میت کے پیچھے چلیں اور پیدل اس کے قریب میں آگے پیچھے دائیں بائیں جدھر چاہیں چلیں۔ جنازہ کے جلد جلد لے جانے کی ہدایت فرماتے تھے۔ رہا آج کل لوگوں کا ریگ

۱۔ خدا یا اس کی مغفرت کر، اس پر رحم کر، اسے بچا، معاف کر، اس کا اتنا اچھا کر، اس کا دروازہ کشادہ کر، اسے پانی، برف اور بخ میں غسل دے، جنت میں داخل کر، قبر اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

۲۔ خدا یا ہم میں سے تو جسے زندہ رکھے، اسلام اور سنت پر زندہ رکھ، اور جسے موت دے، ایمان پر دے، خدا یا اس کے ثواب سے ہمیں محروم نہ کر، اور اس کے بعد ہمیں امتحان میں نہ ڈال۔ (حاشیہ جاری ہے)

ریگ کے خراماں خراماں قدم اٹھانا تو یہ ایک بدعت ہے جس کا ترک کرنا ضروری ہے۔ حضرت ابو بکرؓ تو ایسے لوگوں کو درے لگاتے اور فرماتے تھے۔ ”ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور جنازہ تیز تیز لے جاتے تھے۔“

قبر کے متعلق سنت یہ تھی کہ وہ گہری چوڑی اور برابر ہوتی تھی، قبر کا اونچا بنانا یا پختہ خام اینٹوں اور پتھروں سے تعمیر کرنا سنت نبویؐ میں نہ تھا بلکہ آپؐ نے حضرت علیؓ کو خاص اس مقصد سے یمن بھیجا تھا کہ جو بت مل جائے تو ڈر دیں اور جو بلند قبر مل جائے گرا کر زمین کے برابر کر دیں۔ قبر پر چونا لگانے، عمارت بنانے کتبہ لگانے سے منع کیا ہے، سنت یہ تھی کہ جس کسی کی قبر یاد رکھنا ہوئی، اس پر پتھر کی نشانی رکھ دیتے تھے۔

میت کو قبر میں رکھتے تو فرماتے ”بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ“ طلوع وغروب اور بیچ دوپہر کے اوقات میں دفن نہ کرتے تھے، دفن سے فارغ ہوتے تو مع صحابہؓ کے واپس آتے اور میت کے قبر میں ثابت قدم رہنے کے لئے دعا فرماتے۔ آج کل کی طرح قبر کے پاس میت کی تلقین یا قرآن خوانی کے لئے بیٹھنا سنت میں نہ تھا، یہی طبرانی کی ابسی امامہؓ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے میت کی تلقین کا حکم دیا ہے، تو اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ میت کے عزیز واقارب سے تعزیت فرماتے تھے اس کے لئے نہ تو مجلسیں کرتے نہ قرآن خوانی کے لئے کہیں جمع ہوتے تھے۔ میت والوں پر کھانے کا بار نہ ڈالتے بلکہ دوسروں کو حکم دیتے کہ کھانا پکوا کے اُن کے ہاں بھیج دیں۔

زیارت قبور:

جب قبور صحابہؓ کی زیارت کو تشریف لے جاتے تو اُن کے حق میں دعا کرتے، اور خود افسوس کرتے اور عبرت حاصل کرتے، یہی وہ زیارت قبور ہے جو امت کے لئے مشروع کی ہے اور اس میں یہ کہنے کا حکم دیا ہے ”الْسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَہْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْأَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمْ الْعَافِیَۃَ“

(حاشیہ متعلقہ صفحہ نمبر 112) مع الٰہی تو ہی اس کا رب ہے، تو ہی نے اسے پیدا کیا، تو ہی نے اس کی اسلام کی طرف رہنمائی کی، اور اب تو ہی نے اس کی روح قبض کر لی، تو اس کا ظاہر باطن جانتا ہے، ہم شفاعت کے لئے حاضر ہوئے ہیں اسے بخش دے۔

(اے دیا مومنین و مسلمین کے رہنے والو تم پر سلام ہو، ہم انشاء اللہ تم سے مل جانے والے ہیں، اللہ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت چاہتے ہیں) سنت نبویؐ یہ ہے کہ قبروں کی توہین نہ کی جائے، انہیں روندنا، ان پر بیٹھنا یا ان سے ٹیک لگانا ممنوع ہے۔ قبروں کی تعظیم بھی ممنوع ہے، انہیں مسجد قرار دینا، ان کے پاس یا ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا، عرس کرنا، لوگوں کا ان کے گرد جمع ہونا، روشنی کرنا، یہ سب باتیں ناروا ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے والوں پر لعنت لے کی ہے۔

لیکن آج کل کیا ہو رہا ہے پوری قبر پرستی جاری ہے قبروں پر بڑی بڑی عمارتیں کھڑی ہیں، جن میں نفرتی و طلاق دہانے لگائے ہوئے ہیں، سنگ مرمر کا فرش ہے، چھتی چادریں اور پردے لٹکے ہوئے ہیں، مسلمان ان کے گرد طواف اور رکوع و سجود قیام میں مصروف ہیں، منتیں مانی جاتی ہیں، دعا کیں کی جاتی ہیں اور خدا سے زیادہ اسباب قبول پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ جس بات پر دل مشغول ہوتا ہے وہ بہت سے مدعیان علم و تصوف کا طرز عمل ہے، یہ لوگ اپنی ذاتی اغراض و منفعات کے لئے قبر پرستی کو اور بھی رواج دیتے ہیں، جمہوری اور موضوع حدیثوں سے اس کا جواز ثابت کرتے ہیں اور طرح طرح کی ضلالتوں اور کٹر فریب سے کام لے کر عوام کو اسی گمراہی میں پھنکانا چاہتے ہیں، اگر کوئی خدا کا بندہ اس بدعت و ضلالت پر معترض ہوتا ہے تو اسے 'وہ سابی'، 'نیچرہ'، 'دہری'، طرح طرح کے نام دیتے اور عوام میں بدنام کرتے ہیں، حالانکہ یہ نہیں سمجھتے کہ محض حقیر دنیا پر اپنی آخرت بگاڑ رہے ہیں، اور اسلام کی توہین و تہزل کے خود باعث بن رہے ہیں۔ حال میں ایک واقعہ سنئے میں آیا جس سے نہایت عبرت ہوئی، مسلمانوں کی عبرت کے لئے درج کرتا ہوں، واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۲۰ء میں جبکہ اکثر ہندو مسلم لیڈر عرس کے موقعہ پر جمیر گئے تھے تو ان میں سے یو پی کے سب سے بڑے ہندو لیڈر عرس کی تمام رکنیں اور مزار کے گرد لوگوں کا طواف و سجود دیکھ کر انتہائی مسرت اور خلوص نیت سے کہا، 'لوگ کہتے ہیں کہ ہندو مسلم اتحاد ناممکن ہے، لیکن آج یہاں کی حالت دیکھنے کے بعد مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد بالکل ممکن ہے، کیونکہ درحقیقت ہندوؤں اور مسلمانوں میں واقعی کوئی فرق نہیں، ہم بتوں کے سامنے جھکتے ہیں اور مسلمان قبروں کے سامنے ہمارے رام، یچمن، کرشن اور مہادیو ہیں، اور مسلمانوں کے..... پھر ہم میں اور مسلمانوں میں فرق ہی کیا رہا، صرف ناموں کا فرق ہے جو حقیقت میں کوئی وقعت نہیں رکھتا!!!!' یہ اس نیک دل ہندو کا خیال ہے جو جمیر کی حالت دیکھ کر اسے ہوا، مسلمانوں کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ تعجب ہے کہ انسان، خدا کو حاضر و ناظر، مسیح و عیسیٰ، حتیٰ و قدیر اور اپنی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب تسلیم کرنے کے بعد غیر اللہ کی طرف کیوں رجوع کرتا ہے؟ کیا یہ قبریں خدا سے زیادہ قدرت رکھتی ہیں، کیا یہ بزرگ خدا سے سفارش کر سکتے ہیں، کیا خدا معاذ اللہ تمہارے ظاہر و باطن سے پوری طرح آگاہ نہیں جو اُسے ان مرے ہوئے آدمیوں کی دہائی کی ضرورت ہو؟ پھر انسانی عظمت و خوداری کے یہ بالکل منافی ہے کہ انسان پتھر کے بتوں یا اینٹ اور چوٹے کی قبروں کے سامنے جھکے جو اپنے اوپر سے ایک کبھی بھی اڑانے کی قدرت نہیں رکھتے! مسلمان روتے ہیں کہ ہم تباہ حال ہیں، مگر جب تک تم یہ کفر و شرک و دہم پرستی نہ چھوڑو گے اُس وقت تک خوشحالی و سرخروئی سے دو چار نہ ہو سکو گے۔ اپنی بربادی کی تاریخ پر غور کرو گے تو معلوم ہو گا کہ اس کا آغاز اسی وقت سے ہوا جب سے تم میں یہ باتیں آئیں، سینکڑوں برس قبر پرستی کا تجربہ ہو چکے اور بزدلانہ دنی رات گونجی بربادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا، کیوں نہ ایک مرتبہ خدا پرستی کا بھی تجربہ کر لو کہ جس میں ایک مرتبہ (صدر ازل) کا سیاب ہو چکے ہو اور ایسے کامیاب کہ اب تک دنیا تمہاری افسانہ خوان ہے! (مترجم)

صدقہ و زکوٰۃ:

زکوٰۃ ہر مالدار پر فرض ہے، سونے چاندی، مال تجارت اور چوپائے جانوروں (اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ بکری) میں سالانہ ایک مرتبہ، کھیتی اور پھلوں میں تیاری کے وقت، سب چیزوں کی زکوٰۃ برابر نہیں، بلکہ صاحب مال کی محنت کی کمی بیشی کے تناسب پر اس کا حساب رکھا گیا ہے۔ چنانچہ جو دولت بغیر کسی محنت کے بطور دینہ کے ہاتھ آجائے اس میں زکوٰۃ پانچواں حصہ ہے جو کھیتی یا باغ بلا آبپاشی کی محنت کے تیار ہو اس میں دسواں حصہ ہے، لیکن جو ایسی نہ ہو اور آبپاشی کی محتاج ہو اس میں بیسواں حصہ ہے، ایسا مال جس کی ترقی کے لئے لگا تا محنت مشقت کرنا پڑے اس میں چالیسواں حصہ ہے۔ ہر مال کا ایک نصاب مقرر کر دیا ہے جس سے کم پر زکوٰۃ نہیں، چنانچہ سونے کا نصاب بیس مثقال (۷ تولہ) ہے، چاندی کا دوسو درہم (۵۲ تولہ) غلہ اور پھل کا پانچ وسق (تقریباً چھ من)، بھیڑ بکری میں چالیس راس، گائے میں تیس، اونٹ میں پانچ۔ صدقات کا مستحق اللہ تعالیٰ نے آٹھ قسم کے لوگوں کو قرار دیا ہے: فقیر، محتاج، زکوٰۃ کے محصل، نو مسلم جن کی تالیف قلب مقصود ہو، غلام (غلامی سے آزاد ہونے کے لئے)، قرضدار، مجاہدین فی سبیل اللہ اور مسافر۔ سنت نبویؐ یہ تھی کہ ہر جگہ کی زکوٰۃ وہیں کے مستحقین پر تقسیم کر دی جاتی، اگر کچھ بچ رہتی تو منگوا کر دوسری جگہ کے لوگوں کو بانٹ دیتے۔ جس کے متعلق معلوم ہو جاتا کہ مستحق ہے اُسے خود دے دیتے، اگر کوئی ایسا شخص طلب کرتا جس کا حال معلوم نہ ہوتا تو یہ کہتے ہوئے دے دیتے (مالدار اور کمانے کی صلاحیت رکھنے والے کے لئے زکوٰۃ نہیں ہے)۔

جب کوئی اپنی زکوٰۃ حاضر کرتا تو اُسے دعا دیتے، کبھی فرماتے: ”اللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِ وَفِيْ اِبْلِهِ“ (خدایا اسے اور اس کے اونٹوں میں برکت دے) کبھی فرماتے: ”اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ“ (خدایا اس پر تیری سنوٰۃ ہو)۔ زکوٰۃ میں اچھا مال چھانٹ کے نہ لیتے، صرف درمیانی درجہ کی چیزیں لینے کا حکم دیتے تھے۔ صدقہ دینے والے کو خود اپنا صدقہ خریدنے سے منع کرتے۔

مالدار کے لئے بھی اجازت تھی کہ اُس صدقہ سے فائدہ اٹھائے جو غریب کو دیا جائے اور غریب اسے ہدیہ کر دے، چنانچہ بربرہؓ کو لوگوں نے کچھ گوشت صدقہ دیا، اُس نے خدمت میں بطور تحفہ کے پیش کیا، آپؐ نے اس میں سے تناول فرمایا اور کہا ”بربرہؓ کے لئے صدقہ ہے، مگر ہمارے لئے اُس کی طرف سے ”تحفہ“، کبھی زکوٰۃ پر مسلمانوں کے کاموں کے لئے قرض لیتے تھے، کبھی خود زکوٰۃ صاحب مال سے پیشگی لے لیتے تھے جیسا کہ حضرت عباسؓ کے ساتھ ہوا جن سے دو سال کی زکوٰۃ پیشگی لے لی تھی۔

تحصیلدار صرف اُن لوگوں کے ہاں بھیجتے تھے جن کے ہاں دولت محسوس ہوتی مثل زراعت، باغات، مویشی وغیرہ۔ نخلستان کے مالکوں کے ہاں اندازہ لگانے والوں کو بھیجتے تھے جو پوری طرح دیکھ بھال کرنے کے بعد اندازہ لگاتے تھے کہ اس باغ میں کتنی کھجور ہوگی، مگر ساتھ ہی انہیں یہ حکم بھی تھا کہ ایک ثلث یا ربع چھوڑ کر اندازہ لگائیں تاکہ آفاتِ سادی سے جو نقصان ہو وہ تخمینہ میں نہ آئے اور مالکوں پر ظلم نہ ہو، تخمینہ کے بعد پھر مالکوں کی کوئی نگرانی نہ ہوتی تھی، وہ جس طرح چاہتے تھے تصرف کرتے تھے اور آخر میں آکر زکوٰۃ پیش کر دیتے تھے۔ خیبر کے یہودیوں سے سالانہ خراج لیا جاتا تھا اور عبد اللہ بن رواحہؓ کو ان کے کھیتوں اور باغوں کے معائنہ اور تخمینہ کے لئے بھیجا کرتے تھے، کبھی کبھی یہ لوگ حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ کو رشوت دینا چاہتے تو وہ فرماتے ”حرام کا لالچ دلاتے ہو! بخدا میں افضل ترین انسان کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہوں اور تم میرے نزدیک بدترین خلائق اور بندروں اور سوروں سے بھی ادنیٰ ہو، لیکن اُس انسان کامل کی محبت اور تمہاری عداوت مجھے ظلم بھی نہ کرنے دے گی، جو انصاف کی بات ہوگی وہی کروں گا“ اس پر وہ لوگ کہتے ”ایسے ہی انصاف سے زمین و آسمان قائم ہیں“

صدقہ فطر:

صدقہ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے، اپنی طرف سے اور ان لوگوں کی طرف سے جن کی کفالت کرتا ہے۔ اس کی مقدار چھوڑے خشک انگور، پنیر یا جو سے ایک صاع^۱ ہے، امام احمد ابو داؤد کی روایت ہے کہ گےہوں کا ایک صاع دو آدمیوں کا صدقہ ہے۔ سنت نبویؐ یہ تھی کہ نماز عید سے پہلے صدقہ نکالتے تھے حدیث میں ہے: ”نماز سے پہلے صدقہ دینا بمنزلہ زکوٰۃ مقبول ہے اور نماز کے بعد محض ایک عام خیرات“ صحیحین میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے نماز سے پہلے صدقہ نکالنے کا حکم دیا ہے“ ان دونوں حدیثوں سے مترشح ہوتا ہے کہ نماز کے بعد تک تاخیر جائز نہیں، اس کے خلاف قربانی کا وقت نماز کے بعد قرار دیا گیا ہے، پس جس طرح نماز کے بعد صدقہ فطر کی حیثیت ایک معمولی صدقہ کی ہو جاتی ہے اسی طرح نماز سے پہلے قربانی کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ایک بکری ہے جو گوشت کھانے کے لئے ذبح کی گئی ہے۔ عہد نبویؐ میں صدقہ فطر صرف مسکینوں پر تقسیم کیا جاتا تھا۔

خیرات:

جو دو سخا میں حضور اقدس تمام انسانوں سے بڑھے ہوئے تھے، کبھی یہ نہیں ہوا کہ کسی نے کچھ سوال کیا ہو اور پورا نہ کر دیا ہو عام اس سے کہ پاس زیادہ ہو یا کم، چیز دے کر اتنی مسرت ہوتی تھی جتنی خود لینے والے کو نہ ہوتی تھی۔ سخاوت کے مختلف طریقے تھے، کسی کو ہبہ کے نام سے دیتے، کسی کو صدقہ کے طور پر، کسی کو ہدیہ کہہ کر، بار بار یہ ہوتا کہ چیز خریدتے اور قیمت سے زیادہ دے دیتے یا چیز اور قیمت دونوں بخش دیتے، قرض لیتے تو اس سے کہیں زیادہ اور کہیں بہتر ادا کرتے۔

۱ صاع کا وزن قریباً ڈھائی سیر ڈھائی چھٹانک ہوتا ہے۔

روزہ:

روزہ سے مقصود، محبوبات نفس کا اللہ کی محبت اور خوشنودی کے لئے ترک کرنا ہے، گویا روزہ ایک معاہدہ یا راز ہے جو صرف بندہ اور آقا کے مابین اس طرح ہوتا ہے کہ درمیان میں کوئی محرم نہیں۔ روزہ کے فوائد و اثرات عجیب و غریب ہیں وہ ظاہری و باطنی قوت کو جلا دیتا ہے، فاسد مادے دور کرتا اور ردی اخلاط سے جسم کو پاک کرتا ہے، روزہ، قلب اور دیگر اعضاء کو وہ تمام قوتیں واپس دلاتا ہے جو مختلف طریقوں سے صرف ہو جاتی ہیں، روزہ کے ذریعہ انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ فقر و فاقہ کی تلخی کیسی ہوتی ہے، بھوکوں پر ترس آتا ہے، محتاجوں سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ بنا بریں روزہ کو روحانیت میں ایک بڑا درجہ حاصل ہے اور تقویٰ و طہارت کے حاصل کرنے کا وہ ایک عمدہ ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** (مسلمانو! روزہ تم پر بھی اس طرح فرض کیا ہے جس طرح اگلی قوموں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔) حدیث میں ہے: **”الصَّوْمُ جُنَّةٌ“** (روزہ ڈھال ہے) رسول خدا ﷺ ان لوگوں کو جو وسائل کی عدم موجودگی کی وجہ سے شادی نہ کر سکتے روزہ رکھنے کا حکم دیتے اور فرماتے روزہ اس خواہش کو دبا دیتا ہے۔

چونکہ محبوبات و لذائذ کا ترک کرنا نفس پر بہت شاق ہوتا ہے اس لئے روزہ دیر میں فرض کیا گیا، ۲ھ میں اس کی فرضیت نازل ہوئی جبکہ دلوں میں توحید پوری طرح راسخ ہو چکی تھی، نماز کی عادت پڑ گئی تھی، قرآن اور احکام قرآن سے انس پیدا ہو گیا تھا اور مسلمان راہ خدا میں بھوک پیاس کی تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ روزہ فرض ہونے کے بعد نو سال تک اس دنیائے فانی میں رہے اور نور مضانوں کے روزے رکھے۔

بوڑھوں اور کمزور عورتوں کو اجازت ہے کہ اگر روزہ رکھ نہ سکیں تو افطار کریں اور اس کے عوض میں رمضان بھر روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں، بیمار اور مسافر کے لئے بھی جائز ہے کہ

روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کریں، حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں بھی اگر روزہ میں اپنے لئے نقصان سمجھیں تو قضا کریں لیکن اگر خود اپنے لئے خطرہ نہ دیکھیں اور بچے کے لئے مضرت کا اندیشہ نہ ہو تو قضا کے علاوہ روزانہ ایک مسکین کو کھانا بھی کھلائیں، کیونکہ ان کا روزہ نہ رکھنا بیماری کے خوف سے نہیں ہے کہ صرف قضا کافی ہو بلکہ ان کی مثال تندرست آدمی کی ہے جو روزہ نہیں رکھتا اور اس پر قضا کے علاوہ مسکین کو کھانا بھی واجب ہے۔ ۱

جب دو شہاد آ کر ہلال عید کے دیکھنے کی شہادت دے دیتے تو اگر نماز کا وقت گزر چکا ہوتا تو فوراً روزہ افطار کر دیتے اور دوسرے دن عید کی نماز پڑھتے۔ روزہ کے افطار کرنے میں سنت یہ تھی کہ جلدی کرتے، عموماً کھجور سے کھولتے، اگر موجود نہ ہوتیں تو خشک سے، ورنہ پانی کے چند گھونٹوں سے! افطار کرتے وقت یہ دعا پڑھتے: ”اَللّٰهُمَّ لَكَ صُومْتُ وَعَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ“ (خداوند اتیرے ہی لئے میں نے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر افطار کیا) بعض حدیثوں میں ہے کہ اُس وقت فرماتے: ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَبَثَّ اَلْجُرْأَنُ شَاءَ اللّٰهُ“ (ابو داؤد)

(پیارا چلی گئی رگ پٹھے تر ہو گئے، اور ثواب انشاء اللہ قائم ہو گیا)

۱۔ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کے متعلق ابن قیم کا یہ قول غیر واضح ہے عام مسئلہ تو یہ ہے کہ ان کا شمار بھی اُن لوگوں میں ہے جن کے لئے روزہ کا قضا کرنا نہیں بلکہ صرف فدیہ (کھانا کھلانا) دینا کافی ہے، کیونکہ حمل و رضاعت کا سلسلہ تو سال بھر تک برابر جاری رہے گا اور عورت کو قضا کی سہلت ہی کہاں ملے گی؟ قرآن سے بھی مترشح ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روزہ نہ رکھنے کی صرف دو قسم کے لوگوں کو اجازت دی ہے ایک تو مریض و مسافر ہیں جو قضا کریں گے فدیہ نہ دیں گے۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جن کے لئے روزہ نہ رکھنا بہت دشوار ہے اُن کے لئے صرف فدیہ ہے قضا نہیں۔ قرآن میں ہے: فَصَنَ سَمَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا اَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اٰخَرًا وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامٍ مِّنْكِينٍ (جو تم میں بیمار ہو یا مسافر وہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ لے، اور جو لوگ سخت مشقت سے روزہ رکھ سکتے ہوں، وہ ایک مسکین کو کھانا کھلایا کریں) حاملہ اور دودھ پلانے والی بھی اسی گروہ میں داخل ہیں جیسا کہ امام احمد و اصحاب السنن نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے حامل و مریض پر روزہ کا بار نہیں رکھا نیز اسی جماعت میں بوڑھے اور سدا بیمار بھی داخل ہیں کیونکہ انہیں قضا کا وقت کبھی مل سکتا۔ شیخ محمد عبدة (رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک اُن مزدوروں کا بھی یہی حکم ہے جن کا پیشہ سخت محنت کے کام کرنا ہے مثل کان کنی وغیرہ، آیت کا مفہوم اس کا محتمل ہے، لیکن اس میں وہ (حاشیہ جاری ہے)

ایک مرتبہ رمضان میں سفر پیش آ گیا تو روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کیا، صحابہؓ کو بھی اجازت دے دی تھی کہ جس کا جی چاہے روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے افطار کرے لیکن جب کبھی دشمن کا سامنا درپیش ہوتا تو افطار کرنے کا حتمی حکم دے دیتے تاکہ چستی و تازگی سے مقابلہ کر سکیں۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہم رمضان میں دو مرتبہ جنگ پر گئے اور دونوں مرتبہ افطار کیا، پہلا موقعہ بدر کا تھا اور دوسرا فتح مکہ کا۔ سفر کو کسی خاص مسافت کے ساتھ مقید نہیں کیا بلکہ ہر اُس سفر میں روزہ افطار کرنا جائز ہے جو عرف عام میں سفر کہلاتا ہو، تعین مسافت کے بارے میں ایک بھی صحیح روایت نہیں ہے ۱۔

صحابہؓ جس وقت سفر شروع کرتے روزہ افطار کر دیتے اور کہتے یہی سنت نبویؐ ہے جیسا کہ عبید بن جبیرؓ کی حدیث میں موجود ہے (ابو دائود و احمد)

(حاشیہ متعلقہ صفحہ نمبر 119) عیش پسند کسی طرح بھی داخل نہیں ہو سکتے جو اپنی تسعم کی زندگی کی وجہ سے روزہ کی تکلیف برداشت کرنے کے ناقابل ہو جاتے ہیں۔ ان کے لئے تو روزہ اور بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ ان کی اس کمزوری کا علاج بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ پابندی سے روزے رکھیں۔ قرآن میں احکام روزہ کے متعلق ایک جامع آیت یہ بھی ہے: اَجَلٌ لَّكُمْ لَيْلَةُ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ ؕ عَلَيَّمُ اللَّهُ أَنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ؕ فَالْأَنزِلْنَا بَاسِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَبَيِّنَ لَكُمْ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۚ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ (روزہ کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں کی طرف رغبت کرنا جائز ہے، وہ تمہارے لئے پردہ ہیں اور تم ان کے لئے خدا نے جان لیا کہ تم اپنے نفسوں سے خیانت کرتے تھے، پس معاف کر دیا تمہیں اب ملا کرو ان سے اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفیدی کا تار رات کی تاریکی میں نمایاں ہو جائے، پھر پورا کرو رات تک روزہ کو۔) (ابوزید)

۱۔ قرآن میں ہے: أَوْ عَلٰى نَفَرٍ (یا سفر پر ہو) علی الاطلاق ”سفر فرمایا ہے“ نہیں کہا کہ اتنے میل مسافت ہو اور اتنے میل ہر شخص سمجھتا ہے سفر کے کہتے ہیں کتب فقہ میں سفر کی جتنی تحدیدیں بیان کی گئی ہیں سب فقہاء کے اقوال و اجتہادات ہیں شریعت کے احکام نہیں۔ صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ حجۃ الوداع میں اہل مکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عرفات میں نماز قصر کرتے تھے حالانکہ مسافت بہت کم تھی اتنی کم کہ اُس مسافت کا دسواں حصہ بھی نہ تھی جو کتب فقہ میں بتائی گئی ہے اور جس پر اب تک خود فقہاء بھی باہم متفق نہیں۔ (ابوزید)

اور جیسا کہ محمد بن کعبؓ کی روایت میں ہے ”میں رمضان میں حضرت انسؓ بن مالک کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ سفر کے لئے بالکل تیار تھے، جب سواری آگئی اور کپڑے پہن چکے تو کھانا مانگا اور روزہ افطار کر کے کھایا، میں نے پوچھا یہ سنت ہے؟ فرمانے لگے ہاں، یہی سنت ہے“ (ترمذی)

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ شب میں مقاربت فرماتے، صبح ہوتی تو غسل کر لیتے اور بدستور روزہ رکھتے۔ روزہ کی حالت میں کبھی ازواج کا بوسہ بھی لے لیتے تھے۔ روزہ میں مسواک کرنا بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے البتہ بہت زیادہ استنشاق (ناک میں پانی لینا) سے منع فرمایا ہے، فصد کھلوانا ثابت نہیں، لیکن سرمہ لگانا مروی ہے۔ اگر کوئی بھولے سے کھاپی لیتا تو اُسے نہ تو روزہ افطار کرنے کا حکم دیتے اور نہ قضا کرنے کا، بلکہ بھول چوک کو معاف کر دیا ہے۔ رمضان میں تمام اوقات سے زیادہ نیکی کے کام کرتے، قرآن کی تلاوت و مزاوت بھی اور تمام مہینوں سے زیادہ ہوتی تھی۔

نفلی روزہ:

نفلی روزے کبھی اس طرح مسلسل رکھنے لگتے کہ خیال ہوتا اب نہیں چھوڑیں گے، اور کبھی چھوڑ دیتے تو ایسا لگتا کہ اب نہ رکھیں گے۔ رمضان کے علاوہ کسی مہینہ کے پورے روزے کبھی نہ رکھتے، تاہم ہر مہینہ میں چند روزے ضرور ہی رکھتے، اس کے لئے عموماً دو شنبہ اور پنج شنبہ کو منتخب کرتے تھے۔ بعض لوگ رجب، شعبان اور رمضان کے روزے لگاتا رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سنت ہے حالانکہ سنت نہیں رجب کے روزے آپؐ نے کبھی نہیں رکھے نہ پسند فرمائے، بلکہ ان سے منع کیا ہے جیسا کہ ابن ماجہؒ میں مذکور ہے۔ صحیحین میں ہے کہ جب مدینہ تشریف لائے اور یہودیوں کو یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے دیکھا تو وجہ دریافت کی، انہوں نے کہا یہ ایک متبرک دن ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دن موسیٰ (علیہ السلام) اور نبی اسرائیل کو غلامی سے نجات دی اور فرعون کو غرق کیا، موسیٰ (علیہ السلام) بھی یہ روزہ رکھتے

تھے اور ہم بھی رکھتے ہیں۔ ارشاد فرمایا ”تو ہم تم سے زیادہ موسیٰ کے حقدار ہیں“ چنانچہ عاشوراء کا روزہ خود بھی رکھا اور صحابہؓ کو رکھنے کا حکم دیا۔ اکثر یہ ہوتا کہ گھر تشریف لاتے اور پوچھتے ”کچھ کھانے کو ہے؟“ اگر جواب ملتا ”نہیں“ تو فرماتے ”میں روزہ رکھے لیتا ہوں“ کبھی نفل روزہ کی نیت کر لیتے، پھر کچھ سوچتے اور افطار کر ڈالتے، اس کا ذکر حضرت عائشہؓ کی دو حدیثوں میں موجود ہے، ایک حدیث مسلم نے روایت کی ہے اور دوسری نسائی نے۔

اعتکاف:

آپؐ ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے، ایک سال موقع نہ ملا تو شوال میں کیا۔ اعتکاف کے لئے مسجد میں چھوٹا سا خیمہ لگادیا جاتا تھا اور تنہائی میں رب العزت کے حضور بیٹھ رہتے تھے۔ ہر سال دس دن اعتکاف ہوتا تھا مگر وصال کے برس بیس دن کیا، اسی طرح جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ سالانہ ایک مرتبہ قرآن کا مذاکرہ ہوتا تھا مگر اس سال دو مرتبہ ہوا۔

اعتکاف کی حالت میں مسجد سے باہر نہ نکلتے، حتیٰ کہ گھر بھی بلا خاص ضرورت کے نہ جاتے، لیکن یہ برابر ہوتا کہ سر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں کر دیتے، وہ باوجود ایام سے ہونے کے اسے دھوئیں اور بالوں میں کنگھی کر دیتیں۔ ازواج میں سے بعض خیمہ میں بھی آتی تھیں مگر بجز بات چیت کے اُن سے اور کوئی سروکار نہ رکھتے، واپسی پر ان کی مشاغت بھی کرتے تھے۔

حج ۱ و عمرہ ۲:

صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کل چار عمرے کئے جو سب کے سب علاوہ عمرہ حج کے ماہ ذی القعدہ میں واقع ہوئے تھے۔ آپؐ نے جتنے

ایک کی تین صورتیں ہیں: قرآن، تمنع، افراد۔ ”قرآن“ وہ ہے جس میں حج و عمرہ کی ایک ساتھ نیت کی جاتی ہے اور حاجی کو اس وقت تک احرام باندھ رہنا پڑتا ہے جب تک تمام اعمال حج ادا نہ ہو جائیں۔ (حاشیہ جاری ہے)

عمرے کے سب مکہ میں داخل ہوتے ہوئے کئے، یہ ثابت نہیں کہ مکہ میں ہوں اور عمرہ کرنے کے لئے باہر گئے ہوں جیسا کہ آج کل لوگ کرتے ہیں کہ حرم سے باہر چلے جاتے ہیں اور عمرہ کی نیت کر کے مکہ میں آتے ہیں۔ ہجرت کے بعد صرف ۱۰ھ میں ایک مرتبہ حج کیا کیونکہ ۹ھ سے پہلے وہ فرض ہی نہ ہوا تھا۔ بلاشبہ آیت ”وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ“ (حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو) ۶ھ میں نازل ہوئی، لیکن جیسا کہ صرف ظاہر ہے اس سے فرضیت حج ثابت نہیں ہوتی، اس میں صرف اس قدر فرمایا ہے کہ جب حج اور عمرہ کی نیت کر لو تو اسے پورا کرو۔

جب حج کا عزم کیا تو اس کا عام اعلان کر دیا، روانگی کے دن خطبہ دیا اور احرام اور اس کے احکام بالتفصیل بیان فرمائے، ظہر کی نماز اپنی مسجد میں جماعت سے پڑھی، پھر اندر تشریف لے گئے، تیل ڈالا، کنگھی کی، تہ بند باندھی، چادر اوڑھی اور ۶۔ ذی القعدہ کو عصر سے پہلے پہلے روانہ ہو گئے۔ پہلی منزل مقام ”ذوالحلیفہ“ میں ہوئی، نماز عصر کا قصر کیا، رات بھر یہیں رہے، ایک ایک کر کے تمام ازواج کے ہاں گئے، پھر غسل کیا، خوشبو لگائی، چادر اور تہ بند کا احرام باندھا، ظہر کی نماز میں بھی قصر کیا اور مصلىٰ پر سے ہی حج و عمرہ کے لئے با آواز بلند لبیک کہا (یہ منقول نہیں کہ نماز ظہر کے علاوہ خاص احرام کے لئے کوئی نماز پڑھی ہو)۔ جو اس طرح ثابت ہے: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالْبَغْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ ۱۔ یہ پورا سفر سواری کی پیٹھ پر طے کیا تھا نہ کہ کجاوہ اور ہودج وغیرہ میں بیٹھ کے جیسا کہ آج کل بہت لوگ کرتے ہیں۔

(حاشیہ مغلطہ نمبر ۱۲) ”منع“ وہ ہے جس میں میقات سے صرف عمرہ کی نیت کی جاتی ہے اور عمرہ کی نیت کر کے مکہ میں آتے ہیں۔ مکہ میں اگر ارکان عمرہ ادا کئے جاتے ہیں اور احرام اتار دیا جاتا ہے، پھر ذی الحجہ کی انھیں تاریخ کو حج کے لئے از سر نو احرام باندھا جاتا ہے افراد وہ ہے جس میں صرف حج کی نیت کی جاتی ہے، پھر حج کے بعد عمرہ کیا جاتا ہے۔ (مترجم)

عمرہ کے ارکان تین ہیں: طواف کعبہ، سعی مابین صفا و مرؤہ، سر منڈانا یا قصر کرنا (بال چھونے کرنا) عمرہ کی نیت کرنے والا جب مکہ میں ارکان تینوں اعمال سے فارغ ہو جائے تو حج کی پابندیوں سے آزاد ہو کر مکہ میں اس طرح رہتا رہتا ہے جس طرح عام باشندے رہتے ہیں یعنی اس کے لئے خوشبو لگانا اور مباحثت کرنا سب باتیں جائز ہو جاتی ہیں۔ (مترجم)

۱۔ خداوند! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں! میں حاضر ہوں! میں حاضر ہوں! ہر طرح کی ستائش اور تعظیم تیرے ہی لئے ہیں! حکومت بھی تیری ہی ہے تیرا کوئی سامی نہیں۔

ذوالحلیفہ میں حضرت ابو بکرؓ کے ہاں محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے ان کی ماں کا نام اسماءؓ تھا ولادت کے بعد آپؐ نے حکم دیا کہ غسل کر کے احرام باندھ لیں۔ اس سے یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ حائض غسل کر کے احرام باندھ سکتی ہے۔

ذوالحلیفہ سے تلبیہ کرتے ہوئے چلے یہاں تک کہ مقام رحاء میں پہنچ گئے یہاں ایک شخص نے جو احرام باندھے ہوئے نہیں تھا گورخر کا گوشت تحفہ پیش کیا، آپؐ نے قبول فرمالیا اور ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محرم کے لئے غیر محرم کا شکار کھانا جائز ہے بشرطیکہ خاص اس کے لئے شکار نہ کیا گیا ہو۔

مقام سرف میں پہنچے تو حضرت عائشہؓ کو ایام شروع ہو گئے، آپؐ نے فرمایا ”وہ سب کرتی رہو جو حاجی کرتے ہیں“ صرف طواف نہ کرنا، ”مکہ پہنچے تو حکم دیا جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں، وہ صرف عمرہ پر اکتفا کریں: طواف کریں، صفا و مروہ کے مابین سعی کریں اور احرام اُتار دیں۔ اس پر سراقہ ابن مالکؓ نے دریافت کیا: یہ حکم صرف اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے؟ فرمایا ”ہمیشہ کے لئے“ اس واقعہ اور حکم کو چودہ صحابیوں نے روایت کیا ہے جن کی احادیث نہایت صحیح ہیں، انہیں میں ایک حدیث ہے کہ فرمایا: ”اگر میرے ساتھ بھی قربانی کے جانور نہ ہوتے تو تمہاری طرح میں بھی احرام اُتار دیتا، مگر اب قربانی کے وقت تک یہ نہیں ہو سکتا“ صحابہ نے اس حکم پر عمل بھی کیا یہاں تک کہ یوم الترویہ (۸۔ ذی الحجہ) آیا تو حج کی نیت سے احرام باندھا۔

مکہ میں داخل ہونے کے بعد جوں ہی خانہ کعبہ پر پہلی نظریڑی جوش سے فرمانے لگے: اَللّٰهُمَّ رِزْ هَذَا الْبَيْتَ تَشْرِيفًا وَتَعْظِيمًا وَتَكْرِيْمًا وَمَهَابَةً“ (طبرانی) مسجد میں آئے تو سیدھے کعبہ کی طرف بڑھے (اور تحیۃ المسجد ادا کی کیونکہ مسجد الحرام کی تحیۃ طواف ہے) حجر اسود کے مقابل ہوئے تو اُسے چھوا مگر اس کے لئے نہ کشاکش کی نہ پورے جسم سے اس کے

۱۔ اے خدا اس گھر کی بزرگی، عزت، حرمت اور عظمت اور زیادہ کر۔

پاس کھڑے ہوئے، نہ رکن یمانی کی طرف رخ کیا، نہ ہاتھ اٹھائے، نہ طواف کے لئے کوئی خاص نیت زبان سے کچھ کہہ کے کی اور نہ نماز کی طرح طواف کو تکبیر سے شروع کیا جیسا کہ جاہل کیا کرتے ہیں۔ بلکہ صرف یہ کیا کہ حجر اسود کی طرف کچھ یوں ہی سارخ کیا، اُسے چھوا اور اپنے داہنی طرف سے طواف شروع کیا، کعبہ بائیں جانب تھا، رکنین (حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان) کے مابین پہنچے تو فرمایا:

رَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقَدْ آذَنَّاكَ أَلَّا نَمُوتَ (البقرة: 201)

طواف کے پہلے تین چکروں میں اس طرح چلے کہ رفتار تیز تھی اور جسم جھومتا تھا، باقی میں جھومنا موقوف کر دیا مگر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر تیز چلتے رہے چادر اس طرح اوڑھے تھے کہ ایک سرابغل کے نیچے سے نکال کے کندھے پر ڈال لیا تھا، جس سے ایک ہاتھ اور شانہ کھل گیا تھا۔ طواف کرتے ہوئے جب حجر اسود کے سامنے آتے تو اُس کی طرف اشارہ کرتے، ہاتھ میں خمیدہ سر لکڑی تھی جس سے اُسے مس کرتے اور پھر لکڑی کا بوسہ لے کر آگے روانہ ہو جاتے۔ خود حجر اسود کا بوسہ لینا اور ہاتھ سے مس کرنا بھی ثابت ہے۔ رکن یمانی کو بھی چھوتے تھے مگر اس کا بوسہ نہ لیتے۔ طبرانی میں ہے کہ جب رکن یمانی کو چھوتے تو فرماتے:

بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اور جب حجر اسود کے سامنے آتے تو کہتے: "اللَّهُ أَكْبَرُ"

طواف کعبہ سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پیچھے آئے اور یہ آیت پڑھی "وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ط" (البقرة: 145) اس مقام کو مستقل جائے نماز بنا لو۔ پھر دو رکعت نماز ادا کی جس میں فاتحہ کے بعد قُلْ هُوَ اللَّهُ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھی۔ پھر کوہ صفا کی طرف روانہ ہوئے جب قریب پہنچے تو آیت "إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ" (البقرة: 158) یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے

۱۔ اے ہمارے رب، ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے، اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا۔

ہیں۔ پڑھ کے فرمایا جس سے خدا نے ابتدا کی ہے اُسی سے میں بھی ابتدا کرتا ہوں۔ چنانچہ صفا پر چڑھ گئے جب کعبہ نظر آیا تو کہا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ ۱۔“ پھر سعی کرتے ہوئے مروہ کی طرف چلے، ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب لوگوں نے بہت ہجوم کیا تو پیدل چلنے کے بجائے سوار ہو گئے۔ مروہ پر بھی چڑھے اور جب کعبہ دکھائی دیا تو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کہی۔ پھر صفا کی طرف لوٹے یہاں تک کہ سعی کے سات دور پورے ہو گئے۔ لیکن طواف کے برخلاف اس میں جھوم کر نہیں چلے۔

سعی کے بعد ان تمام لوگوں کو جن کے ہمراہ قربانی کے جانور نہ تھے پھر ہدایت کی کہ اب احرام اتار دیں کیونکہ عمرہ کے ارکان پورے ہو گئے، خود اپنی نسبت فرمایا اگر پہلے سے یہ معلوم ہوتا تو جانور ساتھ ہرگز نہ لاتا، عمرہ کے بعد احرام اتار دیتا اور وقت پر جانور خرید لیتا۔ مکہ میں جب تک مقیم رہے، نماز برابر جائے قیام پر پڑھتے اور قصر کرتے رہے۔ پنج شنبہ کو تمام ہمراہیوں کے ساتھ منیٰ کو روانہ ہوئے، راستہ میں ان لوگوں نے حج کا احرام پہن لیا جنہوں نے عمرہ کے بعد اتار دیا تھا۔ منیٰ پہنچ کر ظہر و عصر کو جمع کیا اور جمعہ کی رات وہیں بسر کی۔ جب صبح ہوئی اور آفتاب طلوع ہو گیا تو عرفات کو روانہ ہوئے۔ صحابہؓ میں سے بعض لیک کہتے تھے اور بعض تکبیر آپ ﷺ دونوں کو سنتے تھے مگر کچھ نہ کہتے تھے۔

۱۔ بجز اللہ واحد کے کوئی خدا نہیں اسی کی حکومت ہے اُسی کے لئے ستائش ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے بجز اللہ واحد کے کوئی خدا نہیں اُس نے اپنا وعدہ پورا کیا اپنے بندہ کو فتح کیا اور تمام جتھوں کو تباہ توڑ دیا۔

جب عرفات میں پہنچے تو ناقہ پر بیٹھے بیٹھے ایک عظیم الشان خطبہ دیا ۱ اور کھڑے رہے یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا بسلام ۲ سے اذان دلائی اور نماز قصر کر کے دو رکعت ادا کی جس میں قرأت آہستہ کی، حالانکہ وہ جمعہ کا دن تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسافر کے لئے جمعہ نہیں ہے۔ ظہر کے بعد عصر کے لئے اقامت کہی گئی اور یہ نماز بھی قصر کر کے صرف دو رکعت پڑھی۔ اہل مکہ بھی ساتھ تھے اور مقتدی تھے انہوں نے بھی قصر جمع کیا، آپؐ نے انہیں نہ تو پوری نماز پڑھنے کا حکم دیا اور نہ جمع کرنے سے روکا۔ بعض لوگ اسے تسلیم نہیں کرتے اور روایت پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سخت غلطی اور شدید جہالت کی بات ہے کیونکہ یہ حدیث اس موقع کی نہیں بلکہ فتح مکہ کے موقع کی ہے۔

نماز کے بعد پھر اونٹ پر سوار تشریف لائے اور دامن کوہ میں کھڑے ہو کر تضرع و زاری میں مصروف ہو گئے۔ لوگوں کو یہ بتا دیا کہ آپؐ کے اس مقام پر کھڑے ہونے سے یہ نہ سمجھ لیں کہ وقوف کی جگہ صرف یہی ہے بلکہ فرمایا عرفات کی پوری پہاڑی پر وقوف کیا جاسکتا ہے۔ آپؐ دعا اس طرح مانگ رہے تھے کہ دونوں ہاتھ سینہ تک اٹھے ہوئے تھے

اجتہاد الوداع میں آنحضرتؐ نے متعدد خطبے دیئے جن میں سب سے زیادہ مشہور اور اہم خطبہ بروایت ابن اسحاق حسب ذیل ہے:

"اَيُّهَا النَّاسُ اسْمِعُوا قَوْلِي فَإِنِّي لَا أَذَرُ لِعَلِّي لَا أَلْقَاكُمْ بَعْدَ عَامِي هَذَا اِيَّهَذَا الْمَوْقِفِ أَبَدًا. اَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ إِلَيَّ أَنْ تَلْقَوَانِي بَكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا وَكَحُرْمَةِ شَهْرِكُمْ هَذَا وَإِنَّكُمْ سَلَقْتُمْ رِجْلَكُمْ فِيمَا لَكُمْ غِنًى أَعْمَا لَكُمْ وَقَدْ بَلَغْتُ فَمَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَانَةٌ فَلْيُؤَدِّهَا إِلَيَّ مَنْ انْتَمَنَ عَلَيْهَا وَأَنْ كُلَّ رِبَا مَوْضُوعٍ وَلَكِنْ لَكُمْ رُؤُسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تَظْلَمُونَ قَضَى اللَّهُ إِلَيْنَا رِبَا وَأَنْ رَبَّنَا غَاسِيٌ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ مَوْضُوعٌ" كَلَّمَهُ وَأَنْ كُلَّ دِمٍ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ وَأَنْ أَوَّلَ دِمَاءٍ بَكُمْ أَضَعُ دِمَ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ (وَمَا كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِي بَنِي لَيْثٍ فَقَتَلَهُ هَذِيلٌ) فَهُوَ أَوَّلُ مَا أُنْذِرُ بِهِ مِنْ دِمَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ. أَمَّا بَعْدُ اَيُّهَا النَّاسُ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ بَيَّسَ أَنْ يُغْبِيَ بَارِضَكُمْ هَذِهِ أَيْدٍ أَوْ لَكِنَّهُ أَنْ يُطْعِمَ فِيمَا بَسَوِي ذَلِكَ فَقَدْ رَضِيَ بِهِ مِمَّا تَحْقِرُونَ مِنْ أَعْمَا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُ عَلَى دِينِكُمْ.... اَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ حَقًّا عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُؤَاظَمْنَ فَرُسُكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُوهُ، وَعَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبِينَةٍ فَإِنْ فَعَلْنَ فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ آذَنَ لَكُمْ أَنْ تَهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَصَاجِعِ وَتَضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبْرَحٍ فَإِنْ أَنْتَهُنَّ فَلَهُنَّ رِزْقُهُنَّ أَوْ كَسَوْنَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَأَسَوْنَ صُورًا لِنِسَاءٍ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٌ لَا يَمْلِكُنَّ أَنْ تَنْفُسَهُنَّ شَيْئًا وَأَنْتُمْ إِنَّمَا أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانَةِ اللَّهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ فَاعْقِلُوا اَيُّهَا

النَّاسُ قَوْلِي فَاِنِّي قَدْ بَلَغْتُ . وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَّا اِنْ اِعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تَضِلُّوْا " كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ نَبِيِّهِ " اَيُّهَا النَّاسُ اسْمَعُوْا قَوْلِيْ وَاَعْقِلُوْا تَعْلَمُوْنَ اَنْ كُلَّ مُسْلِمٍ اَخٌ لِلْمُسْلِمِ وَاَنَّ الْمُسْلِمِيْنَ اِخْوَةٌ فَلَا يَحِلُّ لِأَمْرٍ مِّنْ اَحَدِهِمْ اِلَّا عَمَّا اَعْطَاهُ عَنْ طَيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ فَلَا تَنْظِلُوْا اَنْفُسَكُمْ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَغْتُ النَّاسُ قَالُوْا نَعَمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ .

ترجمہ: لوگو، میری بات سنو کیونکہ شاید اس سال کے بعد اس جگہ میں تم سے کبھی نذر سکوں۔ ”لوگو، تم پر تمہارا خون اور تمہارا مال (قتل اور غصب) قیامت تک کے لئے اسی طرح حرام ہے۔

جس طرح آج کے دن اور اس مہینہ میں خون بہانا حرام ہے۔ تم غریب اپنے رب کے سامنے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔ میں نے تمہیں بتادیا۔ پس جس کسی کے پاس امانت ہو اس کے مالک تک پہنچا دے۔ ہر قسم کا سودا بطل ہے، تم اپنا اصلی مال لے لو سود چھوڑ دو اس طرح نہ تم پر ظلم ہوگا اور نہ تم دوسروں پر ظلم کرو گے اللہ کا فیصلہ یہی ہے کہ سود جائز نہیں عباس بن عبدالمطلب کا پورا سود چھوڑنا ہوں۔ جاہلیت کے تمام خون چھوڑے جاتے ہیں اور سب سے پہلا خون جو چھوڑنا ہوں وہ ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب (آپ کے بھتیجے کا خون ہے) جاہلیت کے خونوں میں اسی خون سے میں ابتدا کرتا ہوں۔ لوگو شیطان مایوس ہو گیا ہے۔ اور اب امید نہیں رہی کہ اب کبھی تمہاری اس سرزمین میں پوجا جائے لیکن اپنی جن باتوں کو تم معمولی سمجھتے ہو اگر انہیں میں اس کی اطاعت کی جائے تو بھی وہ خوش رہے گا پس اس کے سمرے پہچو۔ لوگو تمہاری عورتوں پر تمہارا کچھ حق ہے اور عورتوں کا تم پر کچھ حق ہے۔ تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے ناموس کی حفاظت کریں اور ایسے لوگوں کو گھروں میں نہ آنے دیں جنہیں تم ناپسند کر رہے ہو نیز کوئی نکلی ہوئی برائی نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اللہ کی طرف سے اجازت ہے انہیں رات کو الگ پڑا رہنے دو اور مارو مگر بہت سختی سے نہیں۔ اور جب بازار آجائیں تو ان کا حق یہ ہے کہ اچھی طرح انہیں کھلاؤ پلاؤ اور پہناؤ اڑھاؤ۔ عورتوں سے ہمیشہ اچھا سلوک کرو وہ تمہارے ہاتھ میں بے بس ہیں تم نے اللہ کی صفات پر انہیں لیا اور اللہ کے نام پر اپنے لئے جائز کیا ہے اسے لوگو میری بات خوب سمجھ لو میں نے اچھی طرح بتادیا۔ میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر اسے مضبوطی سے لئے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے یعنی: کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ، لوگو، میری بات سنو اور خوب سمجھو جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں پس مسلمان کے لئے صرف وہی حلال ہے جو اس کے بھائی نے برضا و رغبت دے دیا ہے ایک دوسرے پر زیادتی مت کرو کیا میں نے پہنچا دیا؟ سب نے کہا ہاں پہنچا دیا اس پر فرمایا ”خداوند اتو گواہ رہو“ کہ آپ نے ان سے فرمایا تھا ”تم اپنی نماز پوری کرو، ہم تو مسافر لوگ ہیں“۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ربیعہ بن امیہ بن خلف رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑے تھے آپ نے ان سے فرماتے کہ پکار کے کہو ”لوگو رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں کہ جانے ہو یہ کونسا مہینہ ہے؟“۔ لوگ جواب دیتے ”یہ ماہ حرام ہے“ آپ فرماتے کہو ”خدا نے قیامت تک کے لئے تم پر تمہاری جانوں اور مال کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح تمہارے اس مہینہ کی حرمت ہے!“ پھر فرماتے کہو ”لوگو رسول اللہ کہتے ہیں جانے ہو یہ کونسا مقام ہے؟“۔ لوگ جواب دیتے ”یہ بلد الحرم ہے“ آپ فرماتے کہو ”خدا نے قیامت تک کے لئے تم پر تمہاری جانوں اور مال کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح تمہارے اس مقام کی حرمت ہے!“ پھر فرماتے کہو ”لوگو رسول اللہ کہتے ہیں جانے ہو یہ کونسا دن ہے؟“۔ لوگ جواب دیتے ”یوم الحج الاکبر“ فرماتے کہو ”خدا نے قیامت تک کے لئے تمہاری جانوں اور مال کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح آج کے دن کی حرمت ہے!“ مسلمان جواب دیں کیا، اپنے نبی کی آخری وصیتوں پر عمل کر رہے ہیں؟ (مترجم)

گویا مسکین کچھ مانگ رہا ہے۔ دعائیہ: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَالَّذِيْ نَقُوْلُ وَخَيْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ، اَللّٰهُمَّ لَكَ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ وَاِلَيْكَ مَابِيْ وَلَكَ تَرَانِيْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَوَسْوَسَةِ الصُّدُوْرِ شَتَابِ اَلَا مُرَّ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَجِيْ ءُ بِهِ الرِّيْحُ ۱۔ (ترمذی)

یہی آیت ”اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا: (المائدہ: 3) ترجمہ: آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔

اسی موقع پر ایک مسلمان حاجی سواری پر سے گر کے مر گیا تو حکم دیا کہ بیری کے پتے اور پانی میں نہلایا جائے، اور احرام کے دونوں کپڑوں ہی میں دفن کر دیا جائے، خوشبو نہ لگائی جائے، سر اور چہرہ بھی نہ ڈھکا جائے۔

جب آفتاب پوری طرح غروب ہو گیا تو عرفات سے روانہ ہوئے۔ پیچھے اسامہ بن زیدؓ سوار تھے۔ آپؐ لوگوں کو دوڑتے دیکھ کر فرماتے تھے ”لوگو! وقار سے چلو، نیکی کچھ دوڑنے میں نہیں ہے، درمیانی رفتار سے مسلسل لہیک کہتے ہوئے چلتے رہے یہاں تک کہ مزدلفہ پہنچے۔ یہاں فوراً وضو کیا، بلال کو اذان دینے کا حکم دیا اور اقامت کے بعد بغیر اسباب اُتارے مغرب پڑھی۔ پھر توقف کیا یہاں تک کہ جب لوگ اتر چکے تو عشاء کے لئے صرف اقامت کہلائی اور نماز پڑھی۔ دونوں نمازوں کے مابین کوئی سنت نہیں پڑھی۔ رات یہیں بسر کی اور اچھی طرح سوئے، اس شب میں نہ خود بیدار رہے اور نہ دوسروں کو بیدار رہنے کا حکم دیا۔ کمر در عورتوں اور بچوں کو طلوع سے پہلے ہی منیٰ روانہ کر دیا مگر تاکید کر دی کہ دن نکلنے سے

۱۔ خداوند اُتیری وہ ستائش ہے جو ہم کہتے ہیں اور اس سے بڑھ کر ہے جو ہم کہتے ہیں۔ خداوند! میری نماز، عبادت، جینا، مرنا سب کچھ تیرے ہی لئے ہے، تیرے ہی طرف میرا لوٹنا ہے اور تو ہی میرا وارث ہے۔ خداوند! قبر کے عذاب، دل کے دوسرہ اور معاملات کی ابتری سے پناہ مانگتا ہوں۔ خدا ہر قسم سے شر سے مجھے محفوظ رکھ۔

پہلے کنکریاں نہ ماریں (ترمذی وغیرہ)

نماز فجر ادا کر کے خود بھی سوار ہو گئے مشعر الحرام میں آئے اور قبلہ رو ہو کے دعا و انابت میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ روشنی پھیل گئی۔ پھر فضل بن عباسؓ کو پیچھے بٹھا کر لہیک کہتے ہوئے آگے بڑھے، یہیں راستہ میں حضرت ابن عباسؓ کو حکم دیا کہ رمی الجمار کے لئے سات کنکریاں چن دیں، جنہیں مٹھی میں لے کر پھونکتے اور لوگوں سے فرماتے تھے ”ایسی ہی کنکریاں پھینکو، دین میں غلومت کرو کیونکہ اسی غلو فی الدین نے اگلی قوموں کو ہلاک کر ڈالا“ اسی راستہ میں بنی شعم کی ایک حسین عورت نے حاضر ہو کر اپنے باپ کی طرف سے حج کرنے کے متعلق دریافت کیا جو اس قدر بوڑھا ہو چکا تھا کہ سواری پر بھی بیٹھ نہ سکتا تھا، آپؐ نے جواب دیا کہ تو اُس کی طرف سے حج کر سکتی ہے۔ ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں ادھر فضل بن عباسؓ جو خود بھی حسین تھے اُسے گھورے تھے اور اُس کی نگاہیں ان کی طرف تھیں، آپؐ نے دونوں جوانوں کی یہ حالت محسوس کی تو فضل کے چہرہ پر ہاتھ رکھ کے آڑ کر دی!۔

جب وادی حُسر میں پہنچے تو اونٹنی کی رفتار تیز کر دی، آپؐ کا طریقہ یہی تھا یہ کہ جب ان مقامات میں پہنچتے جہاں قوموں پر عذاب نازل ہوا ہے تو تیزی سے نکل جاتے۔ یہ وادی وہی ہے جس میں اصحاب فیل ہلاک کئے گئے تھے۔ منیٰ پہنچے تو زوال کے بعد جمرۃ العقبہ کے پاس تشریف لائے، افضل وادی میں سواری پر کھڑے ہوئے اور قبلہ رو ہو کے یکے بعد دیگرے سات کنکریاں پھینکیں، ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے اب تلبیہ موقوف کر دیا تھا۔ اُسامہؓ اور بلالؓ ساتھ تھے، ایک اونٹنی کی مہارت تھا مے تھا اور دوسرا دھوپ سے بچانے کے لئے کپڑا تانے کھڑا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ محرم کے لئے دھوپ سے بچنا جائز ہے۔

رمی الجمار کے بعد پھر قیام گاہ پر لوٹ آئے اور ایک نہایت بلیغ خطبہ دیا جس میں یوم النحر کی حرمت و عظمت اور مکہ کی تمام سرزمینوں پر فضیلت بیان کی اور فرمایا جو کوئی کتاب اللہ کے

۱۔ اخلاق نبویؐ تھا اگر ہمارے ہاں کے یہ مکلف لوگ ہوتے تو کیا قیامت برپا نہ کر دیتے!

ساتھ تمہاری رہنمائی کرے اس کی اطاعت کرو اور مناسک حج اس سے سیکھو۔ مسلمانوں کو وصیت کی کہ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو! اور فرمایا: ”دوسروں پر ظلم کرنے والا خود اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے، لوگو، اپنے رب کی عبادت کرو اپنی پانچوں نمازیں پڑھا کرو اپنے رمضان کے روزے رکھو، جو تمہیں حکم دیا جائے اس کی اطاعت کرو، اور ان سب کے عوض اپنے رب کی جنت لو،“ اسی موقعہ پر لوگوں سے رخصت ہوئے اور الوداع کہی جس کی مناسبت سے اس حج کا نام ہی ”حَجَّةُ الْوِدَاعِ“ پڑ گیا۔ پھر قربان گاہ تشریف لے گئے اور عمر شریف کے حساب سے ۶۳ اونٹ دست مبارک سے ذبح کئے، کل سواونٹ ہمراہ لائے تھے باقی کے ذبح کرنے کا حضرت علیؓ کو حکم دے دیا اور کہا قربانی کا گوشت اور کھال سب کچھ مسکینوں کو خیرات کر دو، قصاب کو اس میں سے بطور اجرت کچھ نہ دینا، اس کی مزدوری ہم اپنے پاس سے دیں گے۔

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ عام حدیبیہ میں ہم نے ایک اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیا تھا، اسی طرح ایک گائے میں بھی سات سات آدمی شریک ہوئے تھے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے: حَجَّةُ الْوِدَاعِ میں ایک اونٹ دس آدمیوں کی طرف سے بھی ذبح کیا گیا تھا۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات کی طرف سے (جن کی تعداد تو تھی) ایک گائے قربان کی تھی۔ منیٰ میں قربانی سے فارغ ہو کر حجام کو بلایا اور حکم دیا کہ پہلے دائیں طرف کے اور پھر بائیں طرف کے بال لے لے، صحابہؓ میں سے اکثر نے سرمند ادا کیا اور بعض نے کتروانے پر اکٹفا کیا۔ ظہر سے پہلے مکہ روانہ ہوئے اور پہنچتے ہی ”طواف الافاضہ ۱“ کیا، پھر زمزم پر آئے تو دیکھا لوگ حاجیوں کو پانی پلا رہے ہیں فرمانے لگے ”اگر ڈرنہ ہوتا کہ مخلوق تم پر هجوم کر دے گی تو میں بھی تمہارے ساتھ کھڑا ہو کر پانی پلاتا،“ انہوں نے ڈول آگے بڑھا دیا اور آپؐ نے کھڑے

۱۔ اس طواف پر حج کے تمام ارکان پورے ہو جاتے ہیں اور حاجی کے لئے دو سب باتیں جائز ہو جاتی ہیں جو غیر حاجی کے لئے جائز ہیں۔

ایام منیٰ میں حضرت عباسؓ کو اجازت دے دی تھی کہ مکہ ہی میں رات گزارا کریں کیونکہ حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت انہیں کے سپرد تھی۔ نیز شتر بانوں سے بھی کہہ دیا تھا کہ منیٰ کے باہر اپنے اونٹوں کے پاس رات بسر کیا کریں۔ مدینہ کے راستہ میں مقام روحاء پر ایک قافلہ ملا جس میں سے ایک عورت نے ایک شیر خوار بچے کو دکھا کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا اس کا بھی حج ہو گیا؟ فرمایا ”ہاں اس کا حج ہو گیا اور تجھے ثواب ملا“

واپسی میں بھی ذوالحلیفہ میں رات گزارا صبح جب مدینہ نظر آیا تو تین بار تکبیر کہی اور فرمایا:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ آتِبُونَ ، عَابِدُونَ ، سَاجِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ . صَدَقَ اللَّهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ ۚ

132

وہ ذبیحہ جن سے تقرب الی اللہ اور عبادت مقصود ہوتی ہے، تین ہیں: ہدیٰ، قربانی، عقیقہ۔
آنحضرت ﷺ نے بھیڑ، اونٹ اور ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کو ہدیٰ کیا ہے۔

اُخانے چار پاؤں میں بعض بلند قامت بوجھ اُٹھانے والے پیدا کئے اور بعض زمین سے لگے ہوئے پست قامت۔ خدا نے جو روزی جنہیں دی ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ خدا نے یہ چار پائے نرو مادہ اُٹھ قسم کے پیدا کئے ہیں۔ بھیڑ میں سے دونر مادہ اور بکری میں سے دونر مادہ۔ ان سے پوچھو کیا خدا نے بھیڑ بکری کے دونر نو کو حرام کر دیا ہے یا دونر کو یا اس بچہ کو جو دو مادوں کے پیٹ میں ہے اگر بچے ہو تو سند پیش کرو۔ اونٹوں میں سے نرو مادہ دو اور گائے کی قسم میں سے نرو مادہ دو۔ ان سے پوچھو کیا خدا نے اونٹ گائے کے دونر نو کو حرام کر دیا ہے یا دونر نوں کو یا اُس بچہ کو جو ان دونر نوں کے پیٹ میں ہے۔ مسلمانو، حالت احرام میں شکار کو قتل نہ کرو اور جو جانور بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا یہ ہے کہ دو منصفوں کے فیصلہ کے مطابق مقتول شکار کے مثل چوبہ تک کھے تک ہدی بنائے۔

ایک اونٹ اور ایک گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور ہدی کے لئے جانے والے کو اجازت دی ہے کہ اگر اور سواری میسر نہ ہو تو سہولت کے ساتھ اُس پر سوار ہو سکتا ہے۔ امت کو اجازت دی ہے کہ اپنے ہدی و قربانی میں چاہے تو کھائے اور بچا کر بھی رکھ چھوڑے۔ ابو داؤد میں ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کی اور فرمایا ”ثوبان، اس بکری کا گوشت ٹھیک کر لو“ وہ کہتے ہیں میں مکہ سے مدینہ تک راستہ بھر اسی کا گوشت حضورؐ کے سامنے پیش کرتا رہا۔

قربانی

آپؐ عید کی نماز کے بعد دو مینڈھے قربان کرتے تھے، نماز سے پہلے قربانی کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ فرمایا ”جس نے نماز سے پہلے قربانی کی اُس کی قربانی نہیں ہوئی“ قربانی کے باب میں سنت یہ تھی کہ اچھے اور بے عیب جانور منتخب کرتے اور عید گاہ میں ذبح کرتے۔ ایک بکری ایک آدمی اور اس کے گھر بھر کی طرف سے قربان کی جاسکتی ہے عطاء ابن یسارؓ کہتے ہیں میں نے ابو ایوب انصاریؓ سے پوچھا رسول اللہؐ کے زمانہ میں صحابہؓ کس طرح قربانی کرتے تھے؟ فرمایا ایک آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر بھر کی طرف سے ایک بکری ذبح کرتا جس میں سے خود بھی کھاتا تھا اور دوسروں کو بھی کھلاتا تھا۔ (ترمذی)

عقیقہ

موطا کی روایت ہے کہ ”صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا ہم اپنے شیر خوار بچوں کی طرف سے بھی قربانی کر سکتے ہیں؟ فرمایا ہاں“ جو ایسا کرنا چاہے اپنے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے“ نیز فرمایا: ”ہر بچہ کے ذمہ اس کے عقیقہ کی قربانی ہے، لہذا چاہیے کہ ساتویں دن اس کی طرف سے قربانی کی جائے“ اس کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے“ خود آپؐ نے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کی

طرف سے عقیقہ میں ایک ایک مینڈھے کی قربانی کی تھی۔ حضرت ابو رافعؓ کی روایت ہے کہ پیدائش کے بعد آپؐ نے حضرت حسنؓ کے کان میں اذان دی تھی۔

اذان:

اذان میں ترجیع اور عدم ترجیع، نیز اقامت میں تکرار اور افراد دونوں ثابت ہیں، بجز (اقامت میں) لفظ قد قامت الصلوٰۃ کے جو ہمیشہ مکرر ہی کہا جاتا تھا، نیز اذان میں تکبیر ”اللہ اکبر“ کہ جس کا ہمیشہ چار مرتبہ اعادہ کرنا ثابت ہے عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ عہد نبویؐ میں اذان کے الفاظ دو دو مرتبہ اور تکبیر کے ایک ایک مرتبہ کہے جاتے تھے۔ بجز قد قامت الصلوٰۃ کے جسے مکرر کہتے تھے۔ یہ تمام صورتیں جائز ہیں کسی میں کوئی کراہت نہیں اگرچہ بعض بعض سے افضل ہیں۔

اذان کے دوران میں اور اس کے بعد کیا کہا جائے؟

اس کے بارے میں پانچ طریقے مردی ہیں: (۱) مؤذن کے الفاظ کا اعادہ بجز حَسْبِيَ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَسْبِيَ عَلَى الْفَلَاحِ کے جن کے بجائے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کہنا چاہیے۔ (۲) یہ کہا جائے: رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَّسُولًا۔ (۳) مؤذن کے الفاظ کا اعادہ کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ پر وہ درود بھیجے جو آپؐ نے امت کو بتایا ہے اور جس سے بہتر کوئی درود نہیں اگرچہ لوگ کتنی ہی لفاظیاں کریں۔ (۴) درود کے بعد کہے: اَللّٰهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ اَنْتَ مُحَمَّدَانِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا اِنَّ الدِّيْنَ وَعَدَّتْهُ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ، ترجمہ: اے اللہ! اس دعوت کامل اور قائم ہونے والی نماز کے مالک محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور آپ ﷺ کو مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے آپ ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے، بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، جو شخص یہ دعا مانگتا ہے وہ

۱۔ میں اللہ کو رب بنانے، اسلام کو بطور دین قبول کرنے اور محمدؐ کو رسول ماننے سے راضی ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کا حقدار ہو جاتا ہے۔ (۵) درود کے بعد اپنے حق میں دعا کرے اور فضل الہی کا متمسک ہو کیونکہ اذان کے بعد دعا مقبول ہوتی ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے فرمایا ”اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی، صحابہؓ نے عرض کی تو کیا دعا مانگا کریں؟ فرمایا ”دنیا و آخرت میں عافیت طلب کرو“ یہ بھی مروی ہے کہ ”قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ“ سن کر فرمایا کرتے تھے ”أَقَامَهَا اللَّهُ وَأَدَامَهَا“

جہاد:

جہاد کی چار قسمیں ہیں: (۱) جہاد نفس۔ (۲) جہاد شیطان۔ (۳) جہاد کفار (۴) جہاد منافقین۔ (۱)۔ جہاد نفس کے چار درجے ہیں: نفس کو ہدایت و حق کی جستجو پر مجبور کرنا جس کے بغیر نہ دین کی سعادت ممکن ہے اور نہ دنیا کی۔ پھر علم کے بعد عمل کے لئے نفس پر جبر کرنا۔ علم و عمل کے بعد تعلیم و دعوت حق میں مصروف ہونا و نہ صاحب حق اُن بد بختوں میں گنا جائے گا جو اللہ کی اُتاری ہوئی ہدایت کو چھپاتے ہیں۔ چوتھا اور آخری درجہ یہ ہے کہ دعوت کی راہ میں جو مصائب و آلام پیش آئیں انہیں صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرنے کے لئے نفس کو آمادہ کرنا۔ جس خوش نصیب نے جہاد نفس کے یہ چاروں مرحلے کامیابی سے طے کر لئے ”ربانی“ ہو گیا!

(۲) جہاد شیطان کے دو درجے ہیں: شیطان ایمان کے اندر شکوک و شبہات پیدا کیا کرتا ہے اس معرکہ میں اس سے دست و گریبان ہونا یہ پہلا درجہ ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ شیطان کی طرف سے جن فاسد ارادوں اور شہوتوں کی تلقین ہوئی ہے اُن کے رد کرنے میں جدوجہد کرنا۔ پہلے درجہ میں کامیابی ”یقین“ پیدا کرتی ہے اور دوسرے درجہ میں کامرانی اپنے ساتھ ”صبر“ لاتی ہے: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أُمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا أَبَايَاتِنَا يُوقِنُونَ“ اس سے واضح ہو گیا کہ دین کی امامت و قیادت صرف ”صبر“ اور ”یقین“ کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے، صبر شہوات و ارادات فاسدہ کو رفع کرتا ہے اور یقین شکوک و شبہات سے قلب کو پاک کرتا ہے۔

(۳) جہاد (۴) منافقین و کفار کے بھی چادر ہے ہیں: قلب سے زبان سے مال سے جان سے۔ حدیث میں ہے: ”جو کوئی جہاد کے بغیر یا کم از کم اس کی تمنا کئے بغیر مر جائے اُس کی موت نفاق کے ایک حصہ پر ہوئی“ جہاد ہجرت سے مکمل ہوتا ہے اور ہجرت و جہاد دونوں ایمان کے ساتھ صحیح ہوتے ہیں۔

جہاد کی ان تمام قسموں کی توفیق صرف انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو رحمت الہی کے امیدوار اور قرب خداوندی کے لئے بے قرار ہوتے ہیں: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَهَدُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ جہاد نفس اور جہاد شیطان فرض عین ہے کوئی فرد بشر بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ جہاد کفار و منافقین کبھی فرض عین ہوتا ہے اور کبھی فرض کفایہ اگر ضرورت کے مطابق لوگ اس میں مشغول ہوں تو باقی پر فرض نہیں ہوتا، لیکن اگر یہ صورت نہ ہو تو سب پر فرض عین ہو جاتا ہے۔

خدا کے نزدیک کامل ترین انسان وہ ہے جو جہاد کی ان تمام قسموں اور مرتبوں میں کامل اترے پھر کمال کے بھی درجے ہیں، بعض معمولی ہیں، بعض بلند ہیں، بعض بلند تر ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کو چونکہ جہاد کی ان سب قسموں میں بلند ترین درجہ حاصل تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کی نظر میں آپ تمام انسانوں سے افضل و اشرف تھے۔ آپ بعثت کے وقت سے وفات کے دن تک اللہ کی راہ میں پورا پورا جہاد کرتے رہے چنانچہ جوں ہی آیت ”يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝“ (مدثر - 1-2) نازل ہوئی اور تبلیغ رسالت کا فرمان خداوندی پہنچا، فی الفور اٹھ کھڑے ہوئے اور دعوت حق دینے لگے جو شروع شروع خفیہ تھی لیکن جب آیت ”فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ“ (14-94) نازل ہوئی تو علانیہ دعوت دینے اور دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں اعلان حق کرنے لگے۔ کفار نے جب دیکھا کہ اُن کے آبائی دین کی برملا مذمت ہوتی ہے تو غیظ و غضب سے بھر گئے اور رسول اللہ اور پیروان اسلام کو سخت سے سخت تکلیفیں دینے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضور کو تسکین دی کہ گھبرانے

اور مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے جھٹلائے گئے اور گونا گون مصائب میں مبتلا کئے گئے: ”مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۚ“ (فصلت: 43) اور فرمایا ”كَذَلِكَ مَا آتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مُجْنُونٌ ۝ اتَّوَصَوْهُ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ۝“ (الذاریات: 52، 53) ۲۔ ”نیز مسلمانوں کی دلداری کے لئے فرمایا: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ط مَسْتَهْمُ الْبُتْءَاءِ وَالصَّرَآءِ وَزُلْزَلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرَ اللَّهُ ط اَلَا اِنَّ نَصَرَ اللَّهُ قَرِيبٌ ۝ (البقرہ: 214) ۳۔ اور فرمایا ”الَمْ أَحْسِبِ النَّاسَ اَنْ يَتَرَ كُفُوًا اَنْ يَقُولُوا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۝“ (العنکبوت: 1، 2، 3) ۴۔

رسول خدا اور مسلمان راہ حق میں برابر مصائب جھیلے اور وعدہ الہی کا انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ اس کے پورا ہونے کا وقت آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی فتح و کامرانی کے لئے پہلے سے ایسا بندوبست کر رکھا تھا جو کسی کے وہم میں بھی نہ تھا۔ مدینہ میں یہودیوں کے ساتھ عرب کے دو مشہور قبیلے اوس اور خزرج رہتے تھے۔ باہم نفرت و عداوت تھی۔ یہودی کہا کرتے تھے۔

”تمہیں جاؤ، عنقریب ایک نبی پیدا ہونے والا ہے، ہم اُس کی پیروی کریں گے اور اُس کے زیرِ علم تمہیں عاد و ثمود کی طرح بے دردی سے ہلاک کریں گے!“ اوس و خزرج باقی قبال

۱۔ تمہیں بھی وہی کہا جا رہا ہے جو تم سے پہلے رسولوں کو کہا جا چکا ہے۔

۲۔ اسی طرح جب ان سے پہلوں کے پاس رسول پہنچا انہوں نے اُسے یا تو ساحر بتایا یا مجنون اس نے۔

۳۔ کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اب تک انگوں کی سی حالت تمہاری نہیں ہوئی کہ جنہیں مصائب و آلام پہنچے اور بالکل ہلا ڈالے گئے یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھی مومنین چیخ اُٹھے کہ اللہ کی نصرت کب آئے گی؟ ہاں اللہ کی نصرت قریب ہے۔

۴۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بغیر امتحان کے صرف ادعائے ایمان پر چھوڑ دیئے جائیں گے؟ حالانکہ جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں ان کو ہم نے امتحان میں ڈالا۔ البتہ اللہ کچوں کو جھوٹوں سے معلوم کر کے رہے گا۔

عرب کی طرح سالانہ حج کے لئے مکہ آیا کرتے تھے ایک سال رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھی دعوت دی تو وہ چونکے اور آپس میں کہنے لگے ”ہونہ ہو یہی وہ نبی ہے جس سے یہودی ہمیں ڈرایا کرتے ہیں“ ایسا نہ ہوا نہیں خبر ہو جائے ایمان لے آئیں اور ہم پیچھے رہ جائیں“ اس طرح ان مدنیوں کی خدا نے اسلام کی طرف رہنمائی کی وہ مسلمان ہوئے اور عہد باندھا کہ ہمیشہ آپ کی امداد و اعانت پر کمر بستہ رہیں گے۔ چنانچہ تیرہ سال مکہ میں جہاد بالقرآن کرنے کے بعد حضورؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

مدینہ پہنچ کر مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ قائم کیا، پھر وہاں کے تینوں یہودی قبیلوں بنو قینقاع، بنو النضیر، بنو قریظہ سے امن و صلح کا تحریری معاہدہ کیا، مگر انہوں نے عہد شکنی کی، جنگ کی اور اسلام کے مقابلہ میں مشرکین عرب کا ساتھ دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ذلیل و خوار ہوئے۔ بنو قینقاع کو تو حضورؐ نے احسان کر کے چھوڑ دیا، بنو نضیر کو جلاوطن کیا اور بنو قریظہ تلوار کے گھاٹ اتر گئے۔

WWW.KITABOSUNNAT.COM

غزوات

غزوہ بدر: ۱

رسول اللہ ﷺ کو اطلاع پہنچی کہ شام سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں آ رہا ہے۔ اس قافلہ میں بے شمار مال و دولت تھی اور یہ وہی قافلہ تھا جسے مکہ سے شام جاتے ہوئے مسلمانوں نے روکنا چاہا تھا مگر اتفاقہ نیک نکلا تھا۔ اب اس کی واپسی کی خبر دی تو آپؐ نے لوگوں کو چلنے کی دعوت دی اور تین سو سے کچھ زیادہ آدمی لے کر روانہ ہو گئے جو سب کے سب پیدل تھے، سوار کوئی بھی نہ تھا صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ ساتھ تھے جن پر باری باری بیٹھتے تھے۔ جب مقام صفراء میں پہنچے تو دو جاسوس خبریں لانے کو بھیجے۔ ادھر ابوسفیان کو بھی آنحضرت کے ارادے کی خبر پہنچ چکی تھی اور اُس نے ضمضم بن العفاری کے ذریعہ اہل مکہ کو صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔ انہوں نے جوں ہی یہ سنا اپنے قافلہ کو بچانے کے لئے کمر بستہ ہو گئے، سرداروں میں سے کوئی ایک شخص بھی نہ تھا جو فوج میں آ کر شامل نہ ہو گیا ہو، صرف ایک ابولہب نہ جاسا اور اُس نے اپنی جگہ پر دوسرا شخص بھیج دیا، صرف یہی نہیں بلکہ گرد و پیش کے قبائل عرب کو بھی دعوت دی گئی، بنی عدی کے علاوہ تمام قبائل نے لبیک کہا اور سب جمع ہو کر بڑے کڑ و فر کے ساتھ چلے۔

آنحضرت ﷺ کو جب قریش کے اس ساز و سامان سے چلنے کا حال معلوم ہوا تو صحابہؓ کے سامنے صورت حال پیش کر کے مشورہ طلب کیا۔ مہاجرین نے نہایت دل خوش کن جواب دیا مگر انصار چپ رہے۔ آپؐ نے پھر پوچھا تو مہاجر بول اُٹھے مگر انصار بدستور خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ جب پھر سوال کیا تو انصار سمجھ گئے کہ ہم سے جواب چاہتے ہیں۔ چنانچہ

۱۔ غزوات بالخصوص غزوہ بدر کی بحث سیرۃ نبوی ﷺ منولفہ علامہ شبلی نعمانی میں ضرور دیکھنی چاہئے (مترجم)

سعد بن معاذؓ کھڑے ہو گئے کہ: ”رسول اللہؐ گویا آپؐ کا روئے سخن ہماری طرف ہے،“ اور واقعہ بھی یہی تھا کیونکہ انصار نے صرف مدینہ کے اندر حفاظت و حمایت کا وعدہ کیا تھا اب معاملہ مدینہ کے باہر درپیش تھا۔ سعدؓ نے کہا: ”شاید آپؐ یہ سمجھتے ہیں کہ انصار مدینہ کے باہر آپؐ کی حمایت و اطاعت ضروری نہیں سمجھتے، لیکن میں انصار کی طرف سے کہتا ہوں کہ آپؐ جہاں جی چاہے جائیں، جس سے چاہے ملیں، جس سے چاہے لڑیں، جتنا چاہیں ہمیں دیں، جتنا چاہیں ہم سے لے لیں اور جو چاہیں ہمیں حکم دیں ہر حال ہم تابع فرمان ہیں اور آپؐ کے ساتھ ہیں،“ آپؐ کی رسی سے ہماری رسی کی گرہ بندھ گئی ہے، ہم کسی حال میں بھی الگ نہیں ہو سکتے۔ بخدا اگر ہمیں سمندر میں گھس جانے کا اشارہ کر دیں گے تو بھی ہم ہچکچائیں گے نہیں، سیدھے گھستے چلے جائیں گے!“ اس موقع پر حضرت مقدادؓ نے کیا ہی خوب کہا تھا: ”یا رسول اللہؐ ہم وہ نہیں کہیں گے جو موسیٰؑ کی قوم نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ ”اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هُنَا قَاعٌ عِذُوْنَ“ (جاؤ تم اور تمہارا خدا دشمنوں سے لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں) بلکہ ہم آپؐ کے دائیں بائیں آگے پیچھے لڑیں گے اور بے پروائی سے سرفروشی کریں گے!“ رسول اللہؐ نے یہ ہمت افزا جواب سنے تو مسرت سے چہرہ مبارک روشن ہو گیا اور فرمانے لگے: ”مسلمانو، چلو، تمہارے لئے بشارت ہے، اللہ نے دو میں سے (کاروان یا لشکر قریش) ایک گروہ کے دے دینے کا مجھ سے وعدہ فرمالیا ہے، میں دشمنوں کی بُریدہ سر لاشیں دیکھ رہا ہوں!“

ادھر مسلمان آگے بڑھ رہے تھے ادھر ابو سفیانؓ ساحل کی راہ سے ہو کر خطرہ سے بچ نکلا تھا، جب اسے پوری طرح اطمینان ہو گیا تو قریش کو (جو بدر کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے) لکھا کہ لوٹ آئیں کیونکہ کاروان بالکل بچ گیا ہے۔ جب حفصہؓ میں قریش کو یہ خط مل گیا تھا اور انہوں نے لوٹنے کا ارادہ بھی کر لیا، مگر ابو جہل مانع ہوا اور کہنے لگا بخدا ہم بدر تک تو ضرور جائیں گے، وہاں اُتریں گے، آرام کریں گے، عربوں کو خوب کھانے کھلائیں گے

تاکہ ہر طرف ہماری دھاک بیٹھ جائے۔ اخنس بن شریق نے ابو جہل کی تجویز کی سخت مخالفت کی اور واپسی پر بہت زور دیا مگر کچھ شنوائی نہ ہوئی جس پر وہ ناراض ہو کر مع اپنے قبیلے کے لوٹ گیا۔ بنی ہاشم نے بھی واپسی کے لئے بہت ہاتھ پیر مارے مگر ابو جہل نے ایک نہ سنی اور کہنے لگا واللہ تم ہمارا ساتھ چھوڑ کے ہرگز نہ جانے پاؤ گے! دوسری طرف رسول اللہ ﷺ برابر پیش قدمی کرتے چلے آ رہے تھے یہاں تک کہ شام کے وقت بدر کے قریبی کنوئیں پر پہنچ گئے اور صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ کہاں اترنا بہتر ہوگا؟ خباب بن المنذرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے اس علاقہ کا حال اچھی طرح معلوم ہے اگر اندر چل کر وسط میں اترنا پسند فرمائیں تو وہاں بیٹھے پانی کی افراط ہے، ہم ابھی چل کر دشمن سے پہلے پہنچ جائیں گے پانی پر قبضہ کر لیں گے اور قرب وجوار کے کنوئیں بند کر دیں گے۔ قریش بھی پانی پر قبضہ کرنے کی غرض سے تیز تیز چلے آ رہے تھے مگر مسلمان پہلے پہنچ گئے اور اچھی جگہوں پر قبضہ کر لیا۔ منزل مقصود پر پہنچ کر آپؐ نے حضرت علیؓ اور زبیرؓ کو حالات کی جستجو کے لئے بھیجا، وہ قریش کے دو غلام گرفتار کر لائے۔ آپؐ نے اُن سے دریافت کیا قریش کہاں ہیں؟ اُنہوں نے کہا اس ٹیلے کے پیچھے۔ پوچھا کتنے ہیں؟ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ فرمایا ”اچھا، روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟“ انہوں نے کہا کسی دن دس اور کسی دن نو۔ اس پر فرمانے لگے ”ان کی تعداد نو سو اور ہزار کے درمیان ہے“

اس رات مسلمانوں کے کوچ میں ایک بڑی سہولت اس تائیدِ نبی سے ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کے دروازے کھول دیئے تھے۔ مگر دونوں سمتوں میں بارش کی حالت بالکل مختلف تھی؛ مسلمانوں کی طرف زور کم تھا، چھینٹے پڑ کے رہ گئے۔ جس سے موسم خوشگوار ہو گیا، مجاہدین سے غبارِ سفر دور ہو گیا، دلوں اور جسموں میں تازگی آ گئی، ریت بیٹھ کر زمین اس قابل ہو گئی کہ تیزی سے سفر ہو سکے۔ لیکن کفار کی طرف بارش موسلا دھار تھی جس سے اُن کے کوچ میں سخت دقت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ مسلمان اُن سے پہلے ہی پہنچ گئے، جلد جلد حوض بنا کر پانی محفوظ

کر لیا اور باقی کنوئیں بند کر دیئے۔ اس موقع پر رسول خدا کے ٹھہرنے کے لئے سامنے کی پہاڑی پر چھپر کا سائبان بنایا گیا تھا جس میں جانے سے پہلے آپ نے میدان میں چکر لگایا اور ہاتھ کے اشاروں سے بتاتے گئے کہ اس جگہ انشاء اللہ فلاں سردار قتل ہوگا اور اس جگہ فلاں۔ بعد میں دیکھا گیا تو ہر شخص بتائی جگہ پر خاک و خون میں آلودہ پڑا تھا!

جب مشرکین کے دستے بھی سامنے آ گئے تو اللہ کے رسول نے بارگاہ خداوندی میں دعا شروع کی: **اللَّهُمَّ هَذِهِ قُرَيْشٌ جَاءَتْ بِخَيْلِهَا وَفَخِرَ هَا، جَاءَتْ تَحَارِبُكَ وَتُكَذِّبُ رَسُولَكَ!** ۱۔ پھر جوش میں دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھادیئے اور اپنے رب کو پکارا: **اللَّهُمَّ انْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَ نَبِيَّ اللَّهِ إِنِّي أُنْشِدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ!** ۲۔ اتنا کہا تھا کہ پیچھے سے حضرت صدیقؓ چمٹ گئے اور عرض کرنے لگے: **يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَبَشِّرْ فَوَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيَنْجِزَنَّ اللَّهُ لَكَ مَا وَعَدَكَ** ۳۔ تمام مسلمانوں نے بھی تھزع و زاری شروع کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کو حکم ہوا: **(إِنِّي مَعَكُمْ فَتَبَتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ط سَأَلْتَنِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالرُّعْبَ)** (انفال: 12)

(إِنِّي مُمِدُّكُمْ بِالْفِ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدَفِينَ) (انفال: 9)

رسول خدا ﷺ وہاں پہاڑی پر رات بھر ایک درخت کے تنہ کے سامنے نماز میں مصروف رہے۔ یہ جمعہ کی رات اور ۱۷۔ رمضان ۲ھ کی تاریخ تھی۔ صبح ہوئی تو فریقین صف آراء ہوئے، آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کی صفوں کو بذات خود قائم کیا اور جنگ شروع ہو گئی۔ اُس وقت آپ ﷺ حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ پہاڑی پر سائبان میں تھے اور سعد بن معاذؓ ایک انصاری دستہ کے ساتھ دروازہ پر کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ جوں جوں آتش جنگ تیز ہوتی، دعا میں آپ کی زاری بھی بڑھتی جاتی یہاں تک کہ عالم

۱۔ خداوند ایہ قریش اپنے ساز و سامان اور فخر و نفوذ کے ساتھ آ گئے ہیں یہ آئے ہیں کہ تجھ سے جنگ کریں اور تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کر دیں۔ ۲۔ خدایا! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے پورا کر خدا یا میں تجھے تیرے وعدہ و عہد کا واسطہ دیتا ہوں۔ ۳۔ یا رسول اللہ ﷺ بشارت یہ قسم ہے اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اللہ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا۔

بے خبری میں شانوں پر سے رداء مبارک بھی گر پڑی۔ حضرت صدیقؓ نے بڑھ کر اٹھائی اور کہا ”یا رسول اللہ ﷺ آپؐ کی مناجات رب العزت تک پہنچ گئی، وہ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا“ عین اُس وقت کچھ غنودگی طاری ہو گئی اور حالت جنگ میں مسلمانوں کو بھی نیند نے آگھیرا۔ ایک لمحہ کے بعد آپؐ ہوشیار ہو گئے اور جوش سے فرمایا: ”ابو بکر، بشارت ہو، یہ لو جبرائیلؑ آ گئے، غبار سفر اب تک اُن پر موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنا لشکر لا اُتارا، اپنے پیغمبر اور مومنین صادقین کی نصرت فرمائی، اور کفار کو ان کے قبضہ میں کر دیا کہ قید کریں اور قتل کریں!“ کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ جنگ کے نتیجے نے پیشین گوئی لفظ بلفظ پوری کر دی۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی کفار کو شکست ہوئی، صرف ۱۴ مسلمان شہید ہوئے لیکن کفار کے ستر آدمی مقتول اور ستر قید ہوئے۔

جب جنگ ختم ہوئی اور مشرکین پیٹھ پھیر کے بھاگ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کوئی دیکھو، ابو جہل نے کیا کیا؟ عبد اللہ بن مسعودؓ نے جا کر تلاش کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ بے حس پڑا ہے، عفر ا کے لڑکوں (معاذؓ و معوذؓ) نے ایسا وار کیا تھا کہ دشمن خدا پھر اُٹھ نہ سکا۔ عبد اللہؓ کو اس کے ہاتھوں بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں، دیکھتے ہی آگے بڑھے اور داڑھی پکڑ کے بولے تو ہی ابو جہل ہے! اس نے آنکھیں کھول دیں اور بے چینی سے پوچھنے لگا فتح کس کی ہوئی انہوں نے جواب دیا اللہ کی اور اُس کے رسولؐ کی، اے دشمن خدا، کیا تجھے خدا نے رسوا نہیں کیا؟ اُس نے نخوت سے کہا ”یہ فخر اُس پر جسے اُس کی قوم نے قتل کر ڈالا ہے!“ عبد اللہؓ نے سرتن سے اُتار لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لا کر ڈال دیا۔ دیکھتے ہی تین مرتبہ فرمایا ”اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ“ پھر کہا ”اللَّهُ أَكْبَرُ، الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَ وَعْدُهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ“ چلو مجھے دکھاؤ کہاں پڑا ہے؟ لاش دیکھ کر بولے ”یہ اس امت کا فرعون تھا!“

جنگ کے بعد رسول اللہ ﷺ اور مسلمان، قیدی اور مال غنیمت لے کر مظفر و منصور روانہ

ہوئے۔ صفرا میں پہنچ کر مال غنیمت تقسیم کر دیا اور بڑی شان و شوکت سے مدینہ میں داخل ہوئے۔ ہر طرف دشمنان اسلام مرعوب ہو گئے، مدینہ کے بہت سے کفار اسلام میں داخل ہوئے جن میں ایک مشہور و معروف منافق عبد اللہ بن ابی بھی تھا جو ظاہر میں مسلمان ہو گیا مگر دل میں ہمیشہ کفر و کفار ہی کے ساتھ رہا۔

غزوہ اُحد:

جب سرداران قریش ایک ایک کر کے بدر میں موت کے گھاٹ اتر گئے اور سرداری ابوسفیان بن حرب کے حصہ میں آئی تو اُس نے عربوں کو رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے خلاف اُکسانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ماہ شوال ۳ھ میں تین ہزار جنگجو جمع کر لئے، عورتیں بھی ہمراہ لیں کہ اُن کے خیال سے کوئی بھاگ نہ سکے اور بڑے ساز و سامان سے مدینہ کا رخ کیا۔

رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی تو صحابہؓ سے مشورہ کیا، خود آپؐ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر ہی قلعہ بند ہو بیٹھیں، اگر دشمن مورچے توڑ کے اندر گھس آئے تو ایک طرف گلیوں کے موڑ اور راستوں کے سروں پر انہیں کامیابی سے قتل کیا جائے اور دوسری طرف عورتیں چھتوں پر سے نگہباری کریں۔ عبد اللہ بن ابی منافق کی بھی یہی رائے تھی۔

لیکن بعض وہ صحابہ جو بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے مصر ہوئے کہ باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ آپؐ اُٹھے اور گھر سے اپنا جنگی لباس پہن کر نکل آئے۔ ایک ہزار کی جمعیت ساتھ لی اور مدینہ میں نماز کی امامت عبد اللہ ابن ام مکتومؓ کے سپرد کر کے جمعہ کے دن چل پڑے۔ راستہ میں عبد اللہ ابن ابی نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنی چاہی اور یہ کہہ کر کہ ”میری رائے پر دوسروں کی رائے کو ترجیح دی جاتی ہے“ اپنے تین سو ہمراہیوں کو لے کر لوٹ پڑا۔ عبد اللہ بن حزامؓ دور تک سمجھاتے اور غیرت دلاتے چلے گئے، مگر اُس نے ایک نہ سنی اور مدینہ چلا گیا۔ یہ دیکھ کر بعض مسلمانوں نے مشورہ دیا کہ اپنے حلیف

یہودیوں کو مدد کے لئے بلایا جائے مگر آپ ﷺ نے اس سے قطعی انکار کر دیا۔

آپ ﷺ چلتے چلتے اُحد کی گھاٹی پر پہنچ گئے اور پہاڑ کو پشت پر کر کے اُتر پڑے۔ لوگوں کو تاکید کر دی کہ حکم ملے بغیر لڑائی شروع نہ کریں۔ ہفتہ کا دن ہوا تو جنگ کے لئے تیاری شروع کی۔ مسلمانوں کی جمعیت بہت کم تھی۔ دشمن تین ہزار تھے جن میں پیادے بھی تھے اور سواروں کے رسالے بھی، مگر ادھر کیا تھا؟ کل ۷۰۰ آدمی تھے جن میں پچاس سوار اور پچاس تیر انداز تھے، تاہم مقابلہ ضروری تھا۔ سب سے پہلی بات یہ کہ تیر اندازوں کی جماعت کو عبداللہ بن جبیرؓ کے زیر قیادت اُس درہ پر متعین کر دیا جدھر سے دشمن پشت پر حملہ کر سکتا تھا اور بڑی سختی سے حکم دیا کہ جنگ کا نتیجہ خواہ کچھ ہو اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔

آپ ﷺ نے اُس دن دوزر ہیں پینیں، جھنڈا مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ میں دیا، نوجوانوں کو سامنے بلا کر دیکھا اور بہت کم سنوں کو لوٹا دیا جن میں عبداللہ بن عمرؓ، اسامہ بن زیدؓ، زید بن ثابتؓ، اُسید بن ظہیرؓ، براء بن عازبؓ، زید بن ارقمؓ، عرابہ بن اوسؓ اور عمر و بن حزامؓ تھے۔ بعض جو ذرا بڑے تھے شرکت کے لئے بہت ضد کرنے لگے تو اجازت دے دی ان میں سمرہ بن جندبؓ اور رافعؓ بن خدیج تھے جن کی عمر کل پندرہ پندرہ سال تھی!

قریش نے بھی جنگ کے لئے صف آرائی کی، ان کے میمنہ پر خالدؓ بن الولید اور میسرہ پر عکرمہؓ بن ابو جہل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس دن اپنی تلوار ابود جنانہؓ بن سماک بن حرشہ کو دے دی جو عرب کے ایک مشہور بہادر اور جنگ کے موقعوں پر اکڑتے پھرتے تھے۔ جب طرفین کی صفیں درست ہو گئیں تو جنگ برپا ہوئی۔

دن کے اول حصہ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا بلکہ دشمنوں کو شکست دی اور بھگا کر عورتوں کے پاس پہنچا دیا۔ تیر اندازوں نے دیکھا کہ کفار نے میدان چھوڑ دیا اور مسلمان مال غنیمت لوٹ رہے ہیں، تو صبر نہ کر سکے اور حکم رسولؐ کے خلاف جگہ چھوڑ کر لوٹ میں شریک ہو گئے۔

ان کے سردار نے لاکھ روکا مگر طمع نے ایک نہ سننے دی اور درہ تقریباً خالی ہو گیا۔
 اُدھر مشرکین نے دیکھا کہ موقع اچھا ہے چنانچہ اُن کے سواروں کا دستہ درہ سے نکل کر پشت
 پر سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ اب ایک قیامت برپا ہو گئی، دوست دشمن میں تمیز اُٹھ گئی۔ ۷۰
 مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا، اکثر مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے، صرف تھوڑے
 ثابت قدم رہے۔

کفار بڑھتے بڑھتے رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے، چہرہ مبارک زخمی کیا، داہنی طرف نیچے کا
 دانت شہید کیا، سر پر خود چور کر دیا اور اتنے پتھر برسائے کہ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔
 حضرت علیؓ نے بڑھ کر ہاتھ کے سہارے سے اُٹھایا اور حضرت طلحہؓ نے سینہ
 سے لگایا۔ چہرہ پر زرہ کی دو کڑیاں اس قدر پیوست ہو گئی تھیں کہ حضرت ابو عبیدہؓ
 نے دانت سے پکڑ کر کھینچنا چاہیں تو دو دانت ٹوٹ گئے۔ خون بہت جاری تھا،
 (ابو سعید الخدریؓ کے والد) مالک بن سنانؓ نے رخسار پر منہ لگا کے خون چوسا۔
 مصعب بن عمیرؓ علمبردار آنکھوں کے سامنے شہید ہو گئے تو جھنڈا حضرت علیؓ
 کو دیا۔ مشرکین کا زور برابر بڑھتا جاتا تھا اور اپنے اُس ارادہ کے پورا کرنے پر تلے ہوئے
 تھے جسے خدا پورا کرنا نہ چاہتا تھا۔ تقریباً دس مسلمان یکے بعد دیگرے رسول اللہ ﷺ کی
 مدافعت کرتے ہوئے قربان ہو گئے مگر دشمنوں کا نزعہ کم نہ ہوا، آخر حضرت طلحہؓ نے
 شیروں کی ہیبت و سطوت سے حملہ کیا اور اُن کے غول کو پیچھے ہٹا دیا۔ اُس وقت عجب حالت
 تھی، کفار کے تیر بارش بن کر برس رہے تھے، ابو دیحانہؓ رسول اللہ پر سپر بنے ہوئے تھے
 اور اپنی پیٹھ پر تیر لے رہے تھے۔ یہ حالت تھی کہ کفار کی طرف سے نعرہ بلند ہوا ”محمد ﷺ قتل
 ہوئے!!“ یہ سننا تھا کہ مسلمانوں میں ہلچل پڑ گئی اور اکثر بھاگ نکلے۔

انس بن نصرؓ نے مسلمانوں کی ایک جماعت دیکھی جو ہاتھ پیر ڈالے مایوس بیٹھی تھی۔
 پوچھا کس سوچ میں ہو؟ بولے ”رسول اللہ تو شہید ہو گئے“ انہوں نے کہا ”پھر رسولؐ کے
 بعد تم جی کے کیا کرو گے؟ اُٹھو اور اُس راہ میں تم بھی جان دے دو جس میں اللہ کے رسولؐ

نے اپنی جان دی ہے، یہ کہہ کر آگے بڑھے تو سعد بن معاذؓ نظر آئے، اُن سے کہا ”اے سعدؓ اُحد کی طرف سے مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے!“ اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ بعد میں دیکھا گیا تو تیز تلوار اور نیزہ کے ستر زخم جسم پر تھے۔ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ بھی اُس دن سخت زخمی ہوئے تھے، اُن کے تقریباً بیس زخم لگے تھے۔

جب ذرا کفار کا ہنگامہ کم ہوا تو رسول اللہؐ مسلمانوں کی طرف تشریف لائے، تمام جسم اور چہرہ زرہ میں چھپا ہوا تھا، صرف آنکھیں چمک رہی تھیں، سب سے پہلے کعب بن مالکؓ نے پہچانا اور فرط جوش سے چلا اُٹھے: ”مسلمانو بشارت ہو، یہ رسول اللہؐ موجود ہیں!“ آپؐ نے فوراً اشارہ سے چپ رہنے کو کہا۔ بچے بچائے مسلمانوں کو لے کر اُس گھاٹی کی طرف روانہ ہوئے جس میں پڑاؤ تھا۔ اُس وقت حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، علیؓ، حارث بن الصمة الانصاریؓ وغیرہ صحابہؓ ساتھ تھے۔ جب پہاڑ میں چلے گئے تو ابی بن خلف اپنے اُس گھوڑے کو دوڑاتا آیا جسے مکہ میں یہ کہہ کر باندھ رکھا تھا کہ ”اسی پر سے محمدؐ کو قتل کر دوں گا“، لیکن جو نبی قریب پہنچا رسول اللہؐ نے حارث بن الصمةؓ کے ہاتھ سے حربہ لے کر وار کیا جس سے گردن زخمی ہو گئی اور وہ اُفتان و خیزاں بھاگا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس زخم سے جانبر نہ ہو سکے گا چنانچہ یہی ہوا اور راستہ ہی میں موت نے ہمیشہ کے لئے سلا دیا۔ رسول اللہؐ اس قدر رختہ تھے کہ ایک چٹان پر چڑھنے لگے تو چڑھ نہ سکے، آخر طلحہؓ بیٹھ گئے اور اُن پر پاؤں رکھ کر چڑھے۔ یہیں نماز کا وقت آ گیا تو بیٹھ کر باجماعت نماز ادا کی۔ اُس دن مشرک اور مسلمان دونوں طرف کی عورتوں نے جو انمردی کے خوب خوب جو ہر دکھائے۔ مشرکوں کا علمبردار قتل ہو گیا تو عمرہ بنت علقمہ نے بڑھ کر جھنڈا اپنے کا ندھے پر اٹھالیا۔ ادھر اُمّ عمارہؓ نے سخت جنگ کی، عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن قماةؓ پر تلوار سے کئی حملے کئے مگر کافر دوزر ہیں پہنہ تھا اس لئے کچھ اثر نہ ہوا اور انتہائی قساوت سے اُلٹا نہیں زخمی کر گیا۔

جنگ ختم ہو گئی تو ابو سفیان سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کے پکارا ”کیا یہاں محمد ہیں؟ کسی نے جواب نہ دیا۔ وہ پھر چلایا ”ابن ابی قحافہ (ابو بکرؓ) ہیں؟“ سب خاموش رہے۔ تیسری بار پھر چلایا ”ہیں؟“ کوئی نہ بولا۔ جب ادھر سے کوئی آواز نہ آئی تو مشرکین سے پکار کر کہنے لگا ”واللہ تم نے ان سب کو ختم کر دیا!“ اب حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا اور چلا اُٹھے ”اودشمن خدا ہم سب زندہ ہیں“ ابو سفیان نے کہا ”اعلیٰ ہبل!“ (ہبل کی جے!) آنحضرتؐ نے صحابہؓ سے کہا جواب کیوں نہیں دیتے؟ کہنے لگے کیا کہیں؟ فرمایا کہو ”اللہ اعلیٰ واجل“ (اللہ سب سے اونچا اور بڑا ہے) ابو سفیان نے کہا ”لنا العزّی ولا عزّی لکم“ (ہمارا حامی عزّی (بُت) ہے تمہارے پاس کوئی عزّی نہیں!) آنحضرتؐ نے تلقین کی ”اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم!“ (اللہ ہمارا آقا ہے اور تمہارا کوئی آقا نہیں!) ابو سفیان نے کہا: آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور جنگ برابر کی ہے“ حضرت عمرؓ نے کہا ”برابر کیسے؟ ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے جہنم میں!“ صحیحین میں ہے کہ ابو حازمؓ سے رسول اللہ کے زخموں کے متعلق دریافت کیا گیا تو کہنے لگے ”واللہ مجھے یہاں تک معلوم ہے کہ زخم کس نے دھوئے تھے، کس نے پانی ڈالا تھا اور کونسی دوا استعمال کی گئی تھی۔ حضرت فاطمہؓ زخم دھوتی تھیں اور علیؓ پانی ڈالتے تھے“ جب اس پر بھی خون نہ رکا تو حضرت زہراؓ نے چٹائی کا ٹکڑا جلا کر زخم پر رکھ دیا جس سے کہیں جا کے خون رکا“ صحیح بخاری میں ہے کہ جب دانت شہید ہوا اور سر پھٹا تو خون ہاتھ سے صاف کرتے جاتے اور فرماتے تھے: ”وہ لوگ کیسے فلاح پائیں گے جنہوں نے اپنے نبی کا سر پھوڑا اور دانت توڑا حالانکہ وہ انہیں صرف خدا کی طرف بلاتا تھا!“ یہ بات بارگاہ خداوندی میں ناپسند ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی ”لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝“ (ال عمران-128)

۱۔ تمہیں اس معاملہ میں کچھ دخل نہیں کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا سزا دے یا نہ.....

اس قیامت خیز جنگ میں جبکہ عام طور پر لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے انس ابن النضرؓ ثابت قدم رہے، کفار پر بار بار حملہ کرتے اور کہتے تھے: ”خداوند! ان لوگوں (مسلمانوں) کی طرف سے تجھ سے معذرت چاہتا ہوں اور لوگوں (کفار) کی حرکتوں سے اظہار برائت کرتا ہوں“ حضرت حذیفہؓ نے دیکھا کہ مسلمان نادانستگی اور بدحواسی میں ان کے باپ کو قتل کئے ڈالتے ہیں یہ لاکھ چلائے ”لوگو! میرے باپ ہیں، میرے باپ!“ مگر کون سنتا تھا، مسلمانوں ہی کی تلواروں نے اُن کی آنکھوں کے سامنے اُن کے باپ کو پارہ پارہ کر ڈالا مگر اُن تک نہ کی صرف یہ کہا ”يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ“ (اللہ تمہیں معاف کرے) پھر جب رسول اللہ ﷺ نے خون بہا ادا کرنے کا ارادہ کیا تو عرض کرنے لگے: ”میں خون بہا مسلمانوں پر صدقہ کرتا ہوں“ اس واقعہ نے حذیفہؓ کو رسول اللہ کی نظروں میں اور بھی زیادہ محبوب کر دیا تھا۔

زید بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ اُحد کے دن آنحضرتؐ نے مجھے سعد بن الربیع کی تلاش میں بھیجا اور کہا: ”اگر مل جائیں تو سلام کے بعد کہنا رسول اللہؐ نے مزاج پوچھا ہے“ زیدؓ کہتے ہیں میں نے ایک ایک کر کے تمام لاشیں دیکھ ڈالیں یہاں تک کہ وہ زخموں میں چور نظر آئے، لبوں پر دم تھا، نیزہ تیر اور تلوار کے کوئی ستر زخم جسم پر تھے۔ میں نے کہا رسول اللہؐ نے سلام کہا ہے اور مزاج پوچھا ہے۔ سنتے ہی آنکھیں کھول دیں اور بڑی بیتابی سے بولے ”رسول اللہ ﷺ پر سلام! زیدؓ تو رسول اللہ ﷺ سے کہو کہ سعدؓ جنت کی بوسوگھر رہا ہے اور میرے قبیلہ سے کہو کہ اگر تمہارے جیتے جی دشمن رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے تو کل خدا کے ہاں کوئی عذر کام نہ آئے گا!“ یہ کہا اور روح پرواز کر گئی۔

ایک انصاری خون میں لوٹ رہا تھا، دوسرے انصاری کا ادھر سے گزر ہوا تو یہ زخمی اسے کہنے لگا ”اے شخص کیا تو نے بھی سن لیا کہ محمدؐ قتل ہو گئے؟“ وہ مومن صادق بولا ”اگر محمدؐ قتل ہو گئے تو کیا ہوا، تبلیغ حق تو کر گئے، تجھے بھی چاہئے کہ اپنے دین پر سے فدا ہو جا“ اس پر قرآن

میں یہ آیت نازل ہوئی ”وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۚ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۚ“ جنگ اُحدا یک بڑے معرکہ کی جنگ تھی۔ مسلمانوں کی شکست بلا وجہ نہ تھی، اللہ کی بڑی بڑی حکمتیں اس میں پوشیدہ تھیں۔ مثلاً مسلمانوں کو (جن کی اب تاریخ شروع ہو رہی تھی) عملاً بتا دینا مقصود تھا کہ جنگ میں سپہ سالار کی اطاعت فوج پر فرض ہے اور نافرمانی کا نتیجہ بجز ہلاکت کے اور کچھ نہیں۔ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِإِذْنِهِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَزَّعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَغَصِبْتُمْ ۖ مِنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ ۚ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ط ۚ ۲

چنانچہ اس شکست کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں مسلمان بہت ہوشیار رہنے اور اُن تمام باتوں سے بچنے لگے جو شکست کا موجب ہوتی ہیں۔ پھر چونکہ سنت الہی ہمیشہ سے یہی ہے کہ اگر چرچ آخر میں حق و اہل حق ہی کو ہوتی ہے لیکن درمیان میں شکست و فتح طرفین کو ہوتی رہتی ہے کیونکہ اگر ہمیشہ کامیابی حق ہی کو ہوتی رہے تو پھر مومن و کافر، صادق و کاذب کے درمیان تمیز اُٹھ جائے، ہر شخص بے سوچے سمجھے اور ایمان لائے زمرہ مومنین میں داخل ہو جائے، حالانکہ حکمت الہی یہی ہے کہ اہل حق و اہل باطل میں امتیاز قائم رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو یہ بھی بتا دینا تھا کہ رسول کی عمر محدود ہے، وہ ہمیشہ رہنے کو نہیں آیا، لیکن حق اٹل ہے کبھی فنا ہونے کا نہیں، مسلمان اگر حق پرست ہیں تو ان کی نظر اشخاص کی موت و حیات پر نہیں بلکہ حق اور ادائے فرض پر ذہنی چاہیے۔ چنانچہ مسلمانوں کو سخت زجر و توبخ کی کہ میدان جنگ میں رسول کی

۱۔ محمد ایک رسول ہی تو ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مرجائیں یا قتل ہو جائیں تو تم اُلٹے پاؤں لوٹ جاؤ گے اور جو کوئی اُلٹے پاؤں لوٹ جائے گا وہ خدا کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا، اللہ عقیق شکر گزاروں کو بدلہ دے گا۔
۲۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جبکہ تم اُس کے حکم سے انہیں بھگا رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب نامردی کی تم نے اور پھوٹ ڈالی اور حسبِ مشائیتہ دیکھنے کے بعد بھی تم نے نافرمانی کی۔ تم میں بعض دنیا چاہتے ہیں اور بعض آخرت، پھر پھیر دیا تمہیں اُن سے تاکہ آزمائش کرے تمہاری اور الہیت یہ خطا تمہاری معاف کر دی۔

شہادت سن کے ایسے بدحواس کیوں ہو گئے کہ گویا حق بھی مر گیا اور وہ خدا ہی نہیں رہا جس نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ حق بھیجا تھا: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط أَفَأَنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ط وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئاً ط وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ“ (ال عمران: 144) اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے بہت سے انبیاء اور ان کے ساتھ بے شمار اہل حق قتل ہو چکے ہیں مگر اس سے مومنین صادقین نہ تو گھبرائے نہ مایوس ہوئے بلکہ اور زیادہ عزم و ہمت سے راہ مولیٰ میں سرفروشی کرنے لگے: وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ط وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحَسُنَ ثَوَابُ الْآخِرَةِ ط وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝“ (ال عمران: 146-148) قرآن میں جنگ کے متعلق ساٹھ آیتیں سورہ آل عمران کے آخر میں موجود ہیں اور ”وَإِذْ عَدُوْتُ“ سے شروع ہوتی ہیں۔

غزوۃ المریسبع

یہ غزوہ ماہ شعبان ۵ھ میں واقع ہوا، وجہ یہ ہوئی کہ بنی مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار اپنے قبیلہ اور قرب وجوار کے عربوں کا ایک جم غفیر لے کر رسول اللہ سے جنگ کرنے کے لئے نکلا۔ مدینہ خیر پختی تو آپؐ بھی مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ نکلے۔ جب مریسبع نام مقام پر پہنچے تو حارث کی فوج خود بخود منتشر ہو گئی، مگر آپؐ نے حملہ کیا اور قیدی حاصل کئے۔ جن میں خود حارث مذکور کی بیٹی جویریہ بھی تھیں جو ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئی تھیں۔

۱۔ بہت فوج گزرے کہ جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی، خدا کی راہ میں انہیں جو نقصان پہنچا اس سے نہ است ہوئے نہ کمزور ہوئے اور نہ ہمت ہار بیٹھے، خدا ثابت قدموں کو پسند کرتا ہے۔ انہوں نے اس حال میں یہی کہا، پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کر دے، ہمیں ثابت قدم کرو اور کافروں پر فتیاب کر۔ خدا نے اس پر انہیں دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ دیا۔ اللہ انہیں کو پسند کرتا ہے۔

آنحضرتؐ نے ان کی طرف سے روپیہ ادا کر کے آزاد کر لیا اور پھر عقد بھی کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے بنی مصطلق کے قیدی جو اب مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے یہ کہہ کر آزاد کر دیئے کہ: رسول اللہؐ کے سرکاری عزیز ہیں، اسی غزوہ سے ”اِفک“ کا مشہور واقعہ بھی تعلق رکھتا ہے جس کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ حضرت عائشہؓ اس سفر میں آنحضرتؐ کے ہمراہ تھیں، واپسی میں جبکہ لشکر ایک جگہ پڑاؤ ڈالے تھا وہ استنجا کے لئے میدان گئیں، لوٹیں تو دیکھا کہ گلے کا ہار جو اپنی بہن سے عاریۃ لائی تھیں گم ہے۔ فوراً تلاش میں واپس ہوئیں۔ اسی اثنا میں لشکر نے کوچ کر دیا، جو لوگ ان کا کجاوہ اونٹ پر باندھا کرتے تھے انہوں نے جلدی میں کجاوہ اٹھا کے باندھ دیا اور سمجھے وہ اندر ہیں۔ یہ اُس وقت کم سنی کی وجہ سے بہت ہلکی پھلکی تھیں اس لئے کجاوہ اٹھاتے ہوئے انہیں کچھ محسوس نہ ہوا۔ صفوان بن المعطل لشکر کے پیچھے پیچھے چلتے تھے کہ گری پڑی چیزیں اٹھا لیں، اُن کی نظر جب یہاں حضرت عائشہؓ پر پڑی تو اِنَّا لِلّٰہ کہہ کر سکتہ میں آ گئے، وہ انہیں پہچانتے تھے کیونکہ پردہ شروع ہونے سے پہلے بارہا دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے کچھ کہا سنا نہیں، ادب سے اونٹ قریب لا کے بٹھا دیا وہ سوار ہو گئیں۔ اور یہ خود مہار تھا مے پیدل روانہ ہوئے یہاں تک کہ لشکر سے آ ملے۔ لوگوں نے یہ بات دیکھی تو اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تاویلیں کرنے لگے، ابن ابی ہناقی کو معلوم ہوا تو فوراً ثبمت لگادی اور شہرت دینے لگا۔

مدینہ پہنچے تو ان افترا پردازوں نے ہر طرف شور مچانا شروع کیا۔ آنحضرت ﷺ اوّل اوّل بالکل خاموش رہے پھر صحابہؓ سے مشورہ کیا، حضرت علیؓ نے اشارۃ طلاق کی صلاح دی لیکن حضرت اُسامہؓ وغیرہ نے اس کی مخالفت کی۔ دراصل دونوں کا نقطہ نظر مختلف تھا، حضرت علیؓ اس طرف گئے کہ حالت شبہ کو بہر حال ختم کر دینا مناسب ہے تاکہ رسول اللہؐ کو لوگوں کی چمگوئیوں سے چھٹکارا ملے۔ اُسامہؓ نے معاملہ کا دوسرا رخ دیکھا۔ انہیں معلوم تھا کہ آنحضرتؐ کو حضرت عائشہؓ اور اُن کے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ

سے از حد محبت ہے اور اُن کی جدائی نہایت شاق گزرے گی۔ پھر انہیں کامل یقین تھا کہ اُم المومنین (حضرت عائشہؓ) کی عصمت و عفت ہر طرح کے شک شبہ سے بالاتر ہے، رسولؐ کا ساتھ غیر پارسا سے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے ان کی زبان سے وہی نکلا جو اور تمام اکابر صحابہؓ قصہ اقل سن کر پکار اٹھے تھے: ”سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ!“ اس واقعہ کے بعد کامل ایک ماہ تک وحی کا سلسلہ موقوف رہا، مگر جب آئی تو حضرت عائشہؓ کی برأت کے ساتھ آئی۔ آنحضرتؐ نے جب برأت کی آیات پڑھیں تو حضرت ابو بکر صدیقؓ مسرت سے اُچھل پڑے اور صاحبزادی سے کہنے لگے: ”اُٹھو رسول اللہؐ کا شکریہ ادا کرو“ اس موقع پر حضرت عائشہؓ کی خودداری و جرات قابل دید ہے وہ بولیں: ”بخدا میں ”ان کا“ ہرگز شکریہ ادا نہ کروں گی، میں صرف اپنے اللہ کا شکریہ ادا کروں گی جس نے میری برأت نازل فرمائی!“ یہ جواب اُن کی پاک باطنی بلند ہمتی اور ثابت قدمی کی بہترین مثال ہے۔ جب وحی کے ذریعہ برأت ثابت ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے تہمت لگانے والے لوگوں کے ۸۰، ۸۰ درّے لگوائے کیونکہ تہمت لگانے کا جرم ثابت ہو گیا تھا۔

غزوہ خندق:

شوال ۵ھ میں یہ جنگ واقع ہوئی۔ سبب یہ ہوا کہ یہودیوں نے جب اُحد میں مشرکین کی کامیابی اور مسلمانوں کی شکست دیکھی اور سنا کہ ابو سفیانؓ آئندہ سال پھر حملہ کرنے والا ہے، تو ان کی بھی ہمتیں بلند ہو گئیں اور ان کے سردار قریش کے پاس گئے، حملہ کے لئے اُکسایا اور اپنی امداد و اعانت کا یقین دلایا۔ یہودیوں کے وعدوں سے قریش کو اور زیادہ جرات ہوئی اور وہ اُن کی صلاح مشورہ سے جنگ کی تیاریاں کرنے اور قبائل عرب کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرنے لگے۔ تھوڑی ہی مدت میں ایک لشکر جبار فراہم ہو گیا جس میں دس ہزار جانباز مختلف قبائل عرب اور یہودیوں کے شریک تھے۔ سپہ سالاری ابو سفیانؓ کو دی گئی۔ اور اس فوج گراں نے سیلاب بلا بن کر مدینہ کی سمت حرکت شروع کی۔

آنحضرت ﷺ کو اطلاع پہنچی تو صحابہؓ سے مشورہ کیا، سلمان فارسیؓ نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کی رائے دی۔ آپؐ نے یہ رائے پسند کی اور خندق کھودنے لگی جس میں علاوہ صحابہ اکرامؓ کے خود رسول اللہ ﷺ بھی شریک تھے۔ اس سے فراغت حاصل کر کے تین ہزار مجاہدوں کی جمعیت لے کر شہر سے نکلے اور خندق پر پڑاؤ ڈال دیا۔ عین اُسی وقت معلوم ہوا کہ بنی قریظہ (یہودی) نے معاہدہ توڑ دیا اور قریش سے مل گئے ہیں۔ آپؐ نے سعدؓ بن معاذ، سعدؓ بن عبادہ اور چند دیگر صحابہؓ کو تحقیق حال کے لئے بھیجا۔ یہ گئے تو دیکھا کہ حالت بالکل بدلی ہوئی ہے، کل تک کے دوست آج جانی دشمن اور خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ یہودیوں نے صحابہؓ اور خود رسول اللہؐ کی شان میں سخت گستاخی کے کلمات کہے اور علانیہ دشمنی کا اظہار کیا۔ سعد بن معاذؓ وغیرہ سب کچھ دیکھ کے واپس آئے اور آنحضرتؐ کو اطلاع دی۔ اس کا اثر مسلمانوں پر بہت برا ہوا، بہت سے لوگ بددل ہو گئے، منافقین کا نفاق کھل گیا، اور بنی حارثہ کے بعض مسلمانوں نے یہ حیلہ کر کے واپسی کی اجازت چاہی کہ ہمارے گھر بے پناہ پڑے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ نہ تھا، محض لڑائی سے جی چرانے کی بات تھی۔ اسی دوران میں مشرکوں کا لشکر بھی آپہنچا اور چاروں طرف سے مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔

محاصرہ نے طوالت اختیار کی اور مسلمانوں کی تکلیف بڑھ گئی تو آنحضرتؐ نے ارادہ کیا کہ قبیلہ غطفان کو مدینہ کے نخلستانوں کی ٹمٹ فصل دیکر مشرکوں سے علیحدہ کر دیں، تاکہ دشمنوں کا زور ٹوٹ جائے۔ چنانچہ ابتدائی گفتگو بھی شروع کر دی تھی، لیکن جب انصار کے سردار سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے مخالفت کی وہ کہنے لگے: ”یا رسول اللہؐ، اگر آپؐ کو خدا نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے تو ہمارے سر جھکے ہوئے ہیں اور ہر حال میں راضی ہیں۔ لیکن اگر یہ ہماری تکلیف کے خیال سے ہے تو ہمیں منظور نہیں، جب ہم مشرک اور بتوں کے پجاری تھے اُس وقت بھی انہیں کبھی مدینہ کی طرف

آنکھ اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی، پھر اب جبکہ اللہ نے ہمیں مشرف بہ اسلام کیا اور آپ کے ذریعہ ہماری پشت پناہی کی ہے تو ہم کیسے ان کے سامنے جھک جائیں اور اپنی دولت ان کے حوالہ کر دیں؟ بخدا ہمارے پاس ان کے دینے کو بجز تلوار کے اور کچھ نہیں!“ آنحضرتؐ کو یہ گفتگو نہایت پسند آئی اور فرمایا: ”یہ محض تمہاری مصلحت کے خیال سے تھا، کیونکہ میں نے دیکھا تمام عرب تمہارے برخلاف جتھا باندھ کے اُمنڈ آیا ہے۔“

کامل ایک مہینہ تک محاصرہ اپنی پوری شدت سے جاری رہا، آخر اللہ تعالیٰ نے اس نازک گھڑی میں دستگیری کی اور اس کی شکست کا سامان غیب سے کر دیا۔ ہوا یہ کہ اسی قبیلہ غطفان کے ایک شخص نعیمؓ ابن مسعود کا دل خود بخود نور اسلام سے جگمگا اٹھا۔ وہ خفیہ طور پر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا ”میں اسلام لا چکا ہوں، حکم دیجئے، تعمیل کے لئے حاضر ہوں“ آپؐ نے فرمایا ”تم ایک فرد واحد ہوا اور تنہا کیا کر سکتے ہو؟ ہاں اگر ممکن ہو دشمنوں میں پھوٹ ڈال دو کیونکہ جنگ حیلہ و تدبیر کا نام ہے،“ نعیمؓ فوراً واپس ہوئے ان کے اسلام کی کسی کو بھی خبر نہ تھی، پہلے بنی قریظہ کے پاس گئے اُن کے ساتھ قدیم سے دوستانہ تعلقات چلے آ رہے تھے، کہنے لگے ”دیکھو اب تم محمدؐ سے لڑائی مول لے چکے ہو، قریش کا کیا ہے، موقعہ پائیں گے فائدہ اٹھائیں گے، ورنہ تمہیں محمدؐ کے رحم اور انتقام کے حوالہ کر کے اپنے ملک چل دیں گے“ وہ کہنے لگے ”پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟“ بولے ”اُس وقت تک قریش کی طرف سے لڑائی نہ کرو جب تک بطور ضمانت کے اپنے کچھ آدمی تمہارے پاس نہ بھیج دیں“ فریب خوردہ یہودی کہنے لگے ”واقعی اچھی صلاح ہے!“ ادھر یہ کیا، ادھر قریش کے پاس پہنچے اور کہنے لگے ”تم میرے خلوص اور دوستی پر اعتماد رکھتے ہو؟“ وہ کہنے لگے ”ہاں بلا شک،“ نعیمؓ نے کہا ”تو سنو، مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہودی محمدؐ سے عہد شکنی کر کے اب پچھتا رہے ہیں، اُنہوں نے پیام و سلام شروع کر دیا ہے اور باہم یہ بات قرار پا گئی ہے کہ یہودی تمہارے چند سردار ضمانت کے بہانہ مانگ کر محمدؐ کے حوالہ کر دیں اور پھر ان کے

شریک ہو کر تم سے جنگ کریں، لہذا میری دوستانہ صلاح ہے کہ اگر ضمانت طلب کریں تو ہر گز نہ دینا، اس کے بعد اپنے قبیلہ میں پہنچے اور یحیٰیؑ بھی گفتگو وہاں بھی کی۔

اب دشمنان اسلام کے دلوں میں پھوٹ پڑ چکی تھی اور ہر ایک دوسرے کو آزمانا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک دن قریش نے یہودیوں سے کہلا بھیجا ”ہم یہاں پر دس میں پڑے ہیں اور بہت کچھ مال و متاع ضائع کر چکے ہیں، لہذا تیار ہو جاؤ سب مل کے محمدؐ پر حملہ کر دیں“ یہودیوں نے سنا تو نفعیمؑ کی بات، یاد آگئی، کہلا بھیجا ”آج ہفتہ کا دن ہے اور تم جانتے ہو کہ ہم ہفتہ میں کچھ نہیں کرتے، علاوہ ازیں جب تک ہمیں ضمانت نہ دو گے ہم تمہاری طرف سے نہیں لڑیں گے“، قریش نے یہ جواب سنا تو باہم کہنے لگے، ”بخدا نفعیمؑ نے ٹھیک کہا تھا“ اور یہودیوں سے کہلا بھیجا ”واللہ ہم تمہارے پاس اپنا ایک آدمی بھی نہ بھیجیں گے یہاں تک کہ ہمارے ساتھ مل کر محمدؐ سے لڑو“ اس جواب سے قریشہ کو نفعیمؑ کے قول کی اور زیادہ تصدیق ہو گئی اور اس طرح دشمنوں کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔

دوسری طرف یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آندھی کا ایک ہولناک طوفان بھیج دیا جس نے کفار کو سخت بدحواس کر دیا اور وہ بڑی ابتری کے ساتھ فرار ہو گئے۔ اس طرح بلا کسی بڑے کشت خون کے دشمنان اسلام رسوا و خوار ہو کر شکست یاب ہوئے اور مسلمانوں کا دبدبہ ہر طرف قائم ہو گیا۔

کفار کی ناکام واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ بھی شہر میں واپس آئے اور ہتھیار رکھولنے لگے، عین اسی وقت حکم خداوندی پہنچا کہ بنی قریظہ کو ان کی عہد شکنی کی سزا دو۔ چنانچہ فوراً منادی کرادی کہ ہر فرمانبردار مسلمان نماز عصر سے پہلے بنی قریظہ کی سرزمین میں پہنچ جائے، اور خود بھی فوراً روانہ ہو گئے۔ یہودیوں نے بھی مقابلہ کیا، لیکن بالآخر مقہور و مغلوب ہوئے، جن کی قسمت میں قتل ہونا تھا، قتل ہوئے، باقی قیدی ذلت میں پڑے، حتیٰ کہ کوئی نام لینے والا نہ رہا۔ سورۃ احزاب میں ان دونوں لڑائیوں کا حال مذکور ہے۔

غزوہ حدیبیہ :

یہ غزوہ ذی القعدہ ۶ھ میں واقع ہوا، تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چودہ سو مسلمانوں کو ہمراہ لے کر عمرہ کی غرض سے مکہ روانہ ہوئے۔ ایک جاسوس پہلے سے بھیج دیا تھا کہ قریش کی نقل و حرکت سے آگاہ کرتا رہے۔ مقام غسلفان میں پہنچے تو مخبر نے خبر دی کہ قریش نے اپنی تیاریاں مکمل کر لی ہیں، آپؐ سے لڑیں گے اور کعبہ کے قریب نہ جانے دیں گے۔ آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت صدیقؓ کی رائے یہ تھی کہ اپنی طرف سے کوئی چھیڑ نہ کی جائے لیکن اگر کوئی راستہ روکے تو پھر جنگ کی جائے۔ آنحضرتؐ نے بھی یہ رائے پسند کی اور آگے بڑھے۔ راستہ میں معلوم ہوا کہ قریش نے خالدؓ بن الولید کو دیکھ بھال کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، لیکن مسلمان راستہ سے کٹ کے پرے پرے نکلے چلے گئے یہاں تک کہ جب مقام غمیم میں پہنچے تو خالدؓ نے اچانک گھوڑوں کی گرد دیکھی، جھٹ گھوڑا دوڑا کہ مکہ پہنچے اور قریش کو خبر دی جس سے انہیں سخت تشویش ہوئی۔ لیکن قبل اس کے کہ ادھر سے کوئی کارروائی عمل میں آتی آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کو حدیبیہ سے یہ پیغام دے کر مکہ بھیجا کہ: ”ہم جنگ کے ارادے سے نہیں آئے، صرف عمرہ مقصود ہے، لہذا ہمیں نہ روکو“ قریش نے یہ پیغام بے پروائی سے سنا اور حضرت عثمانؓ سے کہنے لگے: ”جو کچھ تم نے کہا ہم نے سن لیا، بس اب رہنے دو“ ادھر بعض مسلمانوں کو بڑا قلق تھا کہ حضرت عثمانؓ تو مکہ میں داخل ہو گئے اور انہوں نے ضرور طواف کیا ہوگا، لیکن آنحضرتؐ نے سنا تو یہی فرمایا ”میرے خیال میں تو عثمانؓ نے ہرگز طواف نہ کیا ہوگا، ہم محصور ہیں وہ بھلا طواف کریں گے؟“ اور واقعہ بھی یہی تھا، حضرت عثمانؓ نے آکر خود ہی بیان کیا کہ قریش نے بہت اصرار کیا کہ طواف کر لو مگر میں نے منظور نہ کیا۔

صلح کی بات چیت شروع ہوئی تو بڑھتے بڑھتے جھگڑے کی صورت پیدا ہو گئی، فریقین نے ایک دوسرے پر پتھر اور تیر بر سائے۔ اسی دوران میں آنحضرتؐ کو خبر ملی کہ

حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے اس سے مسلمانوں میں سخت غم و غصہ پیدا ہو گیا اور سب نے درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ لڑیں گے اور کسی حال میں بھی نہ بھاگیں گے۔

لیکن حضرت عثمانؓ جلد ہی مکہ سے صحیح سالم واپس آ گئے جس سے جوش ٹھنڈا ہوا اور صلح کی گفتگو از سر نو شروع ہوئی۔ شرطیں طے ہو چکیں تو آپؐ نے کاتب کو بلا کر فرمایا: لکھو 'بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ' سہل بن عمرو و قریش کا نمائندہ تھا 'رحمن' کے لفظ پر فوراً معترض ہوا: ہم نہیں جانتے رحمن کون ہے؟ لہذا 'بِاسْمِکَ اللّٰهُمَّ' لکھا جائے جو ہمارا دستور ہے، اس پر مسلمان بگڑ گئے اور ضد کرنے لگے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہی لکھا جائے گا۔ مگر آپؐ کے پیش نظر تو صلح تھی، فرمانے لگے کچھ مضائقہ نہیں بِاسْمِکَ اللّٰهُمَّ ہی لکھ دو۔ پھر آگے کی عبارت بتائی: 'هٰذَا مَا قَضٰی عَلَیْہِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ' اس پر محمد رسول اللہ نے سمجھوتہ کیا ہے (سہل نے فوراً اعتراض کیا: 'اگر ہم یہی مانتے کہ آپؐ رسول اللہ ہیں تو پھر جھگڑا ہی کیوں کرتے؟' لہذا محمد بن عبد اللہ لکھئے) اس پر مسلمان اور بھی زیادہ برہم ہوئے مگر آپؐ نے فرمایا 'گو تم جھٹلاؤ مگر میں رسول اللہ ہی ہوں' اچھا محمد بن عبد اللہ لکھ دو، پھر لکھانا چاہا 'باہم یہ طے ہوا قریش ہمارا راستہ چھوڑ دیں تاکہ ہم خانہ کعبہ کا طواف کر سکیں' سہل نے اس پر بھی اعتراض کیا: 'بجدا ایسا نہیں ہو سکتا' سارا عرب کہے گا ہم دباؤ سے ڈر گئے البتہ آئندہ سال تم آ سکتے ہو۔ پھر حسب ذیل شرطوں پر عہد نامہ لکھا گیا:

- (۱) دس سال تک جنگ و جدل موقوف رہے اور کوئی کسی کو نہ ستائے۔
- (۲) اس سال واپس جائیں، آئندہ سال آ سکتے ہیں مگر اس طرح کہ نیزے اور تیر نہ لائیں، صرف تلواروں کی اجازت ہے اور وہ بھی نیاموں کے اندر بند ہوں۔
- (۳) مکہ میں صرف تین دن قیام رہے گا، اس کے بعد ہی فوراً واپسی ہوگی۔

(۴) اس دس سال کی مدت میں جو مسلمان قریش کے پاس آجائے گا اُسے واپس نہ کریں گے، لیکن قریش کا جو آدمی مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا وہ اُسے واپس کر دیں گے۔ اس آخری شرط نے مسلمانوں کو نہایت برہم کر دیا اور آنحضرتؐ سے کہنے لگے: ”رسول اللہ کیا یہ شرط بھی ہم منظور کر لیں گے؟“ آپؐ نے جواب دیا ”ہمارا جو آدمی اُن کے پاس چلا جائے گا خدا کی اُس پر پھنکار ہوگی اور اُن کا جو آدمی ہمارے پاس آجائے گا اور ہم حوالہ کر دیں گے خدا اُس کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ نکال دے گا“

معابد مکمل ہو گیا تو آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اٹھو قربانی کرو اور سرمنڈواؤ۔ آپؐ نے بار بار یہ حکم دیا، مگر مسلمان اس قدر برہم تھے کہ بجز ایک دو کے کسی نے بھی تعمیل نہ کی۔ آپؐ کو اس سے نہایت صدمہ ہوا اور افسردگی کے ساتھ اندر چلے گئے۔ اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ نے یہ حالت دیکھی تو وجہ دریافت کی، آپؐ نے بیان کیا کہ مسلمانوں نے میرے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ وہ عرض کرنے لگیں ”اگر آپؐ چاہتے ہیں کہ لوگ تعمیل کریں تو کسی سے کچھ نہ کہئے، خاموشی سے اٹھئے، قربانی کیجیے اور حجام کو بلا کر سرمنڈا دیجئے، سب فوراً پیروی کریں گے“ آپؐ نے اس دانشمندانہ مشورہ پر عمل کیا، لوگوں نے دیکھا تو مستعدی سے قربانیاں کرنے اور ایک دوسرے کا سر منڈانے لگے۔

یہیں مومن عورتیں حاضر ہوئیں اور قرآن میں ان کے متعلق نازل ہوا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مِنْهُنَّ جَرَاتٍ فَأَمْتَحِنُوهُنَّ ط اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ج فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ط لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ** الخ (10:28)۔ اسی موقع پر قبیلہ خزاعہ آنحضرتؐ کی حمایت میں داخل ہوا اور قبیلہ بکر قریش کی حمایت میں۔ صلح حدیبیہ کا ذکر سورہ فتح میں موجود ہے۔

۱۔ اے ایمان والو جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں ان کا امتحان کرو۔ اللہ کو ان کے ایمان کا حال خوب معلوم ہے۔ اگر تم انہیں ایماندار سمجھو تو پھر انہیں کافروں کی طرف مت لوٹاؤ۔ نہ ایماندار عورتیں کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ کافران کے لئے حلال ہیں۔

غزوہ خیبر:

حدیبیہ سے واپسی کے دس دن بعد جنگ خیبر واقع ہوئی جس میں کامل فتح اور مال غنیمت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ ہی میں کر لیا تھا۔ سورہ فتح میں ہے: **وَعَدَ كُمْ اللَّهُ مَعًا نِمْ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ**“

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ لڑتے لڑتے بالآخر یہودی پست ہو گئے اور اس بات پر صلح کرنا پڑی کہ جلاوطن ہو جائیں اور ہتھیاروں کے علاوہ جتنا مال و متاع اپنی بار برداریوں پر لے جاسکتے ہیں لے جائیں۔ لیکن جب جلا وطنی کا وقت آیا تو عرض کرنے لگے: ”آپؐ ہمیں رہنے دیں، ہم اس زمین سے خوب واقف ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ اس کی اصلاح و درستی اور حفاظت کرتے رہیں گے“ خود آنحضرتؐ اور صحابہؓ کے پاس اُس وقت کھیتی باڑی کے لئے آدمی نہ تھے آپؐ نے یہودیوں کی درخواست منظور کر لی اور جلا وطنی عارضی طور پر ملتوی کر کے آدھی بنائی پر انہیں زمینیں دے دیں۔ معاہدہ میں کوئی معیار مقرر نہ تھی بلکہ آنحضرتؐ کی خوشی پر موقوف تھا جب تک چاہیں رکھیں۔

اسی غزوہ میں صفیہؓ بنت حبیبی بن اخطب قید ہو کر آئیں اور اسلام لے آئیں آپؐ نے انہیں اپنے لئے منتخب کر لیا اور آزاد کر کے زوجیت میں لے آئے نقد مہر ادا نہیں کیا بلکہ آزادی کو مہر قرار دے دیا۔

اسی جنگ میں ایک یہودی عورت زینب بنت الحارث (زوجہ سلام بن مشکم) نے زہر ملا کر بھنی ہوئی بکری تحفہ پیش کی جسے آپؐ نے اور بعض صحابہؓ نے تناول کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ کھانے والوں میں جب بشر بن البراء کا انتقال ہو گیا تو آپؐ نے عورت کے قتل کا حکم دے دیا۔ خود آپؐ اگرچہ تین سال اور زندہ رہے لیکن وفات زہری کے اثر سے ہوئی جیسا کہ مرض الموت میں فرمایا: ”خیبر میں جو لقمہ کھایا تھا اُس سے ہمیشہ تکلیف ہوتی رہی، لیکن آج دماغ کی رگ ٹوٹ رہی ہے“

خیبر سے فراغت حاصل کر کے وادی قرئی کی طرف متوجہ ہوئے جہاں یہودیوں کا ایک قبیلہ رہتا تھا، اس مقام کو بھی بزور شمشیر فتح کر لیا اور باشندوں کے ساتھ اہل خیبر کا سا سلوک کیا۔ یہی حشر اہل ذک کا بھی ہوا۔ تیماء کے یہودیوں کو یہ حالات معلوم ہوئے تو حائف ہو گئے اور صلح کی درخواست بھیجی جو منظور ہوئی اور اہل خیبر کی شرطوں پر ان سے بھی معاملہ کر لیا۔ یہ تمام یہودی قبیلے حضرت عمرؓ کے زمانہ تک رہے، جنہوں نے خیبر اور ذک کے یہودیوں کو تو جلا وطن کر دیا مگر تیماء اور وادی قرئی والوں کو رہنے دیا کیونکہ یہ دونوں علاقے حدود شام میں داخل تھے اور خیبر و ذک سر زمین مقدس جاز میں کہ جس کا غیر مسلموں سے پاک کرنا ضروری تھا۔

غزوہ فتح:

۱۰ رمضان ۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ قصہ یوں ہے کہ قریش کے حلیف بنی بکر نے مسلمان کے حلیف قبیلہ خزاعہ پر بلا سب حملہ کر دیا۔ قریش نے اپنے اتحادیوں کی ہتھیاروں سے مدد کی اور خود بھی چھپ کر رات کو ان کی طرف سے لڑے اور اس طرح حدیبیہ کا معاہدہ صلح توڑ دیا۔ بنی خزاعہ کا ایک شیخ بدیل بن ورقاء فریاد لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے فوراً تیاری شروع کر دی اور جلد سے جلد اس طرح روانہ ہو گئے کہ قریش کو خبر تک نہ ہو اور اچانک گھر جائیں۔

اس موقع پر ایک بدری صحابی حاطبؓ بن ابی بلتعہ سے سخت لغزش ہوئی۔ جب سب لوگ تیاریوں میں مصروف تھے تو انہوں نے یہ کیا کہ ایک عورت کے ہاتھ قریش کو خط بھیجا جس میں من وعن سب باتیں بیان کر دیں اور صاف لکھ دیا کہ آنحضرتؐ تم پر یلغار کئے آرہے ہیں۔ مگر مشیت ایزدی یہی تھی کہ قریشی بے خبری ہی میں اپنے کئے کی سزا بھگتیں، چنانچہ یہ عورت مسلمان مخبروں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئی اور حاطب کا راز فاش ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے انہیں بلا کر سب دریافت کیا، یہ مومن صادق تھے، سچائی سے کہنے

لگے: ”یا رسول اللہ! میرے معاملہ میں جلدی نہ کیجیے، خدا گواہ ہے کہ میں اُس پر اور اُس کے رسول پر صدق دل سے ایمان لایا ہوں، نہ مرتد ہوا ہوں نہ کفر کو اسلام پر ترجیح دی ہے۔ اصل یہ ہے کہ میں خود تو قریشی ہوں نہیں، یوں ہی قبیلہ قریش کے ساتھ رہنے لگا ہوں، میرے اہل و عیال سب کے سب ان کے رحم پر ہیں، قریش میں میری کوئی ایسی رشتہ داری بھی نہیں جو اُن کی حفاظت کی ضامن ہو، برخلاف آپ کے اور اصحاب کے جن کے قرابت دار وہاں موجود ہیں اور اُن کے اہل و عیال کی حفاظت و حمایت کرتے ہیں، یہی سوچ کر میں نے چاہا کہ اگر رشتہ داری نہیں تو کم سے کم قریش پر ایک ایسا احسان کر دوں جس کے صلہ میں وہ میرے خاندان کا کچھ خیال کریں۔“ آنحضرت ﷺ نے یہ جواب قبول کر لیا اور حاطب کی خطا معاف کر دی۔

جب تیاریاں ہر طرح مکمل ہو گئیں تو رسول اللہ ﷺ دس ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں حضرت عباسؓ جو مع اہل و عیال ہجرت کئے چلے آ رہے تھے ملے اور لشکر میں شامل ہو گئے۔ جب فوج اسلام مُہَرّ الظہران نامی مقام پر پہنچی تو آپؐ نے رات کو آگ جلانے کا حکم دیا اور بیک وقت دس ہزار آدمیوں نے آگ جلادی جس سے قرب و جوار کے تمام علاقے روشن ہو گئے۔ قریش کو اب تک کچھ خبر نہ تھی، انہیں ڈر تو تھا مگر یہ وہم بھی نہ گزرا تھا کہ مسلمان اس تیزی سے سر پر پہنچ جائیں گے۔ حضرت عباسؓ کو تشویش تھی اور چاہتے تھے کہ قریش کو اطلاع کرادیں تاکہ امان حاصل کر لیں اور مکہ خونریزی سے بچ جائے چنانچہ اسی ارادہ سے رسول اللہؐ کے خاص خنجر پر سوار ہو کر نکلے اور ادھر ادھر کسی مکہ جانے والے کی تلاش کرنے لگے۔ وہ خود روایت کرتے ہیں کہ: میں اس جستجو میں پھر رہا تھا کہ اندھیرے میں ابو سفیانؓ کی آواز سنائی دی جو بدیل بن ورقا سے باتیں کر رہا تھا۔ ابو سفیانؓ نے تعجب سے کہا: ”بدیل! واللہ میں نے آج تک اتنی آگ اور ایسا بڑا پڑاؤ کبھی نہیں دیکھا،“ بدیل (جو در پردہ مسلمانوں سے ملے ہوئے تھا) نے کہا: ”یہ قبیلہ خزاعہ کی آگ اور انہیں کا پڑاؤ ہے،“ ابو سفیانؓ نے تردید کی ”نہیں، اتنی بڑی آگ اور ایسا

پڑاؤ کسی طرح بھی خزانہ کا نہیں ہو سکتا، خزانہ کی تعداد بھلا اتنی کہاں؟“ حضرت عباسؓ کہتے ہیں میں آواز پہچان کے پکارا ”ابو حنظلہ!“ (ابو سفیانؓ کی دوسری کنیت ہے) اُس نے بھی میری آواز پہچان لی اور بڑے اضطراب سے پوچھنے لگا ”یہ کیا معاملہ ہے؟“ میں نے کہا ”یہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور اُن کا لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے، بخدا اگر تمہیں پا جائیں گے بے گردن مارے نہ چھوڑیں گے!“ وہ بولا ”پھر اب کیا تدبیر ہے؟“ میں نے کہا ”خاموشی سے میرے پیچھے خچر پر آ جاؤ، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چل کے تمہارے لئے امان حاصل کئے لیتا ہوں“ ابو سفیانؓ نے اسے منظور کیا اور خدمت نبویؐ میں پہنچتے ہی اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عباسؓ نے آنحضرتؐ سے یہ بھی عرض کیا کہ ابو سفیانؓ ایک ممتاز آدمی ہے، اسے کوئی امتیاز عطا کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا: ”جو کوئی ابو سفیانؓ کے گھر میں چلا جائے گا اُس کے لئے امان ہے اور جو کوئی مسجد الحرام میں چلا جائے گا اُس کے لئے امان ہے،“ مشرف بہ اسلام ہو کر ابو سفیانؓ مکہ گئے اور قریش کو با آواز بلند پکارا ”یہ دیکھو محمد ﷺ لشکر جرار لئے آپہنچے تم ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتے جو کوئی ابو سفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے گا اُس کے لئے امان ہے اور جو کوئی مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا اُس کے لئے امان ہے!“ پہلے تو قریش سخت متحیر و مضطرب ہوئے پھر ابو سفیانؓ پر ناراض ہو کر کہنے لگے: ”خدا تجھے عارت کرے تیرا گھر کتنے آدمیوں کو پناہ دے گا!“ پھر سب کے سب مسجد اور اپنے اپنے گھروں میں جا چھپے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ مجاہدین کے ساتھ بالائی مکہ سے شہر میں داخل ہوئے اور حضرت خالدؓ کو اس فرمان کے ساتھ نشیبی مکہ سے بھیجا کہ اگر کوئی قریشی تعرض کرے تو بلا تکلف قتل کرتے صفا پر میرے پاس پہنچ جانا۔ حماس بن قیسؓ رسول اللہ ﷺ کے داخلہ سے پہلے ہتھیار مہیا کر رہا تھا اس کی بیوی نے پوچھا یہ تیاریاں کس کے لئے ہیں؟ بولا ”محمدؐ اور اُن کے ساتھیوں کے لئے“ وہ کہنے لگی ”واللہ تمہارے یہ ہتھیار محمد ﷺ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے!“ اس پر وہ فخر سے بولا ”خدا کی قسم میں اُن میں سے ایک دو کو پکڑ کے تیری غلامی میں

رکھوں گا“ پھر یہ شعر پڑھا:

أَنْ يَقْبَلُوا الْيَوْمَ فَمَالِي عِلَّةٌ هَذَا سِلَاحٌ كَامِلٌ وَاللَّهِ

(ترجمہ: اگر آج وہ آجائیں تو میرے لئے کوئی مجبوری نہیں ہے، یہ پورے ہتھیار اور مکمل ساز و سامان موجود ہے۔)

اس کے بعد ہی خالدؓ کی آمد آمد سنی اور مزاحمت کرنے کے لئے یہ بھی نکلا، معمولی چھیڑ چھاڑ ہوئی جس میں دو مسلمان اور بارہ مشرک قتل ہوئے، پھر کفار کے قدم اُکھڑ گئے اور بھگوڑوں کے ساتھ حماس بھی بھاگا، ہانتا کا نپتا گھر پہنچا اور بیوی سے کہنے لگا جلد دروازہ بند کر کے مجھے بچاؤ! وہ کہنے لگی ”اور وہ تمہارا فخر کیا ہوا؟“

رسول اللہ ﷺ نے داخلہ کے بعد کعبہ کا رخ کیا، مہاجرین و انصار آگے پیچھے دائیں بائیں چل رہے تھے یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ حضور ﷺ ناقہ پر سوار حجر اسود کی طرف بڑھے، اُسے مچھو اور سواری پر سے ہی طواف شروع کیا۔ کعبہ کے اوپر اور اُس کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے تھے آپؐ کے ہاتھ میں کمان تھی جس سے ایک ایک کو مار کے زمین پر گراتے اور فرماتے جاتے تھے: ”جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا! جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ!۔“ عجب منظر تھا، عرب کے یہ خدائیکے بعد دیگرے منہ کے بل زمین پر گر رہے تھے، اُن کے پرستار دیکھتے تھے مگر دم مارنے کا یا رانہ تھا! اُس دن اسلام کے خدا رب السموات والارض کا بول بالا ہوا اور اُس کا گھر ہمیشہ کے لئے معبودانِ باطل سے پاک ہو کر توحید کا مرکز بن گیا!!

طواف کے بعد عثمان بن طلحہؓ کو بلایا جس کے پاس خانہ کعبہ کی چابی رہتی تھی، چابی طلب کی اور کعبہ پر سے تصویریں مٹا دیں جن میں علاوہ اوروں کے حضرت ابراہیمؑ و اسمعیلؑ کی تصویریں بھی تھیں۔ پھر نماز پڑھی، کعبہ کے اندر داخل ہوئے، تکبیر کہی اور لوٹ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تو دیکھا قریش کی بھیڑ صفیں باندھے کھڑی ہے۔ آپؐ نے

انہیں مخاطب کر کے حسب ذیل کلمات کہے:

”ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں، اُس کا کوئی شریک نہیں، اُس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، اپنے بندہ کو فتحیاب کیا اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ ڈالا۔ ہاں ہر طرح کا فخر ہر طرح کی حق تلفی اور ہر قسم کے خون سب میرے ان قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کا پانی پلانا اس سے مستثنیٰ ہے اے قریش! خدا نے تم سے جاہلیت کا غرور اور باپ دادا پر گھمنڈ دور کر دیا، تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے (پھر آیت پڑھی):

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ط
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتِّقَاكُمْ ط إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (اے لوگو! ہم نے تمہیں نرمادہ سے پیدا کیا اور قومیں اور قبیلے بنادیا تاکہ باہم جانو پہچانو، خدا کے نزدیک زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے السخ) پھر فرمایا ”قریش! تمہارے خیال میں تم سے میں کیا سلوک کروں گا؟“
سب پکار اٹھے: ”اچھا سلوک، آپ شریف برادر اور شریف برادر زادہ ہیں فرمایا میں اس وقت تم سے وہی کہوں گا جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا یعنی! ”لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ“
(آج تم پر کچھ بھی الزام و ملامت نہیں) جاؤ تم سب آزاد ہو!“

اس کے بعد صحن مسجد میں جلوہ افروز ہو گئے۔ حضرت علیؑ ہاتھ میں خانہ کعبہ کی چابی لے کر کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ حاجیوں کے پانی پلانے کی خدمت کے ساتھ کعبہ کی تولیت کا شرف بھی ہمیں بخش دیجئے، آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا اور عثمانؓ بن طلحہ کو پکارا، وہ آئے تو اُن کی طرف چابی بڑھاتے ہوئے فرمایا ”لو یہ چابی لو آج نیکی اور ایفاء عہد کا دن ہے،“ پھر اُم ہانی بنت ابی طالب (اپنی چچیری بہن) کے گھر تشریف لے گئے، غسل کیا اور وہیں آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ وقت ضحیٰ کا تھا، اسی لئے بعض لوگوں نے

۱۔ یعنی جاہلیت کے زمانہ کی یہ تمام باتیں جن سے جھگڑا پیدا ہوتا تھا سب موقوف اور جو ہو چکیں سب معاف ہیں۔

غلطی سے خیال کر لیا ہے کہ یہ صلوٰۃ مضیٰ تھی، حالانکہ نماز شکر تھی جو اس فتح مبین کے شکرانہ میں ادا کی گئی تھی، جس کی دلیل خود اُمّ ہانسیؓ کی حدیث میں موجود ہے کہ ”اس دن سے پہلے اور پیچھے کبھی میں نے آپؐ کو یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا“ علاوہ ازیں امراء اسلام اور خلفاء ہمیشہ فتوحات کے موقعوں پر اسی طرح نماز شکر ادا کیا کرتے تھے۔

غزوہ حنین:

اس عظیم الشان جنگ کا باعث یہ ہوا کہ جب قبیلہ ہوا اذن کو رسول اللہ ﷺ کی آمد اور فتح مکہ کی خبر پہنچی تو جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو عبد اللہ الاسلامیؓ کو جاسوسی کے لئے بھیجا، انہوں نے آکر تمام حالات بیان کئے اور آپؐ کو یقین ہو گیا کہ اگر پیش قدمی کر کے دشمن کو روکا نہ جائے گا تو وہ خود آکر مکہ پر حملہ کر دے گا۔ چنانچہ اس فیصلہ کن جنگ کے لئے خود بھی تیاری کی۔ صفوان بن اُمیہؓ مکہ کا ایک بڑا رئیس تھا اور اپنے پاس بہت ہتھیار رکھتا تھا۔ آپؐ نے بلا کر فرمایا ”اپنے ہتھیار ہمیں دیدو کہ دشمن سے مقابلہ کریں“ اُس نے کہا ”محمدؐ! کیا غصب کرنا چاہتے ہو؟ فرمایا نہیں بلکہ عاریۃً چاہتا ہوں“ چنانچہ اُس نے سوزر ہیں اور اتنے ہی ہتھیار دے دیئے۔

آنحضرت ﷺ نے کوچ شروع کیا، دس ہزار مہاجرین و انصار جو فتح مکہ میں ساتھ تھے اور دو ہزار مکہ کے باشندے ہمراہ چلے۔ عتابؓ بن اسید کو مکہ کی امارت سپرد کی اور بڑے جاہ جلال کے ساتھ یہ لشکر گراں یلغار مارتا روانہ ہوا۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ جب ہم وادی حنین کے سامنے پہنچے تو ایک ڈھلوان وادی کو تیزی سے طے کرنے لگے، رات ختم ہو چکی تھی مگر تارکی ہنوز پھیلی ہوئی تھی، دشمن ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا اور جھاڑیوں، موڑوں اور پڑتچ راستوں میں جا بجا ہماری تاک میں چھپا بیٹھا تھا۔ ہم بالکل بے خبر چلے جا رہے تھے کہ اچانک خطرہ ظاہر ہوا اور ہم ہر طرف سے بری طرح گھر گئے، دشمن نے بڑی سختی سے حملہ کیا اور مطلقاً مہلت نہ لینے دی۔ اس ناگہانی

مصیبت نے مسلمانوں کو بدحواس کر دیا اور وہ بڑی ابتری سے بھاگنے لگے رسول اللہ ﷺ دائیں طرف ہٹ کے کھڑے ہو گئے اور پکارنے لگے: ”لوگو! کہاں؟ کہاں؟ ادھر آؤ“ میں رسول اللہ ہوں! میں محمد ﷺ بن عبد اللہ ہوں!“ لیکن لوگ بڑی بدحواسی سے بھاگ رہے تھے کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ صرف چند مہاجرین اور آپ ﷺ کے اہل بیت باقی رہ گئے تھے۔

مکہ کے اُجد گنواروں نے جو لشکر میں ساتھ تھے مسلمانوں کی شکست دیکھی تو دل کا بغض نکالنے لگے۔ ابو سفیانؓ نے کہا ”اب یہ بھگوڑے سمندر سے ادھر نہیں رکنے کے!“ کلدہ نے کہا ”لو آج سارا جادو ٹوٹ گیا!“

حضرت عباسؓ کی روایت ہے: ”میں یوم حنین میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا اور آپ ﷺ کے خچر کی باگیں تھامے کھڑا تھا۔ آپ ﷺ نے جب مسلمانوں کی یہ حالت دیکھی تو چلائے ”لوگو، کہاں کہاں؟“ مگر کون سنتا تھا۔ میں ایک نہایت فرہ اور بلند آواز آدمی تھا مجھ سے فرمانے لگے: ”عباس! انصاریوں کو ذرا آواز تو دو۔“ میں چلایا ”اے قوم انصار!“ لوگ سنتے ہی ”لبیک! لبیک!“ کہتے دوڑے اور رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر جنگ شروع ہوئی اور خاتمہ مسلمانوں کی فتح اور کفار کی شکست پر ہوا“

فتح کے بعد آپؐ نے مال غنیمت اور قیدی جمع کرنے اور مقام ہجرانہ میں لے جانے کا حکم دیا۔ شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ چھ ہزار قیدی ۴۴ ہزار اونٹ ۴۰ ہزار بھیڑ بکری اور ۴ ہزار اوقیہ چاندی ملی ہے۔ آپؐ نے قیدیوں کے ساتھ بڑی رعایت کی، دو ڈھائی ہفتہ انہیں تقسیم نہ کیا کہ شاید ان کے اعضاء مسلمان ہو کر حاضر ہوں اور لے جائیں۔ انتظار کے بعد مال غنیمت کی تقسیم شروع کی سب سے پہلے مؤلفۃ القلوب کا حصہ لگایا، ابو سفیانؓ کو ۴۰۰ اوقیہ چاندی اور سواونٹ دئے، وہ کہنے لگے ”اور میرے بیٹے یزیدؓ کے لئے؟“ آپؐ نے انہیں مزید ۴۰ اوقیہ چاندی اور سواونٹ دے دیئے۔ وہ پھر بولے ”اور معاویہؓ کے لئے؟“ آپؐ نے

معاویہؓ کے نام سے بھی اتنا ہی حصہ دے دیا۔ مؤلفۃ القلوب سے فراغت حاصل کر کے باقی مال غنیمت عام مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔ ہر شخص کے حصہ میں چار اونٹ اور چالیس بکریاں پڑیں۔ سواروں کو سہ گنا زیادہ دیا۔

ابو سعید الخدریؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اتنی فیاضی سے قریش اور دیگر قبائل کو دیا اور انصاریوں کو کچھ زیادہ نہ ملا تو انہیں اس سے سخت رنج ہوا اور طرح طرح کی چیمگوئیاں کرنے لگے۔ بعضوں نے تو یہاں تک کہہ ڈالا کہ ”رسول اللہ ﷺ اپنی قوم سے مل گئے ہیں!“ سعد بن عبادہ انصاریؓ نے سنا تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر خبر دی۔ فرمایا ”انصار کو جمع کرو“ پھر ان میں تشریف لے گئے اور خطبہ دیا:

”انصار! یہ کیا گفتگو ہے جو تمہاری طرف سے مجھے پہنچی ہے؟ وہ کیا شکایت ہے جو تمہیں مجھ سے پیدا ہوئی ہے؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے اور خدا نے مجھے بھیج کر تمہاری ہدایت کی؟ کیا تم مفلس نہیں تھے اور خدا نے میرے ذریعہ تمہیں مال مال کر دیا؟ کیا تم میں پھوٹ نہیں پڑی ہوئی تھی اور خدا نے میرے ہاتھوں تمہارے دل جوڑ دیئے؟“ آپؐ خاموش ہوئے تو سب بیک زبان بول اُٹھے ”اللہ اور اُس کے رسول کے احسانات ہم پر بہت ہیں!“ آپؐ نے پھر فرمایا ”انصار! تم میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے؟“ کہنے لگے ”یا رسول اللہ! کیا جواب دیں؟ آپؐ کے ہم پر بیشمار احسان ہیں“ فرمایا: بخدا اگر تم چاہتے تو جواب دے سکتے تھے جو بالکل سچ ہوتا اور جس کی حرف بحرف میں خود تصدیق کرتا۔ تم کہہ سکتے تھے: تجھے سب نے جھٹلایا تھا، ہمارے پاس آیا تو ہم نے تصدیق کی! تیرا کوئی ناصر و مددگار نہ تھا، ہم نے مدد کی! لوگوں نے تجھے نکال دیا تھا، ہم نے پناہ دی! تو محتاج تھا، ہم نے دستگیری کی! اے انصار! تم صرف اتنی سی بات پر رنجیدہ ہو گئے کہ میں نے حقیر دنیا دے کر کچھ لوگوں کے قلوب کی تالیف کی تاکہ وہ اسلام قبول کر لیں اور تمہیں تمہارے اسلام پر بھروسہ کر کے چھوڑ دیا؟ انصار! کیا تم اس سے خوش نہ ہو گے کہ اور لوگ بھیڑ بکری اور اونٹ

لے کر جائیں اور تم اپنے گھر رسول اللہ ﷺ کو لے کر لوٹو؟ قسم ہے اُس کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے جو کچھ تم لے کر لوٹو گے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ لے کر لوٹیں گے! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک شخص ہوتا۔ اگر سب لوگ ایک راستہ سے جائیں اور انصار دوسرے سے تو میرا راستہ وہی ہوگا جو انصار کا ہے۔ انصار مغز ہیں اور تمام لوگ چھلکا۔ خداوند! انصار پر رحم کر۔ انصار کی اولاد پر رحم کر۔ انصار کی اولاد پر رحم کر!!“ اس پر اثر خطبہ سے آنکھیں اشکبار اور داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور انصاری چلائے: ہم رسول اللہ ﷺ کو حصہ میں پا کر بہت خوش ہیں!“

غزوہ تبوک:

رجب ۹ھ میں یہ جنگ واقع ہوئی۔ سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ رومیوں نے شام میں فوجیں جمع کی ہیں، ہرقل شاہ روم نے سال بھر کی رسد دے کر ایک لشکر تیار کیا ہے، حدود عرب کے عربی قبیلے لخم و جذم و عاملہ و غسان ان کے ساتھ ہو گئے ہیں اور مقدمة الجیش یلغار کر کے بلقاء تک پہنچ گیا ہے۔ یہ زمانہ سخت تنگی اور قحط کا تھا آنحضرت نے مالداروں کو راہ خدا میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے تعمیل کی، حضرت عثمانؓ نے سب سے زیادہ حصہ لیا۔

آپ ﷺ کا دستور تھا جنگ کے موقعوں پر کبھی ظاہر نہ کرتے کہ کدھر کا قصد ہے، لیکن تبوک کے موقع پر صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ رومیوں سے جنگ درپیش ہے کیونکہ مسافت دراز تھی اور زمانہ قحط کا تھا۔ جدم بن قیس سے فرمایا: ”اے جد! کیا اس سال رومیوں سے نبرد آزمائی کے لئے چلو گے؟“ اُس نے حیلہ سازی کی: ”یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے آزمائش سے معاف نہ رکھیں گے؟ سب لوگ جانتے ہیں کہ مجھے عورتوں سے نہایت رغبت ہے، میں ڈرتا ہوں کہ رومی عورتوں کو دیکھ کر بے اختیار نہ ہو جاؤں!“ آپؐ نے منہ پھیر لیا اور فرمایا خیر نہ جاؤ اس پر آیت نازل ہوئی:

”وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ اِنَّكَ لَبِئْسَ الْفِتْنٰى ط“ منافقوں نے ہمتیں پست کرنا شروع کیں اور کہنے لگے اس گرمی میں نہ جاؤ اس پر یہ آیت اُتری: ”وَقَالُوا لَا تَسْفِرُوْا فِی الْحَرِّ ط قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ط لَوْ كُنَّا یَفْقَهُوْنَ ط“

اس موقع پر اشعریوں نے ابو موسیٰؓ کو بھیجا کہ آنحضرتؐ سے سواریاں مانگیں آپؐ اُس وقت ناراض تھے غصہ سے فرمانے لگے: ”واللہ میں تمہیں ہرگز سواری نہ دوں گا اور پھر میرے پاس سواری ہے بھی نہیں“ اس کے بعد ہی کچھ اونٹ آگئے آپؐ کا غصہ فرو ہو گیا اور انہیں واپس بلا کر اونٹ مرحمت کر دیئے۔ ساتھ ہی فرمایا ”میں نے تمہیں سواری نہیں دی“ لیکن وہ خدا ہے جس نے یہ اونٹ بھیج دیئے ہیں۔ میں جب قسم کھاؤں گا اور پھر دیکھوں گا کہ اس کے خلاف عمل کرنا بہتر ہے تو قسم توڑ کے کفارہ ادا کر دوں گا“ (اسی موقع پر ایک رات عیلہؓ بن زید نے نماز پڑھی اور رورو کے دعا کی: ”خداوند! تو نے جہاد کا حکم دیا ہے لیکن مجھے اتنا نہیں دیا کہ تیرے رسولؐ کا ساتھ دے سکوں اور نہ اپنے رسولؐ کو اتنا دیا ہے کہ مجھے ساتھ لے جاسکے خداوند! اگر میں جہاد کے ناقابل ہوں تو میں ہر وہ تکلیف تیری راہ میں معاف کرتا ہوں جو کسی مسلمان کے ہاتھ سے مجھے پہنچی ہے“ جان کی ہو یا مال کی یا آبرو کی!“

اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا ”علیہؓ، تیری یہ دعا بطور زکوٰۃ مقبول لکھ لی گئی!“ جب تبوک پہنچے تو ایلہ کا سردار حاضر ہوا، صلح کی درخواست پیش کی اور جزیہ ادا کیا“ آپؐ نے اسے ایک تحریر لکھ دی جس کا مضمون یہ تھا: ”یہ تحریر یحسہ بن روہہ اور اس کی قوم اہل ایلہ کے لئے خدا اور خدا کے رسول محمدؐ کی طرف سے امان ہے اہل ایلہ اور ان کے ساتھی شامیوں، یمینیوں اور اہل بحرین کے لئے خشکی اور تری میں پناہ ہے اُن کی کشتیاں اور اُن کے قافلے اللہ اور محمدؐ نبی کی پناہ میں ہیں۔ اگر ان کا کوئی آدمی خلاف معاہدہ کوئی کام کرے گا تو اُس کا مال اس کی جان کو نہ بچا سکے گا۔

ط ان میں ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں مجھے رہ جانے کی اجازت دے دیجئے اور آزمائش میں نہ ڈالئے۔

ط یہ کہتے ہیں گرمی میں کوچ نہ کرو اے پیغمبرؐ کہ دو کہ جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ سخت گرم ہے کاش ان میں عقل ہوتی۔

بلکہ وہ ہر کس و ناکس کے لئے مباح ہوگی۔ ان کے لئے جائز نہیں کہ خشکی یا تری میں کوئی راستہ یا جگہ کام میں آنے سے روکیں۔“

آنحضرت ﷺ نے تبوک میں ایک عظیم الشان خطبہ بھی دیا تھا جو حسب ذیل ہے:

”اما بعد‘ سب سے زیادہ سچی بات‘ کتاب اللہ ہے۔ سب سے بڑا سہارا‘ تقویٰ ہے۔ سب سے اچھی ملت‘ ملت ابراہیمیٰ ہے۔ سب سے بہتر سنت‘ سنت محمدیٰ ہے۔ سب سے اچھی بات‘ ذکر الہی ہے‘ سب سے عمدہ داستان‘ قرآن ہے۔ سب سے اچھے کام‘ عزیمت کے کام ہیں۔ سب سے بُرے کام‘ بدعت کے کام ہیں۔ سب سے بہتر راستہ‘ انبیاء کا راستہ ہے۔ سب سے زیادہ معزز موت‘ شہادت کی موت ہے۔ بدترین اندھا پن‘ ہدایت کے بعد گمراہی ہے۔ سب سے اچھا کام وہ ہے جو نفع پہنچائے۔ سب سے اچھی راہ وہ ہے جس کی پیروی کی جائے۔ بدترین تاریکی دل کی تاریکی ہے۔ دینے والا ہاتھ‘ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ جو چیز کم مگر ضرورت بھر کی ہو‘ اس سے کہیں بہتر ہے جو زیادہ ہو مگر غفلت میں ڈالے۔ بدترین توبہ‘ موت کے وقت کی توبہ ہے۔ بدترین ندامت‘ قیامت کے دن کی ندامت ہے۔ بہت لوگ ہیں جو پشت پھیر کے جمعہ کا استقبال کرتے ہیں۔ بہت لوگ ہیں جو خدا کو کبھی یاد نہیں کرتے۔ سب سے بڑی خطا‘ جھوٹی زبان ہے۔ سب سے بڑی دولت‘ دل کی دولت ہے۔ سب سے بہتر توشہ‘ تقویٰ ہے۔ سب سے بڑی دانائی‘ مخافت الہی ہے۔ دل میں راسخ ہونے والی سب سے اچھی چیز یقین ہے۔ شک کفر کی ایک شاخ ہے۔ میت پر نوحہ‘ جاہلیت کی خصلت ہے۔ مسلمانوں کے مال میں خیانت‘ جہنم کی گرمی ہے‘ شراب گناہ کا سرچشمہ ہے۔ بدترین ذریعہ معاش یتیم کے مال کا کھانا ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔ عمل کا مدار اُس کے خاتمہ پر ہے۔ بدترین خواب جھوٹا خواب ہے۔ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ مسلمان کا قتل‘ کفر ہے۔ غیبت کر کے مسلمان کا گوشت کھانا‘ معصیت ہے۔ مسلمان کے مال کی حرمت‘ اُس کی جان کی حرمت کے برابر ہے جو معاف

کرتا ہے، خدا اُسے معاف کرے گا۔ جو غصہ پیتا ہے، خدا سے اجر پائے گا۔ جو نافرمانی کرتا ہے۔ خدا اُسے عذاب میں ڈالے گا۔“ اس کے بعد تین مرتبہ استغفر اللہ کہا اور خطبہ ختم کر دیا۔ تبوک سے واپسی پر بعض منافقوں نے سازش کی کہ راستہ میں رسول اللہؐ کو گھاٹی میں کہیں گرا دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو اُن کے مکر سے آگاہ کر دیا اور آپؐ دوسرے راستہ سے نکل گئے۔ اسی واقعہ کی طرف آیت ”وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا“ میں اشارہ کیا ہے۔ اس سازش کا سرغنہ ابو عامر تھا جسے راہب بھی کہتے تھے۔ مسجد ضرار بھی اسی کے اشارہ سے بنی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ابو عامر نے منافقوں سے کہا ”اپنے لئے الگ ایک مسجد بناؤ اور جہاں تک آدمی اور ہتھیار ہو سکیں، جمع کرو، میں قیصر روم کے پاس جا کر ایک لشکر عظیم لاؤں گا اور محمدؐ کو مع اُن کے اصحابؓ کے نکال باہر کروں گا!“ چنانچہ جب مسجد تیار ہو گئی تو یہ منافق خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے کہ ہم مسجد بنا چکے، چل کر اُس میں نماز پڑھ دیجئے تاکہ موجب برکت ہو۔ اس پر آیت ”لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ط لِمَسْجِدٍ أُبَسَّ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ“ نازل ہوئی۔

مسجد ضرار والوں نے یہی درخواست اُس وقت بھی کی تھی جب آپؐ تبوک کے لئے تیا ریاں کر رہے تھے چنانچہ کہا تھا ”یا رسول اللہؐ ہم نے بیماروں، حاجتمندوں اور ضرورت کے وقتوں کے لئے ایک مسجد بنانے کا ارادہ کیا ہے، کیا اچھا ہوا اگر آپؐ دو رکعت پڑھ کر اُسے متبرک کر دیں“ اس وقت آپؐ نے جواب دیا تھا کہ ”سفر درپیش ہے، پا برکاب ہو رہا ہوں، عدیم الفرصت ہوں، واپس آؤں تو یاد دلانا، انشاء اللہ تمہاری مسجد میں نماز پڑھا دوں گا“ لیکن واپسی میں مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی وحی نے اس مسجد کی حقیقت کھول دی اور آپؐ نے مالکؓ بن الدخشم اور معنؓ بن عدی العجلانی کو بھیجا کہ ”اس مسجد کو جا کر ڈھاؤ اور جلا دو!“ انہوں نے ایسا ہی کیا اور مسجد والے ادھر ادھر چل دیئے۔ قرآن میں ہے:

۱۔ اس میں کبھی بھی نماز پڑھو، جو اُول دن سے تقویٰ پر مبنی ہے (یعنی مسجد قبا) وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس میں نماز پڑھو۔“

”وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ ط وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَى ط وَاللَّهُ يَشْهَدُ أَنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ“

تبوک سے رسول اللہ ﷺ مظفر و منصور واپس لوٹے تھے، سفر لمبا تھا، خطرے بے شمار تھے، چنانچہ جب مدینہ کے قریب پہنچے اور شہر میں خوش خبری پہنچی تو لوگوں کی مسرت بے اندازہ تھی، ہر قسم کے آدمی، مرد و عورتیں، بوڑھے، بچے، لڑکے لڑکیاں سب استقبال کے لئے باہر نکل آئے، مدینہ کی لڑکیوں نے ان اشعار کے شور میں رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثِيَابِ الْوَدَاعِ

وَجَبَّ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلَّهِ دَاعِ

(ترجمہ: بدر نے ”ثیبات الوداع“ سے ہم پر طلوع کیا! ہمیشہ کے لئے اللہ کا شکر ہم پر واجب ہو گیا!)

ان اشعار کے بارے میں بعض راویوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے، ان کی روایتوں میں ہے کہ یہ شعر اُس وقت گائے گئے تھے جب آپؐ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ پہنچے ہیں، حالانکہ یہ صریح غلطی ہے کیونکہ مقام ”ثیبات الوداع“ ملک شام کی طرف ہے نہ کہ مکہ سے مدینہ کے راستہ پر۔

مدینہ میں آپؐ کا داخلہ ماہ رمضان میں ہوا، سب سے پہلے مسجد میں تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا کی، پھر لوگوں سے ملنے جلنے کے لئے بیٹھ گئے، جو لوگ اس مہم میں ساتھ نہیں گئے تھے آ کر معذرت کرنے اور قسمیں کھانے لگے۔ آپؐ نے سب کے عذر قبول کر لئے، کسی کو بھی اسلام سے خارج نہ کیا، لوگوں کے ظاہر کو لے لیا اور دلوں کا معاملہ عِـلَامِ الْغُیُوب کے حوالہ لے کر دیا۔ ان لوگوں کی تعداد کچھ اوپر اسی (۸۰) تھی۔

۱۔ کتب سیرت و حدیث میں کوئی ایک واقعہ بھی نہیں ملتا کہ رسول اللہؐ نے کسی مذہبی اسلام کو اس کے اعمال و خیالات کی بناء پر دائرۃ اسلام سے خارج کر دیا ہو اور کفر کی مہر اُس کی پیشانی پر لگا دی ہو جیسا کہ آج کل ہمارے نام نہاد علماء کا شیوہ ہے۔ کاش ان کو عقل آتی اور اپنی حدود سے تجاوز نہ کرتے۔ شریعت کا مسلمہ اصول ہے کہ جو شخص اسلام کا مدعی ہے، کوئی اُسے ملت سے خارج نہیں کر سکتا یہاں تک کہ وہ خود اُس دروازہ سے نکل جائے جس سے اللہ کے دین میں داخل ہوا تھا۔ مترجم۔

وفود عرب:

فتح مکہ اور جنگ حنین نے تمام عرب پر اسلام کی دھاک بٹھادی تھی، اب عرب کے باہر تبوک کے دھاوے نے اور بھی دبدبہ بڑھادیا اور تمام اطراف عرب سے وفد آنا شروع ہوئے تاکہ مشرف بہ اسلام ہوں اور امان حاصل کریں۔ ابن اسحاقؒ کی روایت ہے کہ جب بنی تمیم کا وفد آیا تو سیدھا مسجد میں گھس گیا اور چلانا شروع کیا: محمد! محمد! باہر آؤ آنحضرتؐ کو اس شور و غل سے اذیت ہوئی جس پر آیت نازل ہوئی: ”إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۚ“ بنی تمیم کے وفد میں اُن کا قومی شاعر ”زبرقان“ بھی تھا وہ کھڑا ہو گیا اور اپنے قبیلہ کے مفاجر سنانے لگا اُس کا ایک شعر ہے:

نَحْنُ الْمُلُوكُ فَلَا حَتَّىٰ يَعْدِلُنَا مِمَّا الْمُلُوكُ وَفِينَا تَنْصِبُ الْبَيْعِ

ترجمہ: (ہم بادشاہ ہیں، کوئی ذی روح (یا قبیلہ) ہماری برابری نہیں کر سکتا۔ ہم میں بادشاہ ہوتے ہیں اور ہمارے ہی اندر عبادت خانے قائم ہوتے ہیں)

زبرقان کا قصیدہ ختم ہوا تو شاعر اسلام حضرت حسانؒ کو جوش آگیا انہوں نے ایک نہایت موثر اور بلیغ قصیدہ پڑھا جس کے چند شعر یہ ہیں:

إِنَّ الدُّوَّاءَ نَبَّ مِنْ فَهْرٍ وَإِخْوَتَهُمْ قَدْ بَيَّنُّوا سُنَّةَ لِلنَّاسِ تَتَّبِعْ

ترجمہ: (فہر (قریش) کے سرداروں اور اُن کے بھائیوں نے دنیا کے لئے ایک ایسی راہ کھول دی ہے جس کی پیروی کی جاتی ہے)

يَرْضَىٰ بِهِمْ كُلُّ مَنْ كَانَتْ سَرِيرَتُهُ تَقْوَىٰ الْإِلَهِ وَكُلُّ الْخَيْرِ يَصْطَبِعْ

ترجمہ: (انہیں ہر وہ شخص پسند کرتا ہے جس کے باطن میں خدا کا خوف ہے اور جو ہر طرح کی نیکی کے کام کرتا ہے)۔

۱۔ جو لوگ تمہیں جہروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے وقوف ہیں۔

قَوْمٌ إِذَا حَارَبُوا ضَرُّوا عَدُوَّهُمْ وَأَوْحَا وَلُوا النَّفْعَ فِي أَشْيَاءِ عِهِمْ نَفَعُوا

(ترجمہ) یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب لڑتے ہیں تو دشمن کو نینچا دکھادیتے ہیں۔

اور جب دوستوں کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو بے کھٹکے نفع پہنچاتے ہیں)

سَجِيَّةٌ تِلْكَ فِيهِمْ غَيْرُ مُحَدَّثَةٍ أَنَّ الْخَلَاءَ يَقُفَاغْلَمُ شَرَّهَا الْبَدْعُ

ترجمہ: (یہ ان کی ایک ایسی خصلت ہے جو جبلی ہے بناوٹ نہیں۔ بدترین خصلت وہ ہے جو بناوٹ سے ہو)

حضرت حسانؓ کا قصیدہ ختم ہوا تو رئیس وفد اقرع بن حابس اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا ”یقیناً یہ شخص (یعنی آنحضرت ﷺ) با اقبال ہے اس کا خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ گویا اور اس کا شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ بلیغ ہے“ یہ لوگ اسلام لے آئے رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور ان کے تمام قیدی جو ایک لڑائی میں پکڑے آئے تھے چھوڑ دیئے۔

وفد عبد القیس:

صحیحین میں ہے کہ جب ”عبد القیس“ کا وفد حاضر ہوا رسالت پناہ ﷺ نے دریافت کیا: ”کون لوگ ہو؟“ عرض کیا: ”ہم قوم ربیعہ سے ہیں“ فرمایا: ”خوش آمدید تمہارے لئے نہ رسوائی ہے نہ ندامت!“ عرض کرنے لگے: ”یا رسول اللہ، ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر کے کفار حائل ہیں، ہم صرف موسم حج ہی میں حاضر ہو سکتے ہیں، آپ ہمیں ایک جامع بات بتا دیجئے کہ اس پر عمل کریں، لوگوں کو اس کی تعلیم دیں، اور جنت سے شاد کام ہو جائیں فرمایا: ”چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے منع کرتا ہوں:

میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ واحد پر ایمان لاؤ۔ جانتے ہو ”ایمان“ کیا ہے؟ شہادت دو کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں، محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور مال غنیمت میں سے خمس بیت المال میں دو۔ چار چیزوں سے منع کرتا

ہوں:“ (آپؐ نے انہیں چار قسم کے برتنوں میں کھجور بھگونے سے منع فرمایا، کیونکہ یہ برتن عموماً شراب کے لئے استعمال کئے جاتے تھے)

وفد بنی حنیفہ:

ابو اسحاق کی روایت ہے کہ بنی حنیفہ کا وفد حاضر ہوا اور اسلام لایا، مسیلمہ کذاب بھی اس میں موجود تھا، لیکن واپسی پر وہ مرتد ہو گیا اور آنحضرت ﷺ کی تصدیق کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اعلان کرنے لگا۔ اس نے قرآن کے مقابلہ میں سبع عبارتیں بھی بنائیں، چنانچہ ایک عبارت یہ تھی: لَقَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَى الْجُبَلِيِّ أَخْرَجَ مِنْهُ نَسْمَةً تَسْعَى مِنْ بَيْنِ صِفَاقٍ وَحَشْنَى ۱۔ “نماز معاف کر دی، شراب اور زنا کی اجازت دے دی۔ بنی حنیفہ کے بہت سے سادہ لوح اس کے دھوکہ میں آ گئے اور گمراہ ہوئے۔ اُس نے رسول اللہ کی خدمت میں ایک خط بھی لکھا تھا کہ: ”مِنْ مُسَيْلَمَةَ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَشْرَكْتُ فِي الْأَمْرِ مَعَكَ وَإِنَّا لَنَانِصِفُ الْأَمْرَ وَلِقُرَيْشٍ نِصْفُ الْأَمْرِ وَلَيْسَ قُرَيْشٌ قَوْمًا يُعْدِلُونَ ۲۔

آپ ﷺ نے جواب تحریر فرمایا: ”بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ إِلَى مُسَيْلَمَةَ الْكَذَّابِ سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى، أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ، وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۳۔“

- ۱۔ خدا نے حامد برا حسان کیا، اس سے ذی روح نکالا جو چلتا ہے، مابین صفاق (جسم کی اندرونی جلد) اور معدہ ہے۔
- ۲۔ مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف، اما بعد میں تمہارا ساجھی بنا دیا گیا ہوں اور آدھا ہمارے لیے ہے اور آدھا قریش کے لیے لیکن قریش انصاف کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔
- ۳۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف، سلام اس کی طرف، اس پر جو ہدایت پر چلے اما بعد زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں جسے چاہے اس کا وارث بنا دے، نتیجہ پر ہمیز گاروں کے لیے ہے۔

وفدِ نجران

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ نجران کے ساٹھ عیسائیوں کا ایک وفد حاضر ہوا، عصر کے بعد مسجد نبویؐ میں داخل ہوا اور اپنی نماز پڑھنا چاہی، لوگ منع کرنے اُٹھے، مگر آنحضرتؐ نے لوگوں کو روکا اور وفد کو مسجد میں عبادت کی اجازت دے دی۔ یہیں مسجد میں مدینہ کے یہودی احبار اور نجرانی رہبان میں مناظرہ بھی ہو گیا۔ یہودی حیر نے کہا: ”ابراہیم (علیہ السلام) یہودی تھے۔“ عیسائی راہب نے کہا: ”بلکہ عیسائی تھے“ اس پر آیت نازل ہوئی:

يَا هَلْ الْكِتَابَ لِمَ تُحَاجُّونَ فِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَمَا اُنْزِلَتْ التَّوْرَةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْ بَعْدِهِ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ هَآنَتُمْ هَآؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوَّلٰى النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ لِلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (ال عمران: 65-68)

ترجمہ: ”اے اہل کتاب! ابراہیمؑ کے (دین کے) بارے میں کیوں جھگڑا کرتے ہو تورات اور انجیل تو ابراہیمؑ کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں۔ پھر کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ تم وہ ہو کہ ایسی باتوں میں جھگڑا کر چکے ہو جن کا تمہیں کچھ علم تھا مگر جن باتوں کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں ان میں کیوں جھگڑتے ہو۔ اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔ ابراہیمؑ نہ یہودی تھا نہ عیسائی، بلکہ وہ تو ایک مسلم یکسو تھا اور وہ ہرگز مشرکوں میں نہ تھا۔ ابراہیمؑ سے نسبت رکھنے کا سب سے زیادہ حق اگر کسی کو پہنچتا ہے تو ان لوگوں کو پہنچتا ہے جنہوں نے اس کی پیروی کی اور اب یہ نبیؐ اور اس کے ماننے والے اس نسبت کے زیادہ حق دار ہیں۔ اللہ صرف انہیں کا حامی و مددگار ہے

۱۔ اس سے ثابت ہوا غیر مسلم مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں اپنی عبادت بھی کر سکتے ہیں۔ صدر اول میں مساجد ہی مسلمانوں کی دینی و دنیاوی انجمنوں کا مرکز تھیں اور تمام قومی و ملکی معاملات انہیں میں انجام پاتے تھے۔

جو ایمان رکھتے ہوں۔“

یہ سن کر ایک یہودی بول اٹھا: ”یا محمد ﷺ! کیا تم ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہو کہ تمہاری اُسی طرح پرستش کریں جس طرح عیسائی، عیسیٰ ابن مریمؑ کی کرتے ہیں؟“ عیسائی راہب نے بھی یہی سوال کیا۔ رسول اللہؐ نے جواب دیا: معاذ اللہ! بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کروں یا کسی کو ایسا کرنے کا حکم دوں، خدا نے مجھے نہ اس لئے بھیجا ہے نہ اس کا حکم دیا ہے، اس پر قرآن نازل ہوا:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُبَشِّرَ اللَّهَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ۝ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۝
 أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ (ال عمران: 79-80)

ترجمہ: ”کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کے بجائے تم میرے بندے بن جاؤ۔ وہ تو یہی کہے گا کہ سچے ربانی بنو جیسا کہ اُس کتاب کی تعلیم کا تقاضا ہے جسے تم پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔ وہ تم سے ہرگز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں کو یا پیغمبروں کو اپنا رب بنالو۔ کیا ممکن ہے کہ ایک نبی تمہیں کفر کا حکم دے دے جب کہ تم مسلم ہو“

اس کے بعد عیسائیوں نے آنحضرت ﷺ کو مناظرہ کی دعوت دی اور کہا ”ہم عیسائی ہیں اور ہماری قوم بھی عیسائی ہے۔ ہم مسیح (علیہ السلام) کے بارے میں آپؐ کی رائے سننے کے مشتاق ہیں تاکہ لوگوں کو اس سے مطلع کریں آپؐ نے جواب دیا: ”آج میں کچھ نہیں کہہ سکتا، کل جو کچھ مجھے بتا دیا جائے گا اس سے مطلع کروں گا“ چنانچہ ان کے جواب میں آیت نازل ہوئی:

إِنْ مَثَلٌ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ط خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ

بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاتِنَا وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ أَنْتُمْ وَنَفْسُنَا وَنَفْسَكُمْ فَنُخْبِتِلْ فَنَجْعَلَ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ .

(ال عمران: 59-61)

ترجمہ: ”اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔ یہ اصل حقیقت ہے جو تمہارے رب کی طرف سے بتائی جا رہی ہے اور تم اُن لوگوں میں شامل نہ ہو جو اس میں شک کرتے ہیں، یہ علم آجانے کے بعد اب جو کوئی اس معاملہ میں تم سے جھگڑا کرے تو اسے نبی اس سے کہو کہ ”اُوہم اور تم خود بھی آجائیں اور اپنے اپنے بال بچوں کو بھی لے آئیں اور خدا سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اُس پر خدا کی لعنت ہو“۔

صبح آپؐ نے انہیں ارشاد خداوندی سنایا اور اقرار چاہا۔ انہوں نے انکار کیا تو دوسرے دن صبح آپؐ حضرت حسنؑ و حسینؑ کو گود میں لئے ان کی طرف روانہ ہوئے، حضرت فاطمہؑ پیچھے پیچھے چل رہی تھیں، اور ان سے مباہلہ کے لئے کہا۔ مگر انہیں جرأت نہ ہوئی۔ بالآخر وہ صلح اور امان کے طالب ہوئے اور آپؐ نے اہل نجران کو تحریری امان دے دی۔

۱۔ مناظرہ کے باب میں اسوۂ حسنہ نبویؐ یہ تھا وہاں بحث مباحثہ نہ تھا، دُور ازکار یونانی منطق کی کج بحثیں نہ ہوتی تھیں، سیدھی بول چال تھی، دھڑی پر تین دلیل تھی اگر مخاطب نے اعراض کیا تو معاملہ خدا کے سپرد کر دیا اور کہہ دیا حق یہ ہے، نہیں مانتے، خدا تمہاری ہدایت کرے گا یا عذاب نازل کرے گا۔ کاش ہمارے علماء بھی اسی راہ پر چلتے اور روز بروز کے مناظروں اور مباحثوں سے پرہیز کرتے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مناظرہ نے کبھی کسی کی ہدایت نہیں کی، بلکہ ہمیشہ طرفین کی گمراہی کا باعث ہوا، مناظرہ درحقیقت عداوت کا سرچشمہ ہے، اسلام مناظروں سے نہیں پھیلا، اگر علماء کو اشاعت اسلام منظور ہے تو لفاظیوں سے نکل کر اپنے اخلاق درست کریں اور دنیا کے سامنے خلق اسلامی کا نمونہ بن کر آئیں، لیکن موجودہ حالات میں اس کی امید کم نظر آتی ہے، خُب جاہ طمع اور یا کاری کا ہم پر اس قدر غلبہ ہے کہ ہم خاموش کام پسند نہیں کرتے۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَانَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ !

(مترجم)

صلوۃ خوف:

جب خطرہ اور سفر دونوں درپیش ہوں تو نماز کے ارکان اور نماز کی تعداد دونوں میں کمی کرنے کی اجازت ہے۔ اگر صرف سفر ہو تو تعداد میں کمی ہوگی، صرف خطرہ ہو تو ارکان میں۔ رسول اللہ ﷺ کا اسی پر عمل تھا اور اسی سے آیت قصر کے سفر اور خوف سے متعید ہونے کی حکمت معلوم ہوگی ۱۔

۱۔ آیت یہ ہے: "وَإِذَا اضْطُرُّتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنَّكُمْ أَنْتُمْ فِيهِمْ فَاقْمُوا لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلَنْتَقِمَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكُمْ وَلْيَاْخُذُوا أَسْلِحَتِهِمْ قَدْ فَأَازَسَاجِدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ ۚ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكُمْ وَلْيَاْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَذَٰلِ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ أَغْدِلُ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقَعُودًا ۖ وَ عَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا (النساء: 101 تا 103)

ترجمہ: اور جب تم لوگ سفر کے لیے نکلو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر نماز میں اختصار کرو (خصوصاً) جبکہ تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے کیونکہ وہ کھلم کھلا تمہاری دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔ اور اے نبیؐ جب تم مسلمانوں کے درمیان ہو اور (حالت جنگ میں) انہیں نماز پڑھانے کھڑے ہو تو چاہیے کہ ان میں سے ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو اور اسلحہ لیے رہے، پھر جب وہ سجدہ کر لے تو پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے آکر تمہارے ساتھ پڑھے اور وہ بھی چونکا رہا ہے اور اپنے اسلحہ لیے رہے کیونکہ کفار اس تاک میں ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔ البتہ اگر تم بارش کی وجہ سے تکلیف محسوس کرو یا بیمار ہو تو اسلحہ رکھ دینے میں مضائقہ نہیں، مگر پھر بھی چوکے رہو۔ یقین رکھو کہ اللہ نے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب مہیا (حاشیہ جاری ہے)

صلوٰۃ خوف میں اسوۂ نبویؐ یہ تھا کہ اگر دشمن قبلہ کی طرف سامنے ہوتا تو آپؐ کے پیچھے تمام مسلمان صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے۔ سب ساتھ تکبیر کہتے اور رکوع کرتے، لیکن سجدہ صرف اول صف کرتی اور دوسری صف دشمن کی نگرانی کے لئے کھڑی رہتی، یہاں تک کہ آپؐ سجدہ سے فارغ ہو کر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جاتے، اس وقت دوسری صف سجدہ کرتی، پھر اگلی صف اپنی جگہ سے ہٹ جاتی اور یہ پچھلی صف اُس کی جگہ پر آ جاتی تاکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنے کی فضیلت حاصل کرے۔ چنانچہ دوسری رکعت میں صرف یہ صف سجدہ میں شریک ہوتی اور اول صف (جو اس رکعت میں پچھلی صف ہے) دشمن کے سامنے کھڑی رہتی، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ تشہد کے لئے جلوس فرماتے تو یہ بھی سجدہ کرتی اور تشہد میں شریک ہو کر سب ساتھ سلام پھیرتے۔

لیکن اگر دشمن قبلہ کی سمت نہ ہوتا متعدد طریقوں سے نماز ادا کرتے:

(۱) کبھی یہ ہوتا کہ مسلمان دو گروہ میں ہو جاتے: ایک گروہ آپؐ کے ساتھ نیت باندھ کر کھڑا ہوتا اور پہلی رکعت پڑھ کر دوسرے گروہ کی جگہ دشمن کے مقابلہ پر چلا جاتا، اور یہ دوسرا اپنی جگہ سے چل کر دوسری رکعت میں شریک ہو جاتا۔ جب آپؐ سلام پھیرتے تو دونوں گروہ باری باری ایک ایک رکعت پوری کر لیتے۔

(۲) کبھی یہ ہوتا کہ آپؐ ایک گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھتے، اُسے چھوڑ کر دوسرے گروہ کی طرف تشریف لے جاتے اور اس کے ساتھ دوسری رکعت شروع کرتے، لیکن اس وقت

(حاشیہ متعلقہ صفحہ نمبر 181) کر رکھا ہے۔ پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو۔ رکھا ہے۔ پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو۔ اور جب اطمینان نصیب ہو جائے تو پوری نماز پڑھو۔ نماز درحقیقت ایسا فرض ہے جو پابندی وقت کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے۔

تک رکوع میں نہ جاتے جب تک پہلا گروہ اپنی باقی رکعت پوری کر کے سلام نہ پھیر لیتا۔ جب فارغ ہو جاتے تو دوسرے گروہ کے ساتھ رکوع و سجہ کرتے اور تشہد کے لیے بیٹھ جاتے مگر جب تک یہ گروہ بھی اپنی جھوڑی ہوئی رکعت پوری نہ کر لیتا، انتظار کرتے اور پھر اُسی کے ساتھ سلام پھیرتے۔

(۳) کبھی ایسا ہوتا کہ چار رکعت نماز شروع کرتے، پہلا گروہ دو رکعتیں ساتھ پڑھتا اور سلام پھیر کر چلا جاتا، پھر دوسرا گروہ آتا اور باقی دو رکعتوں میں شریک ہو کر سلام پھیر دیتا۔

(۴) کبھی یوں ہوتا کہ ایک گروہ کے ساتھ دو رکعت پڑھتے اور سلام پھیر کر نماز پوری کر دیتے پھر دوسرا گروہ آتا اور اُس کے ساتھ بھی دو رکعت نماز پڑھتے۔

(۵) کبھی یہ ہوتا کہ دونوں گروہ آپ کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر چلے جاتے اور باقی رکعت پوری نہ کرتے۔

(نوٹ) صلوة الخوف کی یہ تمام صورتیں ثابت ہیں۔ امام احمدؒ کا قول ہے کہ اس باب کی تمام حدیثوں پر عمل کرنا جائز ہے۔

مدتِ سفر:

آنحضرت ﷺ تبوک میں بیس دن مقیم رہے اور نماز برابر قصر کرتے رہے۔ آپؐ نے قصر کے لئے سفر کی کوئی مدت معین نہیں فرمائی اور نہ امت کو حکم دیا کہ بیس دن سے زیادہ اقامت ہونے کی صورت میں نماز پوری پڑھی جائے۔ آپؐ کا اتنی مدت قیام محض اتفاقی تھا، سفر بہر حال سفر ہے، عام اس سے کہیں قیام زیادہ ہو جائے یا کم، البتہ اگر اقامت کا عزم ہو جائے تو سفر، سفر نہیں رہتا۔

نافعؓ کی روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ آذربائیجان میں چھ ماہ مقیم رہے اور نماز برابر قصر کرتے رہے۔ حفص بن عید اللہؓ کی روایت ہے کہ حضرت انسؓ بن مالک شام میں دو سال رہے اور مسافر کی سی نماز پڑھتے رہے۔

حضرت انسؓ کا قول ہے کہ ”راہِ مزم“ میں صحابہؓ سات مہینے ٹھہرے رہے اور قصر کرتے رہے۔ حسنؓ کی روایت ہے کہ میں حضرت عبد الرحمن بن سمرہؓ کے ساتھ کابل میں دو سال رہا اور دیکھتا رہا کہ وہ برابر قصر نماز پڑھتے ہیں مگر جمع نہیں کرتے۔ ابراہیمؓ کا قول ہے کہ صحابہؓ ری اور مسجدستان میں سال سال دو دو سال رہتے اور قصر کرتے رہتے۔ یہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کرام کا اُسوہ ہے اور یہی حق ہے۔ ائمہ اربعہ بھی اسی پر متفق ہیں کہ اگر انسان کسی جگہ ٹھہر جائے اور روز خیال کرتا رہے کہ آج جاتا ہوں اور کل جاتا ہوں، تو وہ تمام عمر قصر کرتا رہے گا۔

باب القضاء

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض لوگوں کو ایک الزام پر قید کیا تھا۔

قصاص:

صحیحین میں ہے ایک یہودی نے ایک عورت کا سرد و پتھروں کے بیچ میں رکھ کر توڑ ڈالا، آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا سر بھی اسی طرح توڑا جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عورت کے بدلہ مرد قتل کیا جائے گا۔

احمد و نسائی وغیرہ میں حضرت براءؓ کی روایت ہے کہ میری ملاقات اپنے ماموں ابو بردہؓ سے ہوئی، وہ جھنڈا اٹھائے جا رہے تھے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اُس شخص کو جا کر قتل کر ڈالوں اور اُس کے مال و متاع پر قبضہ کر لوں جس نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کیا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ہے: ”مختر مات سے جوزنا کرے اُسے قتل کر ڈالو“ صحیحین میں ہے کہ نظر کی بیٹی اور ربیع کی بہن نے ایک لڑکی کے طمانچہ مارا اور اُس کا دانت ٹوٹ گیا، رسول اللہ ﷺ تک معاملہ پہنچا، آپؐ نے قصاص کا حکم دیا۔ اُم ربیع (مجرمہ کی ماں) نے عرض

کی: ”یا رسول اللہ کیا آپ اس پر بھی قصاص جاری کریں گے؟ واللہ یہ نہیں ہو سکتا!“ آپؐ نے فرمایا ”سبحان اللہ! ام ربیع اللہ کا حکم قصاص ہے!“ کہنے لگیں: ”نہیں واللہ آپ اس پر ہرگز قصاص جاری نہیں کریں گے“ اس اثنا میں باہم صلح ہو گئی اور لڑکی والوں نے دیت قبول کر لی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ”اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جن کی قسم وہ اپنے مقابلہ میں بھی پوری کرتا ہے۔“

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کا ہاتھ دانت سے کاٹ کھایا، اُس نے ہاتھ کھینچا تو کاٹنے والے کا دانت ٹوٹ گیا۔ رسول اللہ ﷺ تک شکایت پہنچی فرمایا: ”مست اونٹ کی طرح اپنے بھائی کو کاٹ کھاتے ہو، جا تیرے لئے کچھ بھی دیت نہیں“ اس سے ثابت ہوا کہ مدافعت کرتے ہوئے ظالم کا جو کچھ بھی نقصان ہو جائے مظلوم اُس کا ذمہ دار نہیں۔

صحیحین میں ابو ہریرہؓ کی روایت ہے: ”اگر بغیر اجازت کوئی تمہیں جھانکے اور تم اُس کی آنکھ پھوڑ ڈالو تو تم پر کوئی الزام نہیں“ دوسری روایت میں ہے: ”اگر کوئی کسی کے گھر میں جھانکے اور وہ اس کی آنکھ پھوڑ ڈالے تو اس پر نہ دیت ہے نہ قصاص۔“

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص آنحضرتؐ کے حجرہ میں جھانکنے لگا، آپؐ چھری کا پھل لے کر اُٹھے اور اُسے مارنے کے لئے موقعہ ڈھونڈنے لگے، ابن ماجہ میں ہے کہ آنحضرتؐ کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر حاملہ قتل عمد کی مرتکب ہو تو اُس وقت تک قتل نہ کی جائے جب تک بچہ جن نہ لے اور بچہ کی کفالت نہ ہو جائے۔ احمد و نسائی کی روایت ہے کہ آپؐ نے فیصلہ کیا کہ بیٹے کے عوض باپ قتل نہ کیا جائے۔

زنا:

سنن میں سہل بن سعدؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر زنا کا اعتراف کیا اور عورت کا نام بتایا۔ آپؐ نے عورت کو طلب کیا، اُس نے انکار کیا، آپؐ نے عورت کو چھوڑ دیا اور مرد کے درے لگائے۔ اس سے دو مسئلے صاف ہو گئے، ایک یہ کہ اگر

عورت جھٹلا دے تو مرد پر حد جاری کر دی جائے گی، دوسرے یہ کہ صرف زنا کی حد جاری ہوگی، قذف کی نہ ہوگی۔

اگر لونڈی زنا کرے تو درّے لگانے کا حکم دیا ہے۔ مسلم میں ہے: ”اگر کسی کی لونڈی زنا کرے تو چاہئے کہ درّے لگائے“ حضرت علیؓ نے فرمایا: ”لوگو، اپنے لونڈی غلاموں پر حد جاری کرو، عام اس سے کہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ کیونکہ رسول اللہ کی لونڈی نے زنا کیا تھا اور آپؐ نے مجھے اُس کے درّے لگانے کا حکم دیا تھا۔“

شراب:

شارب خمر کو چھڑیوں اور جوتوں سے مارنے کا حکم دیا ہے۔ نیز گن کر چالیس درّے بھی لگائے ہیں جس کی پیروی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی کی ہے۔ مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ رسول اللہؐ نے شارب خمر کو اسی درّے لگائے تھے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ شراب پینے والی کی کوئی مقرر سزا شریعت نے نہیں بتائی۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ چوتھی یا پانچویں مرتبہ میں شرابی کو آپؐ نے قتل کر ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ احادیث قتل کے راویوں میں ایک عبد اللہ بن عمرؓ بھی ہیں جو فرماتے ہیں: ”چوتھی مرتبہ شراب پینے والے کو میرے پاس لاؤ میں خود تمہاری طرف سے اُسے قتل کر دوں گا۔“

قیدی:

آنحضرتؐ نے بعض قیدیوں کو قتل کیا، بعض کو احسان کر کے چھوڑ دیا، بعض سے فدیہ قبول کر لیا بعض کو مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں دے دیا، بعض کو غلام بنایا، لیکن کسی بالغ قیدی کا غلام بنانا ثابت نہیں۔

مال غنیمت:

بیت المال میں داخل ہونے والے مال کی تین قسمیں ہیں: ”زکوٰۃ“ غنیمت، فِئس ۱۔ زکوٰۃ کا مصرف ”إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ“ والی آیت میں بتا دیا گیا ہے۔ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا ہے۔ قرآن میں ہے: ”وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّن شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ“ رہے باقی چار حصے تو غنیمت حاصل کرنے والوں کا حق ہے: ”سوار کے تین حصے اور پیدل کا ایک حصہ سب ۲ قاتل کا حق ہے۔

دشمن سے وفاء عہد:

مسلمہ کذاب کے قاصد آئے اور کہنے لگے ”ہم مسلمہ کو اللہ کا رسول سمجھتے ہیں“ فرمایا: ”اگر قاصد کا قتل روا ہوتا تو میں تمہیں قتل کر ڈالتا“

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ معاہدہ حدیبیہ کی پابندی کرتے ہوئے آپؐ نے ابو جندل کو قریش کے حوالہ کر دیا تھا، لیکن جب عورتیں آئیں تو اُن کے دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ایک عورت سبیعتہ الاسلمیہؓ مسلمان ہو کر آگئی، اُس کا شوہر واپس لینے آیا، اس پر قرآن میں آیت نازل ہوئی: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مِمَّا جَرَّاتِ فَامْتَحِنُوهُنَّ ط اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ج فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ط لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ط وَاتَّوهُهُنَّ مَا أَنْفَقُوا ط“ (المتحنة: 10) ۳

۱۔ فِئس اُس مال غنیمت کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو بغیر جنگ کے حاصل ہو۔

۲۔ سب وہ مال و ہتھیار ہیں جو مقتول کے پاس سے حالت قتل میں ملیں۔

۳۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو (ان کے مومن ہونے کی) کی جانچ پڑتال کر لو اور ان کے ایمان کی حقیقت تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ پھر جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو۔ نہ وہ کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ کفار اُن کے لیے حلال۔ اُن کے کفار شوہروں نے جو مہر اُن کو دیے تھے وہ انہیں پھیر دو۔“

رسول اللہ ﷺ نے اس سے قسم لی کہ صرف اسلام کی وجہ سے اس نے گھر چھوڑا ہے، خاندان میں کوئی بُرا کام نہیں کیا ہے اور نہ اپنے شوہر سے عداوت رکھتی ہے اُس نے قسم کھائی، آپؐ نے شوہر کو اُس کا مہر واپس کر دیا اور عورت واپس نہ جانے دی۔

امان:

صحیح حدیث ہے: ”مسلمانوں کے خون برابر درجہ کے ہیں، اور اُن کا ادنیٰ ترین فرد بھی امان دے سکتا ہے“

آپؐ کی چچیری بہن اُم ہانئ نے دو آدمیوں کو پناہ دی اور آپؐ نے قبول کر لی۔ اسی طرح اپنی صاحبزادی حضرت زنیبؓ کی پناہ ان کے شوہر ابو العاصؓ بن الربیع کے حق میں منظور کر لی اور فرمایا: ”ایک ادنیٰ مسلمان بھی پناہ دے سکتا ہے۔“

جزیہ:

نجران اور ایلہ کے باشندوں سے جزیہ لیا جو نسلاً عرب اور مذہباً عیسائی تھے۔ اہل دومتہ الجندل سے جزیہ لیا جن میں اکثر عرب تھے۔ نیز مجوسیوں اور یمن کے یہودیوں سے جزیہ قبول کیا۔

سفارش:

بریہؓ سے اس کے شوہر کے حق میں سفارش کی کہ اُس کے عقد میں پھر آجائے۔ اُس نے عرض کی: ”یہ آپؐ کا حکم ہے؟“ فرمایا ”نہیں، صرف سفارش کرتا ہوں“ کہنے لگی تو مجھے منظور نہیں!“ اس جواب سے آپؐ ذرا بھی ناراض یا رنجیدہ نہیں ہوئے۔

صدقہ کا خریدنا اور کھانا:

حضرت عمرؓ کو منع فرمایا کہ اپنا صدقہ خریدیں اگرچہ ایک درہم میں ملتا ہو۔ لیکن آپؐ نے اُس گوشت میں سے تناول کیا جو بریرہؓ کو بطور صدقہ کے دیا گیا اور جسے اُس نے ہدیۃ آپؐ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ فرمایا: ”یہ بریرہؓ کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے اُس کی طرف سے ہدیہ ہے۔“

باب الاحکام

نکاح:

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نکاح اور دوسرے اہم موقعوں کے لئے آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو ذیل کا خطبہ سکھایا تھا:

”الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.“ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ ” يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝ ” يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۖ وَاللّٰهُ يُطِيعُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ قَوْراً عَظِيماً ۝ ۱ “ شعبہؒ کہتے ہیں میں نے ابواسحاق سے پوچھا کیا یہ خطبہ صرف نکاح کے لئے ہے؟ کہا بلکہ سب کاموں کے لئے۔

حدیث میں ہے: جب تمہیں کوئی عورت، خادم یا سواری ملے تو کہو بسم اللہ کہو خدا سے برکت چاہو اور دعا کرو: ”خدا یا میں اُس خیر کا طالب ہوں جو اس میں اور اس کی فطرت میں ہے“

۱ ہر قسم کی ستائش خدا کے لئے ہے، ہم اُس کی ستائش کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے پناہ چاہتے ہیں اپنے نفوس کے شر اور اپنے اعمال کی برائیوں سے۔ جسے خدا ہدایت کرے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ ہدایت نہ بخشے اُسے راہ راست دکھانے والا کوئی نہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ بجز خدا کے کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ محمد اُس کے بندے اور رسول ہیں۔ ”مومنو! خدا سے ایسا ذرہ جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور اسی حال میں مرو کہ تم مسلمان ہو“ ”اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے تمہیں ایک ذات سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیل گئیں اُس خدا سے (حاشیہ جاری ہے)

اور اُس شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اس میں اور اس کی فطرت میں ہے۔“ جب کسی کی شادی ہوتی آپ اُسے مبارکباد دیتے:

”بَارَكَ اللَّهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ“
(خدا تجھے خوشحال کرے، برکت دے اور تم دونوں کو بخیر و خوبی اکٹھا رکھے)۔

حدیث میں ہے: جب اپنی بیوی کے پاس جانے لگو، بسم اللہ کہو اور دعا کرو ”بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا“ (اللہ! ہمیں شیطان سے محفوظ رکھ اور جو کچھ تو نے ہمارے نصیب میں لکھا ہے اُسے بھی شیطان سے محفوظ رکھ) تو اگر اس اجتماع سے بچہ پیدا ہونا مقدر ہوا ہے، شیطان اُسے ہرگز نقصان نہ پہنچا سکے گا۔“

نکاح کی ترغیب:

آپ نے امت کو نکاح کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ حدیث میں ہے: ”نکاح کرو کیونکہ تمہاری کثرت سے میں قوموں پر فخر کروں گا۔“ فرمایا: ”میں خود نکاح کرتا ہوں جو کوئی میری سنت سے منہ موڑے میری جماعت سے نہیں“ اور فرمایا: ”نوجوانو! جو تم میں نکاح کر سکتا ہے نکاح کرے کیونکہ نظر اور نفس دونوں کو محفوظ رکھتا ہے اور جسے اس کی قدرت نہ ہو چاہیے کہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ اس کے لئے روک ہے۔“ اور فرمایا: ”دنیا سرا سر عیش ہے اور دنیا کا سب سے بڑا عیش صالح بیوی ہے“ حدیث میں ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا: سب سے بہتر عورت کون ہے؟ فرمایا: ”وہ جو اپنے شوہر کی نظر میں بھلی معلوم ہو، اس کے حکم کی تعمیل کرتی ہو اور اپنے مال و نفس میں اُس کی مرضی کے خلاف کچھ نہ کرتی ہو“ صحیحین میں ہے: ”عورت سے شادی یا تو اُس کے مال کی وجہ سے کی جاتی ہے یا عزت کی وجہ سے یا حسن کی وجہ سے یا دین کی

ذُرُوس کے نام پر مانگتے ہو، پس میں اور ذُرُور قرابت کے معاملہ میں۔ اللہ بلا شک تم پر نگہبان ہے“ مومنو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک ٹھیک بات کہو تا کہ تمہارے لئے تمہارے عمل درست کر دے تمہارے گناہ تمہیں معاف کر دے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے بلا شک عظیم الشان کامیابی حاصل کرتا ہے۔“

وجہ سے، تم دیندار بیوی پا کر بازی لے جاؤ۔“ آپؐ کا دستور تھا کہ اولاد پیدا کرنے والی عورتوں سے نکاح کرنے کی ترغیب دلاتے اور بانجھ عورتوں کو ناپسند کرتے تھے۔

عورت کی اجازت:

صحیحین میں ہے کہ خنساءؓ بنت جذام کا نکاح اس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف کر دیا تھا، وہ بالغ تھی اور اس کی پہلے شادی ہو چکی تھی، اُس نے آ کر آنحضرتؐ سے شکایت کی، آپؐ نے نکاح باطل کر دیا۔ سنن میں ہے کہ ایک دوشیزہ کی شادی باپ نے خلاف مرضی کر دی، وہ حاضر ہوئی تو آپؐ نے اختیار دے دیا کہ نکاح چاہے رکھے یا رد کرے۔ صحیح حدیث میں ہے: ”کنواری کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے نہ کیا جائے، اس کی اجازت خاموشی ہے، عملاً فیصلہ بھی اسی طرح کیا کہ کنواری کی اجازت اس کی خاموشی قرار دی اور شادی شدہ کی اجازت زبان سے اقرار۔ حدیث میں ہے: یتیم لڑکی کا عقد بغیر اس کی اجازت نہ کیا جائے، اگر چپ ہو جائے تو یہ اُس کی اجازت ہے، اگر انکار کرے تو مجبور نہ کیا جائے۔“

اذن ولی:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو کوئی عورت بغیر اپنے ولی کی اجازت خود نکاح کر لے تو اُس کا نکاح باطل ہے، اگر شوہر سے مقاربت ہو گئی تو مہر کی مستحق ہوگی، آپس میں جھگڑا ہو تو جس کا کوئی ولی نہیں حاکم اس کا ولی ہے“ (ترمذی) صحیح حدیثوں میں ہے: ”ولی کے بغیر نکاح نہیں“ اور فرمایا: ”عورت عورت کا نکاح نہ کرے، اور نہ خود عورت اپنا نکاح کرے، کیونکہ زانیہ اپنا نکاح آپؐ کیا کرتی ہے!“

مہر:

صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کو ۱۲ اوقیہ مہر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ میرے علم میں آنحضرتؐ نے ۱۲ اوقیہ۔

لَا اَدھیر سے کچھ کم۔

سے زائد مہر نہ اپنی ازواج کو دیا اور نہ اپنی لڑکیوں کو دلایا۔ صحیحین میں ہے کہ ایک شخص شادی کی فکر میں تھا، آپؐ نے فرمایا: ”کچھ لاؤ اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو“ لیکن جب اس سے اتنا بھی میسر نہ ہوا تو فرمایا: ”اچھا تجھے کچھ قرآن یاد ہے؟“ اس نے کہا ہاں، فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ چنانچہ انہیں سورتوں کے یاد کر دینے کو مہر قرار دے کر اس کا نکاح کر دیا۔ مسند امام احمدؒ میں ہے کہ فرمایا: ”سب سے زیادہ برکت اس نکاح میں ہوتی ہے جس میں سب سے کم زیر باری ہو۔“

ایک شخص نے بغیر مہر مقرر کئے نکاح کر لیا اور خلوت سے پہلے مر گیا، آنحضرتؐ نے یہ فیصلہ کیا کہ عورت کو اس کی ہم عصر عورتوں کے برابر مہر دیا جائے، میراث دی جائے اور وہ خود چار مہینے دس دن عدت بیٹھے۔ ترمذی میں ہے کہ آپؐ نے ایک شخص سے دریافت کیا: کیا تم پسند کرو گے اگر تمہاری شادی فلاں عورت سے کر دوں؟ اس نے کہا ہاں۔ پھر عورت سے پوچھا: کیا تو پسند کرے گی کہ تجھے فلاں شخص سے بیاہ دوں؟ اُس نے بھی رضامندی ظاہر کی چنانچہ دونوں کا عقد کر دیا، دونوں میں خلوت بھی ہوئی مگر کوئی مہر مقرر نہ کیا گیا تھا۔ لیکن جب آپ ﷺ کا وصال ہونے لگا تو آپؐ نے خیبر کے حصوں میں سے ایک حصہ عورت کو مہر کے عوض دے دیا۔

حاملہ سے نکاح:

کتب سنن میں بصرہ بن اکثمؓ کی روایت ہے کہ میں نے ایک کنواری لڑکی سے نکاح کیا خلوت پر معلوم ہوا کہ حاملہ ہے۔ آنحضرتؐ نے فیصلہ کیا کہ چونکہ خلوت ہو چکی ہے اس لئے اس کا مہر ادا کر دو، پھر دونوں کو جدا کر دیا اور ولادت کے بعد عورت کے دے لگائے۔

۱۔ ہندوستان میں زیادہ مہر مقرر کرنے کا رواج بہت عام ہے لوگ لاکھوں روپیہ کا مہر باندھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ لینا دینا تو ہے نہیں پھر زیادہ مہر سے گھبرائیں گی؟ حالانکہ یہ طریقہ اگر نکاح کو فاسد نہیں تو سخت مکروہ ضرور بنادیتا ہے اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ایسی شادیوں میں برکت نہیں ہوتی (مترجم)

شروط النکاح:

صحیحین میں ہے کہ فرمایا: ”جو شرطیں سب سے زیادہ پوری کرنے کی ہیں، وہ شرطیں ہیں جن پر تم اپنے لئے عورتوں کو جائز کرتے ہو،“ صحیح حدیث ہے: ”عورت کو نہیں چاہئے کہ اپنی بہن کی طلاق طلب کر کے خود اس کی جگہ چلی جائے۔ کیونکہ اس کے لئے وہ ہے جو اس کی قسمت میں تھا،“ صحیحین میں ہے کہ: ”عورت نکاح میں اپنی بہن کے لئے طلاق بطور شرط نہ رکھے۔ مسند امام احمد میں ہے: یہ حلال نہیں کہ ایک عورت کی طلاق دوسری کے نکاح کی شرط ہو۔“

شغار:

صحیح مسلم میں ہے: ”اسلام میں شغار نہیں“ شغار یہ ہے کہ بلا مہر کے دو شخص ایک دوسرے کو اپنی اپنی لڑکیاں بیاہ دیں۔ ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ شغار یہ ہے کہ باہم ایک دوسرے سے کہیں کہ اپنی لڑکی مجھے دواور میں اپنی تمہیں دیتا ہوں اپنی بہن مجھے دواور میں اپنی تمہیں دیتا ہوں۔

تحلیل ۲:

ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محلل اور محللہ دونوں پر لعنت کی ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ فرمایا: ”کیا میں تمہیں مانگے ہوئے ساندھ کا حال نہ بتاؤں؟“ صحابہؓ نے عرض کی ”ضرور یا رسول اللہ ﷺ“ فرمایا: ”مانگا ہوا ساندھ محلل ہے، اللہ کی لعنت ہو محلل اور محللہ دونوں پر۔“

۱۔ یہاں بہن سے مراد حقیقی بہن نہیں کیونکہ ایک بہن کی موجودگی میں دوسری بہن کا عقد ہو ہی نہیں سکتا بلکہ بہن کے لفظ سے مراد ہر عورت ہے جیسا کہ آگے کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ (مترجم)

۲۔ محلل ”یہ ہے کہ مطلقہ عورت سے اس لئے نکاح کیا جائے کہ وہ پھر اپنے قدم شوہر کے لئے جائز ہو جائے۔ حالانکہ ایسا کرنا حرام ہے قرآن میں ہے ”..... حسی تنکح زوجا غیرہ“ یعنی طلاق دینے والے کے لئے اس کی مطلقہ پھر جائز نہیں یہاں تک کہ دوسرے مرد کے نکاح میں جائے اس سے مقصود یہ تھا کہ جب کبھی یہ دوسرا مرد طلاق دے تو پھر پہلے شوہر کے لئے دوبارہ (حاشیہ جاری ہے)

نکاح محرم:

صحیح مسلم میں ہے ”حالات احرام میں محرم نہ اپنا نکاح کرے اور نہ دوسروں کا کرے“
چار عورتوں سے زائد:

ترمذی میں ہے کہ غیلانؓ اسلام لایا تو اس کے پاس دس بیویاں تھیں، آنحضرتؐ نے فرمایا ”چار رکھ کے باقی سب کو علیحدہ کر دو“ فیر و ذیلمیؓ اسلام لایا ہے اس کے تصرف میں دو بہنیں تھیں، فرمایا: ”دونوں میں جسے چاہو رکھ لو“ آپؐ نے نکاح میں عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی، خالہ اور لڑکی کے جمع کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

زوجین میں سے اگر کوئی اسلام لے آئے:

سنت نبویؐ سے ثابت نہیں کہ اگر زوجین میں سے ایک پہلے اسلام قبول کر لے اور دوسرا بعد میں تو نکاح کی تجدید کی جائے، یہ نہ آپؐ سے ثابت ہے اور نہ صحابہؓ سے بلکہ آپؐ کا عمل اس کے خلاف بتحقیق ثابت ہے۔ جیسا کہ آپؐ کی صاحبزادی زینب (رضی اللہ عنہا) کے واقعہ میں ہوا جو شروع بعثت میں اسلام لے آئیں تھیں اور جن کے شوہر پورے ۸ سال بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مگر آپؐ نے بلا تجدید نکاح حضرت زینبؓ کو ان کے حوالے کر دیا۔ بعض راویوں نے اس باب میں بھی ٹھوکر کھائی ہے اور کہہ دیا ہے کہ دونوں کے اسلام کے مابین چھ سال کی مدت تھی، حالانکہ یہ صریح غلطی ہے، البتہ چھ سال کی مدت دونوں کی ہجرت کے مابین تھی۔

نکاح کرنا جائز ہوگا۔ مگر علماء سوء نے یہ جیل نکالا کہ رات بھر کے لئے مطلقہ کا نکاح دوسرے مرد سے کر دیتے ہیں اور وہ صحیح طلاق دے دیتا ہے جس کے بعد وہ پہلے خاوند کی پھر بیوی بن جاتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ دوسرا عقد محض لفظی ہوتا ہے اور غلطی کی نوبت بھی نہیں آتی۔ ظاہر ہے یہ تلاعب بالمدین کی بدترین صورت ہے، مصر میں اس کا بہت رواج ہے، خود بہت سے علماء ایسا کرتے ہیں، تحلیل کی باقاعدہ ”ایجنسیاں“ بنی ہوئی ہیں جن میں حجامہ ازرہ کے بہت سے طلباء یہ پیشہ کرتے ہیں، ”محلل“ اسے کہتے ہیں جو تحلیل کرتا ہے اور ”محلل لہ“ وہ ہے جس کے واسطے تحلیل کی جائے، یعنی مطلق اور مطلقہ۔ (مترجم)

بیویوں کے درمیان دنوں کی تقسیم:

صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ سنت نبویؐ یہ ہے کہ نکاح کے بعد شوہر کو کنواری کے پاس مسلسل سات دن رہنا چاہیے اور جس کی پہلے شادی ہو چکی ہو اس کے پاس تین دن اس کے بعد اپنی بیویوں کے مابین دنوں کی تقسیم شروع کرے۔

نکاح میں کفو کی شرط:

ترمذی کی روایت ہے: ”جب تمہیں کوئی ایسا شخص مل جائے جس کا دین اور اخلاق پسند کرتے ہو تو چاہیے اس سے نکاح کرو، ایسا نہ کرو گے تو دنیا میں بڑا فتنہ و فساد پھیلے گا“ بنی بیاضہؓ سے فرمایا تھا: ”ابو ہند سے شادی بیاہ کا رشتہ جوڑو“ حالانکہ وہ فصد کھولنے کا پیشہ کرتے تھے آپؐ نے اپنی پھوپھی بہن حضرت زینبؓ بنت جحش کا نکاح زید بن حارثہؓ سے کر دیا تھا جو آپؐ کے غلام تھے۔ اسی طرح فاطمہؓ بنت قیس الفہریہ کا نکاح اسامہؓ بن زید سے کر دیا تھا جو آپؐ کے غلام زادہ تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ عبد الرحمنؓ بن عوف قریشی کی بہن حضرت بلالہؓ کو بیاہ دی تھی جو ایک حبشی زر خرید غلام تھے۔

اگر عورت یا مرد میں عیب ہو:

مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک غفاری عورت سے عقد کیا جب خلوت میں گئے تو اس کے پہلو میں سفید داغ نظر آنے پر آپؐ فوراً علیحدہ ہو گئے اور مہر میں سے کچھ بھی واپس نہ لیا۔ مؤطا میں حضرت عمرؓ کی روایت ہے: ”جو کوئی ترغیب دلا کر کسی کا نکاح ایسی عورت سے کرادے جو مجنون ہو یا جذام یا برص کی بیماری میں مبتلا ہو تو خلوت ہو جانے کی صورت میں عورت کو مہر مل جائے گا اور مہر کی یہ رقم ترغیب دینے والے سے وصول کی جائے گی“ سنن ابوداؤد میں ہے: عبد یزید ابو رکانہؓ نے اپنی بیوی ام رکانہؓ کو طلاق دے دی

اور قبیلہ مزنیہ کی ایک عورت سے شادی کی۔ عورت نے آنحضرتؐ کی خدمت میں شکایت کی: ”رسول اللہ ﷺ اس کا میرے ساتھ تعلق ایسا ہے جیسے یہ بال!“ (اور اپنے سر کے بالوں کی ایک لٹ لے کر دکھائی) لہذا آپؐ میرے اور اس کے درمیان جدائی کر دیجئے۔“ آپؐ نے ابو رکابہؓ سے فرمایا طلاق دے دو۔

ابن سیرین کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو تحصیلداری پر بھیجا، اُس نے ایک عورت سے عقد کیا، اس شخص کے اولاد نہ ہوتی تھی، حضرت عمرؓ نے کہا کیا تم نے عورت سے اپنا حال بتا دیا تھا؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا اسے بتاؤ اور اختیار دو کہ رہے یا الگ ہو جائے۔

زن و شوہر کے مابین کام کی تقسیم:

ابن حبیب کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کے مابین کام کاج کی تقسیم اس طرح کی تھی کہ حضرت فاطمہؓ گھر کے اندر کا سب کام کریں اور حضرت علیؓ گھر کے باہر کا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیقؓ کی روایت ہے کہ: ”میں حضرت زبیرؓ کے گھر کا سب کام کیا کرتی تھی، اُن کے پاس ایک گھوڑا بھی تھا، میں اُسے ملتی دیتی اور چارہ پانی دیا کرتی تھی۔ گھر میں ڈول سیتی تھی، پانی پلاتی تھی، اور تین فرسخ پر اُن کے نخلستان سے کھجور کا بوجھ سر پر رکھ کے لایا کرتی تھی۔“

طلاق:

حدیث میں ہے: ”غصہ میں طلاق نہیں ہوتی“ اور فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے میری امت کو اس کے دل کے خیالات میں معاف کیا ہے یہاں تک کہ منہ پر لائے یا عمل کرے“ اور فرمایا: عمل کا اعتبار نیت سے ہوتا ہے“ اور فرمایا: ”خدا نے میری امت کے لئے اُس کی بھول چوک اور غلطی معاف کر دی ہے نیز جو کام اس سے جبراً کرایا جائے۔“ صحیحین میں ہے کہ ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو کحالت حیض میں طلاق دے دی۔ حضرت عمرؓ نے اس کا ذکر

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کیا فرمایا: ”کہو رجوع کر لیں یہاں تک کہ پھر پاک ہو، پھر حیض آئے اور پھر پاک ہو، اس کے بعد چاہیں رکھیں یا خلوت سے پہلے طلاق دے دیں، یہی وہ معیار ہے جو خدا نے طلاق کے لئے مقرر کیا ہے“

مسند احمد اور ابوداؤد و نسائی میں ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی۔ آنحضرتؐ نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ”جب پاک ہو جائے خواہ طلاق دے دینا یا رکھ لینا“

طلاق کے چار طریقے ہیں: دو حلال ہیں اور دو حرام: حلال طریقے یہ ہیں کہ حالت طہر میں بغیر خلوت کے طلاق دے یا حمل کے اچھی طرح ظاہر ہونے کے بعد دے۔ حرام طریقے یہ ہیں کہ حالت حیض میں طلاق دے یا حالت طہر میں خلوت کے بعد۔ یہ حکم ان عورتوں کے متعلق ہے جو تصرف میں آچکی ہوں لیکن جن کے ساتھ سرے سے خلوت ہی نہیں ہوئی، انہیں حالت حیض و طہر ہر حال میں طلاق دی جاسکتی ہے۔ قرآن میں ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا ج ۲“

بیک دفعہ تین طلاق:

آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک دفعہ تین طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ ﷺ نہایت ناراض ہوئے اور فرمایا: ”میں ابھی تمہارے مابین زندہ موجود ہوں اور لوگ کتاب اللہ سے کھیل کر نے لگے!“

۱۔ تم پر کوئی گناہ نہیں اگر ہاتھ لگانے یا مہر مقرر کرنے سے پہلے عورتوں کو طلاق دے دو۔
۲۔ مومنو! اگر ہاتھ لگانے سے پہلے تم عورتوں کو طلاق دے دو تو ان پر کوئی عدت نہیں ہے۔

مسلم کی روایت ہے: عہد نبویؐ خلافت صدیقی اور دو سال آغاز خلافت عمرؓ میں طلاق ایک ایک کر کے ہوتی تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے لوگوں کی حالت دیکھ کر کہا انہوں نے اس معاملہ میں بڑی بے باکی اختیار کر رکھی ہے حالانکہ اس میں غور و فکر کا حکم دیا گیا تھا، ہم ایسی طلاق کو نافذ کئے دیتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب عمرؓ نے لوگوں کو دیکھا کہ بیک دفعہ تین طلاقیں دے دینے میں بہت پیش قدمی کرنے لگے ہیں تو اس قسم کی طلاق کو نافذ کر دیا۔ ۱۔ مسند احمد میں ہے: ”رکبانہ“ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالیں، پھر بہت پشیمان ہوئے اور آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی: فرمایا تو نے کس طرح طلاق دی ہے؟ کہا تین طلاقیں۔ فرمایا ایک ہی مجلس میں؟ کہا ہاں فرمایا ”تجھے ایک وقت میں صرف ایک ہی مرتبہ طلاق دینے کا اختیار تھا“ جی چاہے رجوع کر لے، انہوں نے رجوع کر لیا۔

غور کر و فرمایا ”صرف ایک مرتبہ طلاق دینے کا اختیار تھا“ یہ اس لئے کہ جو چیز یکے بعد دیگرے کرنے کی ہے اُسے ایک دفعہ کر دینے کا اختیار نہیں۔ مثلاً لعان میں اگر کوئی ایک دفعہ اس طرح کہ دے کہ میں چار مرتبہ خدا کو حاضر کر کے کہتا ہوں کہ میں سچا ہوں، تو اس کا یہ کہنا صرف ایک مرتبہ شمار ہوگا۔ چار مرتبہ نہ ہوگا یا مثلاً رسول اللہ ﷺ نے ہر نماز کے بعد ۳۳، ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ وغیرہ کہنے کو فرمایا ہے، اگر کوئی اس طرح کہے کہ میں ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ کہتا ہوں تو

۱۔ حضرت عمرؓ نے یہ محض تعزیر کیا تھا جس کا امام کو حق ہے تعزیری احکام ہمیشہ موقت ہوتے ہیں اور ضرورت کے رفع ہو جانے کے بعد قانون اپنی اصلی حالت پر آ جاتا ہے۔ تعجب ہے اصحاب فقہ حضرت عمرؓ کا یہ حکم لے کر بیٹھ گئے ہیں اور اب تک اسے نافذ کرتے ہیں حالانکہ اب اس کی ضرورت نہیں خصوصاً ہندوستان میں۔ علما کا فرض ہے کہ طلاق جیسے اہم معاملہ میں کتاب اللہ کو قائم کریں۔ اکثر ہوتا ہے کہ غصہ میں لوگوں کے منہ سے تین طلاقیں نکل جاتی ہیں جس کے بعد سخت شرمندہ ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت نبویؐ دونوں ناطق ہیں کہ اس قسم کی طلاق بائن نہیں، لیکن ہمارے علما، فوز ازن و شوہر کو جدا کر دیتے ہیں اور اپنی اقلید کے چلتے سیکڑوں گھروں کی خرابی کے باعث بنتے ہیں۔ اگر علما نہیں تو عام مسلمانوں کو چاہئے کہ کتاب اللہ پر عمل کریں اور حکم شرعی معلوم ہو جانے کے بعد مولویوں کے مقلدانہ فتوے کی پرواہ نہ کریں۔ (مترجم)

کیا اس کا شمار ۳۳ مرتبہ ہو جائیگا؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ اسی طرح جب طلاق کے لئے یہ حکم ہے کہ تین زمانوں میں ایک ایک کر کے دی جائے تو یک دفعہ کا تین طلاقیں دے دینا، تین پر محمول نہ کیا جائے گا بلکہ اس کا حکم ایک طلاق کا ہوگا۔ عمر و بن شعبہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مومن عورت دعویٰ کرے کہ شوہر نے طلاق دے دی، پھر ایک شاہد عادل پیش کرے تو شوہر سے قسم لینا چاہئے، اگر قسم کھالے کہ طلاق نہیں دی تو عورت کا دعویٰ باطل ہو جائے گا، لیکن اگر قسم نہ کھائے تو اس کا یہ انکار بمنزلہ دوسرے گواہ کے ہو جائے گا اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

ظہار ۱:

کتب حدیث میں ہے کہ اوس بن صامتؓ نے اپنی بیوی خولہؓ بنت مالک سے ظہار کیا۔ خولہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بڑی دلیری سے گفتگو کی۔ کہنے لگیں: ”یا رسول اللہ ﷺ! اوس نے مجھ سے اُس وقت رشتہ جوڑا جب میں جوان اور خوبصورت تھی، اور ہر شخص میری طرف میلان رکھتا تھا۔ لیکن اب جبکہ بوڑھی ہو گئی اور پیٹ اولاد سے خالی ہو گیا تو مجھے اپنی ماں کی جگہ بتاتا ہے“ آنحضرتؐ نے سب قصہ سن کر فرمایا: ”تمہارے معاملہ میں میرے پاس کوئی حکم نہیں ہے“ اس پر وہ مایوس ہو کر کہنے لگیں: ”خداوند! اب تجھ سے میرا شکوہ ہے!“ روایت ہے کہ خولہؓ نے یہ بھی کہا تھا کہ ”میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اگر باپ کے پاس رہیں گے، خراب ہوں گے، میرے پاس رہیں گے، بھوکے مریں گے“ حضرت عائشہؓ یہ واقعہ بیان کرتی ہیں: ستائش ہے اُس خدا کے لئے جو سب کی صدائیں سنتا ہے، خولہؓ بنت ثعلبہ، رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے خاوند کی شکایت لے کر آئی، میں گھر کے ایک گوشہ میں

۱ ظہار یہ ہے کہ شوہر عورت سے کہے تو میری ماں کی جگہ ہے۔

بیٹھی تھی اور کچھ کچھ باتیں سن رہی تھی۔ اسی کے بارے میں آیت نازل ہوئی: قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الْبَغِيِّ تَبْجَا دِلْكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِى إِلَى اللَّهِ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اب تیرے شوہر کو ایک غلام آزاد کر کے کفارہ ادا کرنا چاہئے“ وہ کہنے لگی ”اتنی مقدرت نہیں“ فرمایا ”دو مہینے مسلسل روزے رکھے“ کہنے لگی ”بہت بوڑھا ہے“ فرمایا ”اچھا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے“ کہنے لگی ”اس کی بھی استطاعت نہیں“ فرمایا ”میں ایک ٹوکرا دے کر اس کی مدد کروں گا“ اس نے کہا ”میں بھی ایک ٹوکرا دے سے مدد کروں گی“ فرمایا: شاباش! جاؤ ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ اور اپنے ابن عم کے ساتھ رہنے پہنچے لگو“

ایلاء ۱:

بخاری میں ہے کہ جس زمانہ میں رسول اللہ کی ٹانگ میں چوٹ آگئی تھی آپ نے ازواج سے ایلاء کیا تھا۔ چنانچہ ۲۹ دن علیحدہ بالا خانہ میں رہنے کے بعد اترے اور گھر جانے لگے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ نے تو مہینہ بھر کا ایلاء کیا ہے۔ فرمایا مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے“ قرآن میں ہے: لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۲۰

اولاد کا والدین کے مشابہ نہ ہونا:

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ میری بیوی کے کالٹ کا پیدا ہوا ہے“ اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ میرا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: ”تیرے پاس کچھ اونٹ ہیں؟“ کہنے لگا، ”ہیں فرمایا“ کس رنگ کے ہیں؟“ ”کہا“ سرخ ہیں“ فرمایا: ”ان میں کوئی بھورا بچہ بھی ہے؟“ ”کہا“ ایک ہے“ فرمایا: ”تو یہ بھورا اونٹ کہاں سے

۱۔ ایلاء کے معنی یہ ہیں کہ انسان بیوی کے پاس ایک معین زمانہ تک نہ جانے کا ارادہ کر لے۔
۲۔ جو لوگ اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھے ہیں ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے۔ اگر انہوں نے رجوع کر لیا تو اللہ معاف کرنے والا اور رحیم ہے اور اگر انہوں نے طلاق کی ضمان لی ہو تو جانے رہیں کہ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے“

آگیا؟ کہنے لگا ”شاید نسل میں کوئی سیاہ اونٹ ہوگا جس پر پڑا ہے“ فرمایا: ”تو اسی طرح شاید تمہارے خاندان میں کوئی کالا آدمی ہوگا جس پر لڑکا پڑا ہے“

طلاق کے بعد بچہ کس کے پاس رہے؟

ابوداؤد میں ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: ”یا رسول اللہؐ میرا بچہ ہے، میرا پیٹ اس کے لئے برتن تھا، میری چھاتی اسے سیراب کرتی تھی اور میری گود اس کے لئے گہوارہ تھی، اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے“ فرمایا: ”جب تک تو دوسرا عقد نہ کرے اس کی زیادہ مستحق ہے“ حدیث میں ہے کہ ایک لڑکے کو آپؐ نے اختیار دیا تھا کہ چاہے باپ کے پاس رہے چاہے ماں کے پاس۔

نان نفقہ:

عورت کو کتنا نفقہ دیا جائے؟ اس کے متعلق کوئی حکم وارد نہیں بلکہ اسے عرف عام کے حوالہ کر دیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ وفات سے چند ماہ پہلے حجة الوداع کے عظیم الشان مجمع میں فرمایا تھا: ”عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں خدا کی ضمانت پر لیا اور اسی کے نام پر اپنے لئے جائز کیا ہے تمہارے ذمہ ان کا اچھا نان نفقہ ہے“ صحیحین میں ہے کہ ابوسفیانؓ کی بیوی ہند نے آنحضرتؐ سے شکایت کی کہ ”ابو سفیانؓ بخیل آدمی ہے اور اتنا خرچ نہیں دیتا کہ مجھے اور میری اولاد کے لئے کافی ہو، میں اس کی لاعلمی میں اس کے مال سے کچھ لے لیا کرتی ہوں“ فرمایا: ”خیر خواہی کے ساتھ ضرورت بھر کا لیا کرو“ دارقطنی کی روایت ہے کہ جس شخص کے پاس اپنی بیوی کے لئے نان نفقہ نہ ہو، رسول اللہؐ کا فیصلہ یہ ہے کہ طلاق دے دے۔ ابوالزنادؒ کی روایت ہے کہ میں نے سعید بن المسیب سے پوچھا: ”جس کے پاس نان نفقہ نہ ہو کیا وہ اپنی بیوی سے جدا کر دیا جائے گا؟“ میں نے کہا ”کیا یہ سنت ہے؟“ کہا ”ہاں سنت ہے“ مسلم وغیرہ میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس کو جب

ان کے شوہر نے طلاق بائن دے دی اور انہوں نے رسول اللہ کے حضور میں اُس سے نان نفقہ اور گھر کا مطالبہ کیا، تو خود اُن کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے مجھے نان نفقہ اور گھر نہیں دلایا بلکہ ابن ام مکتومؓ کے مکان میں جا کر عدت بیٹھنے کا حکم دیا (جو اندھے تھے اور انہیں دیکھ نہ سکتے تھے)۔ نسائی نے بھی فاطمہؓ کا قصہ روایت کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا نفقہ اور گھر اس عورت کے لئے ہے جس کے شوہر کو رجوع کرنے کا حق ہو۔ اس کی مصلحت قرآن میں یہ بتائی گئی ہے: لَعَلَّ اللَّهُ يُحْدِثَ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا۔ (شاید خدا اس کے بعد (یعنی طلاق کے بعد) کوئی خاص بات پیدا کر دے، یعنی شاید میاں بیوی میں صلح ہو جائے) سورہ طلاق کی ابتدائی آیات میں ہے کہ طلاق رجعی کی حالت میں نہ شوہر بیوی کو گھر سے نکالے اور نہ بیوی خود گھر سے نکلے کیونکہ شاید باہم صلح ہو جائے اس سے ثابت ہوا کہ اگر طلاق بائن ہو جائے یا صلح کی کوئی امید باقی نہ رہے تو عورت گھر میں نہ رہے یہی مذہب علماء سلف کا ہے۔

نفقۃ الاقارب:

ابوداؤد کی روایت ہے: ایک شخص نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا: ”کس سے سلوک کروں؟“ فرمایا: ”اپنی ماں سے، باپ سے، بہن سے، بھائی سے، اپنے قریبی چچیرے بھائی (یا غلام) سے، یہ ایک حق ہے جس کا ادا کرنا واجب اور قرابتداری کا فرض ہے“ نسائی میں ہے: ”دینے والا ہاتھ اونچا ہے، سب سے پہلے انہیں دو جن کا نفقہ تمہارے ذمہ ہے مثلاً تمہاری ماں باپ، بہن، بھائی پھر وہ جو تم سے زیادہ قریب ہیں“ ابوداؤد میں ہے: ”سب سے اچھا کھانا وہ ہے جو تمہاری اپنی کمائی کا ہو تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے لہذا دل کے چین کے ساتھ اپنی اولاد کا مال کھاؤ پیو“

رضاعت:

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ولادت کی بنا پر جتنے رشتوں میں نکاح حرام ہے اُنہی رشتوں میں رضاعت کی بنا پر بھی حرام ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے خواہش کی گئی کہ حضرت حمزہؓ کی لڑکی کو زوجیت میں قبول کر لیں۔ آپؐ نے جواب دیا: ”وہ میرے لئے جائز نہیں“ وہ میرے دودھ شریک بھائی کی لڑکی ہے، جو کچھ نسب سے حرام ہے وہی رضاعت سے بھی“ ابو داؤد میں ہے: ”رضاعت وہی معتبر ہے جو گوشت پیدا کرے اور ہڈی بڑھائے“ ۱۔

عدت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں عدت کو تفصیل بتایا ہے اور اس کی چار صورتیں قرار دی ہیں:

(۱) حاملہ کی عدت: وضع حمل ہے عام اس سے کہ اسے طلاق بائن دی گئی ہو یا رجعی یا اس کا شوہر فوت ہو گیا ہو۔ فرمایا: ”وَأُولَٰئِ الْأَحْمَالُ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط“

۲۔ جمہور صحابہؓ کا یہی مسلک ہے حتیٰ کہ اگر شوہر کے دفن سے پہلے ہی وضع حمل ہو جائے تو بھی عدت پوری ہوگئی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فتویٰ موجود ہے۔

(۲) حیض والی مطلقہ کی عدت: تین طہر ہے۔ فرمایا: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ط ۳۔

(۳) اُس مطلقہ کی عدت جسے حیض نہیں آتا (عام اس سے کہ یہ کم سنی کی وجہ سے ہو یا کبر سنی کی وجہ سے) تین مہینے ہیں۔ فرمایا: وَلَئِنْ يَتَسَنَّ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَاءٍ كُمْ إِنْ أَرَبْتُمْ

۱۔ اس سے ثابت ہوا کہ رضاعت میں ایک دو قطرے یا ٹھونٹ دودھ چینا معتبر نہیں جیسا کہ جہلاء خیال کرتے ہیں۔

۲۔ حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

۳۔ طلاق والی عورتیں تین حیض تک انتظار کریں۔

فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ لَا وَلَئِنِّي لَمْ يَحْضَنْ ط ۱۔“

(۴) بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔ فرمایا: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ
أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ط ۲۔“ یہ حکم اُن بیواؤں کا ہے جو
حاملہ نہ ہوں، کیونکہ حاملہ کا حکم دوسرا ہے، جس کی عدت بہر حال وضع حمل ہے عام اس سے
کہ وضع حمل عام عدت کے اندر ہو جائے یا بعد تک قائم رہے۔

خرید و فروخت:

صحیحین میں ہے: ”اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب، مردہ جانور، سُر، اور بتوں کی خرید
و فروخت حرام کر دی ہے“ اس سے معلوم ہوا کہ تین قسم کی چیزوں میں تجارت حرام ہے: ایسے
تمام مشروب جو عقل برباد کرتے ہیں۔ ایسے تمام کھانے جو مزاج بگاڑتے ہیں، ایسی تمام
اشیاء جو دین میں فساد ڈالتی ہیں۔

WWW.KITABOSUNNAT.COM

۱۔ جو عورتیں حیض سے مایوس ہیں اور جنہیں حیض نہیں آتا ان کی عدت تین مہینے ہے۔
۲۔ جن عورتوں کے شوہر مر جائیں وہ چار مہینے اور دس دن انتظار کریں۔

باب تندرستی

مرض دو قسم کا ہوتا ہے: مرض قلب اور مرض بدن۔ قرآن میں ان دونوں قسموں کے بڑے بڑے امراض اور طرق علاج کی طرف اشارے موجود ہیں۔

قلب کی بیماریوں کا علاج صرف انبیاء علیہم السلام کے پاس ہے، وہی طبیب روحانی ہیں اور انہیں کے علاج سے شفا ہو سکتی ہے۔ عوارض جسم کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک قسم ان عوارض کی ہے جو فطری ہیں اور ان کا علاج بھی فطرت نے ہر ذی روح کو سکھا دیا ہے، مثلاً بھوک، پیاس، گرمی، سردی وغیرہ۔ دوسری قسم ایسے عوارض کی ہے جو اسباب خارجیہ سے لاحق ہو جاتے ہیں اور ان کے علاج میں غور و فکر اور علم کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسوۂ نبوی ﷺ :

صحیح مسلم میں ہے: ”ہر بیماری کے لئے دوا ہے، اگر دوا لگ گئی تو مریض حکم الہی سے شفا پا جاتا ہے،“ صحیحین میں ہے: ”خدا نے کوئی بیماری نہیں اُتاری کہ جس کی دوا بھی نہ اُتاری ہو“ مسند میں اسامہ بن شریک کی روایت ہے کہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر تھا کہ کچھ بدو آئے اور پوچھنے لگے: ”یا رسول اللہؐ کیا ہمیں علاج کرنا چاہئے؟“ فرمایا: ”ہاں، خدا کے بندو! دوا کرو کیونکہ خدا نے کوئی بیماری نہیں اُتاری جس کی دوا بھی نہ اُتاری ہو، بجز ایک بیماری کے جس کی کوئی دوا نہیں“ کہنے لگے ”وہ کونسی بیماری ہے؟“ فرمایا: ”بڑھاپا“ ایک حدیث ہے: ”خدا نے کوئی بیماری نہیں اُتاری کہ جس کی دوا بھی نہ اُتاری ہو، جسے معلوم ہوگئی، معلوم ہوگئی، جسے نہ معلوم ہوئی، نہ معلوم ہوئی“ سنن میں ابو خزیمہؒ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہؐ سے دریافت کیا: ”آپؐ کی رائے جھاڑ پھونک، دوا، اور بیماری سے بچنے کی دوسری تدبیروں کے بارے میں کیا ہے؟ کیا ان سے خدا کی تقدیر ٹل سکتی ہے؟“ فرمایا: ”یہ بھی تو خدا کی تقدیر ہے“ روایت ہے کہ آپؐ ایک بیمار کی عیادت کو تشریف لے گئے اور فرمایا: ”کسی

طیب کو بلاؤ، ایک شخص کہنے لگا ”اور آپؐ بھی یا رسول اللہ ﷺ ایسا کرتے ہیں!“ فرمایا ”ہاں خدا نے کوئی بیماری نہیں اتاری کہ جس کی دوا بھی نہ اتاری ہو۔“

ان احادیث سے اسباب و مسببات کا ثبوت ہوتا ہے اور ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو علاج معالجہ کو رد کرتے ہیں۔

بہترین طیب سے علاج کرانا چاہئے:

موطا میں فرید بن اسلم کی روایت ہے کہ ایک شخص زخمی ہو گیا اور خون اندر بند ہو گیا۔ آپؐ نے بنی انمار کے دو شخصوں کو طلب کیا اور بغوردیکھ کر فرمانے لگے: ”تم میں زیادہ طب کون جانتا ہے؟“ ایک شخص عرض کرنے لگا ”کیا طب سے بھی کچھ فائدہ ہوتا ہے؟“ فرمایا: ”ہاں جس نے بیماری اتاری ہے اُسی نے دوا بھی اتاری ہے“

امراض متعدیہ سے تحفظ:

صحیح مسلم میں ہے کہ وفد ثقیف میں ایک مجذوم بھی آیا تھا۔ آپؐ اُس سے نہیں ملے بلکہ کہلا بھیجا: ”لوٹ جاؤ، ہم نے تمہاری بیعت قبول کر لی“ بخاری میں ہے: ”جذامی سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو“ سنن ابن ماجہ میں ہے: ”جذامیوں کی طرف ٹھٹکی باندھ کر نہ دیکھا کرو“ صحیحین میں ہے: ”بیمار تندرستوں میں نہ داخل ہو“ روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ”جذامی سے ایک یا دو نیزہ کی مسافت سے گفٹگو کرو ۱۔“

نیم حکیم:

سنن ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ میں ہے: ”جس شخص کا طیب ہونا مشہور نہ ہو اور لوگوں کا علاج معالجہ شروع کر دے تو وہ بیمار کی زندگی کا ضامن ہے“ اس سے معلوم ہوا کہ غیر طیب کو

۱۔ یہ تو سنت نبویؐ ہے، لیکن ہم مسلمانوں کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ متعدی امراض سے نہیں بچتے اور جو بچے اُسے مطعون کرتے ہیں کہ ضعیف الایمان ہے (مترجم)

علاج نہ کرنا چاہئے اور اگر کرے تو نقصان کی صورت میں ذمہ داری اسی کے سر ہوگی۔
بد ہضمی:

مسند وغیرہ میں ہے: جو ظرف انسان بھرتا ہے اس میں سب سے بُرا ظرف پیٹ ہے ابن آدم کے لئے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں اور اگر زیادہ کھانا ضروری ہو تو اس طرح کھائے کہ ایک ثلث پیٹ کھانے کے لئے، ایک ثلث پانی کے لئے اور ایک ثلث سانس کے لئے رکھے۔
اپریشن:

حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ ایک شخص کی عیادت کو گیا جس کی پیٹھ پر درم آگیا تھا۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہؐ اس کی پیٹھ میں بتوڑی ہے، فرمایا: ”چاک کر ڈالو“ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ اُس وقت تک وہاں موجود رہے جب تک عمل جراحی پورا نہ ہو گیا۔

بیمار کو کھانے کے لئے نہ مجبور کرنا:

ترمذی میں ہے: ”بیماروں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں کھلاتا پلاتا ہے“ بعض اطباء کا قول ہے کہ یہ حدیث نبویؐ فوائدِ طبیہ سے لبریز ہے۔ کیونکہ بیمار جب کھانے پینے سے منہ موڑ لیتا ہے تو اُس کے کئی اسباب ہوتے ہیں یا تو طبیعت، مرض کے ازالہ میں مصروف ہوتی ہے یا حرارتِ غریزی کے کم ہو جانے سے رغبت نہیں ہوتی، یا اسی طرح کا اور کوئی سبب ہوتا ہے، غرضیکہ ہر حال میں یہی اولیٰ ہے کہ بیمار کو کھانے پینے پر مجبور نہ کیا جائے، الا اتنا کھانا پینا جو طبیب کی رائے میں ضروری ہو۔

بیمار کا دل بہلانا:

ابن ماجہ میں ہے: ”جب بیمار کی عیادت کو جاؤ تو اُسے زیادہ زندہ رہنے کی امید دلاؤ، اس

سے کچھ نہیں ہوتا، لیکن بیمار کا دل خوش ہو جاتا ہے، یہ علاج کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ بہت سے مریض بلا دوا کے محض دل بہلانے کی وجہ سے اچھے ہو گئے۔

حرام سے علاج نہ کیا جائے:

رسول اللہ ﷺ نے حرام چیز دوا میں دینے سے منع کیا ہے۔ شراب کے متعلق آپ ﷺ سے سوال کیا گیا، فرمایا: ”وہ دوا نہیں، خود بیماری ہے“ (کب سنن) بخاری میں ہے: ”جو چیزیں خدا نے تم پر حرام کر دی ہیں ان میں تمہارے لئے شفا نہیں رکھی“۔

خاتمہ

اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا وجود مبارک ”حیاتِ طیبہ“ کا کامل نمونہ تھا۔ آپؐ مادی اور روحانی اصلاح و سعادت کے اصول و قواعد اپنے ساتھ لائے جو بعینہ قرآنی اصول تھے، جن کی پیروی و پابندی سے سلف صالح، ترقی و تمدن، عظمت و شوکت کی معراج تک پہنچے اور جن کے ترک کر دینے سے مسلمان پستی کے گڑھے میں گر گئے۔ اور جہانگیری و جہان بانی کے بدلے اغیار کے محکوم و غلام بن گئے۔

آج مسلمان زندگی کے ہر شعبہ میں پست ہیں حتیٰ کہ مذہب اور مذہبی تعلیم میں بھی ان کی حالت ناگفتہ بہ ہو رہی ہے۔ وہ ایسی کتابوں کے درس و تدریس میں مشغول ہیں جنہوں نے انہیں قرآن سے دور لے جا ڈالا ہے، اب کتاب اللہ کی تلاوت، ہدایت و عمل کے لئے نہیں، صرف تبرک کے لئے رہ گئی ہے۔ حالانکہ اگر ہماری مشغولیت قرآن میں ویسی ہی ہوتی جیسی سلف صالح کی تھی تو آج یہ حالت نہ ہوتی کہ ہم پست ہیں اور اغیار بلند۔ کاش ہم جانتے کہ اغیار کی یہ تمام ترقی و سر بلندی انہیں اصولوں کی پابندی کی بدولت ہے جو قرآن ہمارے لئے لایا تھا، مگر ہم نے ان سے روگردانی کی اور اغیار نے باوجود کافر ہونے کے ان کا خیر مقدم کیا اور تمام دنیا پر چھا گئے!

ایک لمحہ کے لئے ہم اپنے اور ان کے مابین موازنہ کر کے دیکھیں کہ ہم اپنی مذہبی درسگاہوں میں کیا کرتے ہیں اور وہ اپنی دنیاوی زندگی میں کس نیچ پر چل رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ موازنہ نہایت حسرتناک ہوگا کیا عجب ہے کہ حسرت موجب عبرت ہو۔ مسلمانوں را دیکھو غور کرو اور عبرت حاصل کرو۔

ہم اب تک ”صَرَبٌ زَيْدٌ عَمْرُوًّا“ عمرو کو زید سے پٹوانے میں مصروف ہیں اور وہ صنعت و حرفت، تجارت، اور ایجادات و اکتشافات کے سر کرنے میں منہمک ہیں!.....!

ہم ”جمع الجوامع“ اور ”ابن حاجب“ جیسی کتابوں کے رموز و غوامض کی تحلیل میں پڑے ہیں اور وہ اجسام کو بسیط عناصر میں تحلیل کرنے اور اعضاء کے اعمال و وظائف معلوم کرنے میں لگے ہوئے ہیں.....!

ہم منطق کے خیالی گھوڑے دوڑاتے پھرتے ہیں اور صغریٰ و کبریٰ کی فکر میں حیران و سرگرداں ہیں، لیکن وہ اقتصادی انجمنیں بنانے اور خیرات خانے قائم کرنے میں کوشاں ہیں!

ہم اپنے خیالی مقدمات سے نتائج نکالنے کے ادھیڑ پن میں پڑے ہیں، اور وہ سمندروں سے موتی اور مرجان نکالنے اور زمین سے سونا اور جواہرات نکالنے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں.....! ہم ”نَاطِطُ شَرًّا“ اور ”مَعْدِنُ كَرِبَ“ کی ترکیب میں ایزی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور وہ ادویہ و ماکولات مشروبات کی ترکیب میں مصروف ہیں، برقی تار کے جال پھیلاتے ہیں، توپیں قلعوں پر چڑھاتے ہیں، ریل کی پٹریاں بچھاتے ہیں!

ہم استعاروں اور کنایوں کے بنانے میں پریشان ہیں اور ”رَأَيْتُ فِي الْحَمَامِ أَسَدًا“ (میں نے حمام میں شیر دیکھا) کے سے ہزار سالہ پامال استعاروں پر سر دھندتے ہیں، لیکن وہ جہاز بناتے ہیں، سمندروں کو طے کرتے ہیں، پانی ٹلوں میں زمین سے آسمان تک لے جاتے ہیں، بجلی کو تاروں پر دوڑاتے ہیں، اور خشکی اور تری کو ایک کر رہے ہیں.....!

ہم ابھی تک اس بحث سے فارغ نہیں ہوئے کہ جانور کی کھال اور بال طاہر ہیں یا نجس، لیکن وہ انہیں درست کرتے اور ان سے دولت پیدا کر رہے ہیں.....!

صفات الہی کی انتہائی تحقیق ہم نے یہ کی کہ ”قدیم ہیں، ازلی ہیں“ قائم بالذات ہیں، اگر ہماری آنکھوں کا پردہ اٹھ جائے تو انہیں دیکھ لیں۔“ لیکن وہ ان کی تحقیق الفاظ سے نہیں، عمل سے کرتے ہیں، وہ انسانی و حیوانی و نباتی اجسام کے عجائبات سے پردہ اٹھاتے اور قوانین الہیہ فطریہ کے راز فاش کرتے ہیں.....!

ہمارے علوم و فنون کی حدیں لفظی مجادلات سے آگے نہیں بڑھتی، انہیں عمل سے کوئی تعلق

نہیں، تزکیہ نفس اور اصلاح اجتماعی کا اس دفتر پارینہ میں ایک نسخہ بھی موجود نہیں، لیکن ایک وہ ہیں کہ آسمان پر اڑے زمین کے اندر پہنچے پانی اور ہوا پر سوار ہوئے، قدرت کے خزانوں پر قابض ہوئے، ہر چیز کے مالک بنے، حتیٰ کہ ہماری گردنیں بھی نیچی کر دیں اور اپنی غلامی کا بھاری جوا ہمارے گلے میں ڈال دیا....!

یہ ہے ہماری اور یہ ہے اُن کی حالت، پھر صحیح موازنہ کیونکر ہو: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ، إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ!، لیکن بایں ہمہ ہمارا واعظ انتہائی ادعا و نخوت کے ساتھ منبر پر کھڑا ہوتا ہے اور غایت درجہ بے حیائی سے پکارتا ہے: اَلْدُّنْيَا جَنَّةُ الْكَافِرِ وَ سَجْنُ الْمُؤْمِنِ“ (دنیا کافر کی جنت اور مومن کا قید خانہ ہے) یہ کہہ کر وہ مسلمانوں کو اور بھی ترقی و تمدن سے دور کر دیتا ہے، کیونکہ اس کے زعم میں دنیا کو آخرت سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اس کے پاس آخرت کا پروگرام کیا ہے؟ وہ اسے یوں بیان کرتا ہے: ”مَنْ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ رَجَبٍ غُفِرَتْ ذُنُوبُهُ وَلَوْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ وَأُذِخِلَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَأُعْطِيَ مَا لَمْ يُحْصَ إِلَّا اللَّهُ مِنْ نِعِيمِهِ“ (جس نے رجب کے تین روزے رکھ لئے۔ اس کے تمام گناہ معاف ہو گئے اگرچہ بحرِ خار کی مانند ہوں، بغیر کسی حساب کے جنت میں پہنچا دیا گیا، اور اتنی نعمتوں سے شاد کام ہوا جس کا اندازہ بحرِ خدا کے کوئی نہیں کر سکتا! اور کہتا ہے: ”جو شہادتین کا اقرار کرتا ہے۔ امت محمد ﷺ میں ہے اور امت محمد ﷺ کے لئے ہمیشہ خوشخبری ہے!“ اور کہتا ہے: ”نبی ﷺ قیامت میں گنہگاروں کی شفاعت کریں گے، سخت سے سخت مجرم و خاطیٰ جنت میں جاسکتا ہے، اور زیادہ سے زیادہ نیک کردار اور فرمانبردار دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جاسکتا ہے“

غرضیکہ یہ اور اسی قسم کی تعلیمات ہیں جو احساس کو مارتیں، بزدلی، سستی، بدنظمی پھیلاتیں، ہیبت الہی کو زائل کرتیں، خداوندی وعدوں کو مشتبہ بناتیں اور مذہب و مذہبیت کو بے قیمت کر کے

ڈال دیتی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان صرف دعوائے اسلام کو کافی سمجھتا ہے، عمل کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتا، بلکہ اکثر مسلمان تو اسلامی تعلیمات پر مطلقاً چلتے نہیں، لیکن اس پر بھی اسلام کے مدعی ہیں، اصل یہ ہے کہ اسلام برائے نام رہ گیا ہے اور مسلمان صرف مردم شماری کے رجسٹروں میں ملتے ہیں۔ اس افسوسناک حالت کی تمام تر ذمہ داری انہیں بدنما اور شرمناک تعلیمات پر ہے جو ہمارے واعظوں اور ملاؤں کی زبانوں سے نکل کر مسلمانوں کے دلوں میں گمراہی کا گھر بناتی ہیں۔

ہمارے واعظ سن کر دانا بینا انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے اس وسیع دنیا کو صرف کافروں کے لئے مخصوص کر دیا ہے کہ عیش کریں اور سر بلندی حاصل کریں اور مومن کے لئے اسے قید خانہ بنا دیا ہے کہ ذلت و خواری، محرومی و نامرادی، عبودیت و غلامی کے ساتھ اس میں پڑا زندگی کے دن پورے کرتا رہے؟ کیا مومن کے خلق کرنے سے اُس حکیم و برتر کا منشاء صرف اس قدر ہے کہ گلے میں تسبیح ڈالے کسی مسجد یا خانقاہ میں بیٹھا چٹائی توڑا کرے؟ گویا جنت صرف کابلوں، غافلوں، اور غلاموں کے لئے ہے، گویا اسلام ذلت و مسکنت، لا چاری و بے چارگی، غلامی و خواری کا مجموعہ ہے!

حالانکہ اگر دیدہ بصیرت و اہوتا تو ہمارے واعظوں کو معلوم ہوتا کہ اسلام، عمل و نشاط، دولت و ثروت، جاہ و جلال، حکومت و سلطنت کا مذہب ہے۔ اگر خدا نے مومن کو دنیا میں قید اور ذلیل و خوار ہونے کے لئے پیدا کیا ہے تو آخرت میں عزت و سعادت کس بنا پر بخشے گا؟ کیا آخرت کی سرخروئی، دنیا کی روسایا ہی کا معاوضہ ہو سکتی ہے؟ کیا آخرت اسی دنیا کا نتیجہ نہ ہو گی؟ کیا نجات و سعادت کا مدار عمل پر نہیں ہے؟ کیا جنت اُن روسیاء ہوں کو بھی مل جائے گی جن کے کیسے میں بجز دعوئے اسلام اور فسق و فجور کے کچھ نہیں؟ کیا جنت ایسی پڑی لٹ رہی ہے کہ ہر کس و نا کس اس پر قابض ہو جائے گا؟ اگر یہ خیال ہے تو یہ کفر ہے، ضلالت ہے۔ جنت و آخرت، اجر و ثواب کا دوسرا نام ہے۔ جنت و آخرت، عمل اور صرف عمل کا نتیجہ اور

معاوضہ ہے: جَزَاءٌ وَفَاءٌ“ (پورا پورا معاوضہ) اور فرمایا: وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى وَأَضَلُّ سَبِيلًا (جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے بلکہ اور بھی زیادہ گم کردہ راہ) اندھا کون ہے؟ وہ جسے گمراہی نے دین و دنیا سے غافل کر دیا ہے جسے بزدلی اور جھوٹی آرزوں نے اعلاء کلمۃ اللہ اور خدمت امت و وطن سے بٹھا دیا ہے۔ جو قوم اس دنیا میں ذلت و خواری پر قانع ہے اور عبودیت و مسکنت میں زندگی بسر کرتی ہے ضرورت ہے کہ آخرت میں بھی اسی حال پر رہے بھڑکتی ہوئی جہنم میں گرے جنت کی جھلک تک نہ دیکھے کیونکہ وہ کافر ہے مومن نہیں۔

مسلمان آنکھیں کھولیں رسول خدا ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی پر غور کریں اور سنیں کہ خدا نے مومنین کی صفات کیا بتائی ہیں۔ فرمایا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ط أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝

ترجمہ: حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہی سچے لوگ ہیں۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أَنْشَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

ترجمہ: جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ط قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ط كَذٰلِكَ نَفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝

ترجمہ: اے نبی ﷺ ان سے کہو کس نے اللہ کی اُس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟ کہو یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے روز تو خالصۃً انہی کے لیے ہوں گی۔ اس طرح ہم اپنی باتیں صاف صاف بیان کرتے ہیں اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھنے والے ہیں۔

وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۝

ترجمہ: اللہ نے کافروں کے لیے مسلمانوں پر غالب آنے کی ہرگز کوئی سبیل نہیں رکھی ہے۔
وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ ط إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝

ترجمہ: اُس نے زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا، سب کچھ اپنے پاس سے۔ اس میں بڑی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔
وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝

ترجمہ: حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین کے لیے ہے۔
وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ط يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ط وَمَنْ
كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

ترجمہ: اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اُسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے اُن کے لیے اُن کے اُس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں پسند کیا ہے اور اُن کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل

دے گا، بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔

اے غافل قوم! دیکھ یہ ہیں مومن کی علامتیں، نہ وہ جو تجھ میں پائی جاتی ہیں کہ زندگی اور زندگی کے مصالح اور مفاسد سے بے خبر ہے، علوم و فنون سے جاہل ہے، غلامی کے لعنتی طوق گلے میں ڈالے ہوئے ہے، ”مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ کی سی بے مہار زندگی بسر کر رہی ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ تیرے مردہ جسم میں زندگی کا خون دوڑے، رگ حمیت کو جنبش ہو، عمل کی طرف رغبت ہو، آزادی کا جذبہ جاگے، اور شوق شہادت دلوں کو بے تاب کر دے.....!

رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۖ
رَبَّنَا فَاعْفُ رَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ غَنَا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝

WWW.KITABOSUNNAT.COM
KITABOSUNNAT@GMAIL.COM

مختصر تعارف: قرآن آسان تحریک (رجزہ)

الحمد للہ رب العالمین ترجمہ قرآن حکیم کو دو درگوں کے استعمال سے آسان اردو زبان میں اور اس انداز میں ترتیب دینے کا اچھوتا خیال ازل قرآن آسان تحریک (رجزہ) کے بانی صدر مولانا سید شیر احمدؒ کے دل میں پیدا ہوا۔ قرآنی عربی کے جید عالم ہونے کے باوجود اس کام کو عملی شکل دینے کا جہیز ابھی انہوں نے خود اٹھایا۔ اگر ہم 20 سال پیچھے کے اپنے دینی کلچر پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے کی سوچ دہلی دہلی بلکتا پید تھی۔ اس پس منظر میں ترجمہ قرآن حکیم کے کام کو اس انداز میں پیش کرنا کہ لوگوں کو مستوجب بھی کرے اور تحریک بھی پیدا ہو اور یہ کہ قرآن فیسی کے ایک نئے دور کا آغاز بھی ہو۔ اس کا کریٹ خالصتاً قرآن آسان تحریک کے بانی اور دیگر ارکان کو جانتا ہے جنہوں نے اس کام کو ایک انقلابی تحریک کے ذریعہ شروع کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ کام ہمیشہ جاری رہا ہے۔

قرآن مجید کے اس ترجمے کا آغاز 1988ء کے اواخر میں ہوا۔ اس دوران کام کی راہیں مضن کرنے کے لئے متعدد تجربات کیے گئے اور مختلف انداز اختیار کیے گئے جس پر بہت وقت لگا اور شدید محنت کے ساتھ کثیر مصارف بھی ہوئے۔ یہ سارا کام ”رضیہ شریف ٹرسٹ“ کے تعاون سے ہوتا رہا۔ بعد ازاں تقریباً ایک سال کام معطل رہا پھر جب ”قرآن آسان تحریک“ کی رجسٹریشن عمل میں آئی تو دسمبر 1991ء سے اس کام کا دوبارہ اجراء قرآن آسان تحریک (رجزہ) کے پلیٹ فارم سے کیا گیا۔ دسمبر 1993ء سے تین جلدوں میں سورۃ فاتحہ تا سورۃ توبہ جلد اول پھر سورۃ یونس تا سورۃ عنکبوت جلد دوم اور سورۃ روم تا سورۃ الناس جلد سوم شائع ہو چکی ہیں۔ علاوہ ازیں پورا قرآن کریم ایک جلد کامل میں جس کے 1088 صفحات ہیں اور تیس علیحدہ علیحدہ پاروں کی صورت میں بھی شائع ہو چکا ہے جس کے کل صفحات 1104 ہیں۔ ترجمہ پر نظر ثانی کے بعد اب نئے سلف ویز کے ذریعے نئی فلمیں اور پٹنیں بنائی گئی ہیں، ناٹھل اور جلد بندی خصوصیت کی حامل ہیں۔ علاوہ ازیں خوبصورت جہیز ایڈیشن آرٹ جیسے پر شائع کیا گیا ہے۔ اور اب پورا قرآن مجید 5 مختلف سائزوں (مجموعہ، کامل، جمالی، پاکت، ڈائری) میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے انگلش زبان میں بھی اسی انداز کا ترجمہ مرتب ہو رہا ہے انگلش میں پہلے 10 پارے اور پارہ نمبر 30 طبع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ پہلے پانچ پاروں کو ایک جلد میں Vol-1 اور (پارہ نمبر 6 تا 10) Vol-2 میں شائع ہو چکے ہیں اور نماز (Book of Salaat) میں بھی شائع ہو چکی ہے۔

پارہ نمبر 1 تا 5 اور پارہ نمبر 29 اور پارہ نمبر 30 ”أردو مع تلفظ و ترجمہ“ شائع ہو گیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ پارہ نمبر 6، پارہ نمبر 7 اور پارہ نمبر 28 بھی چھاپائی کے آخری مراحل میں ہے۔ اس کاوش کو بہت سراہا گیا ہے۔ اس کے بارے میں قارئین کے بہت سے تعریفی خطوط موصول ہوئے ہیں۔ نیز اگر توفیق الہی شامل حال رہی تو پورے پاکستان میں بالخصوص اور پوری دنیا میں بالعموم اس ترجمہ کو پہنچانا ہمارے مقاصد کا حصہ ہے۔

بنیادی پالیسی

”قرآن آسان تحریک (رجزہ)“ کی بنیادی پالیسی یہ ہے کہ قرآن و سنت کی خالص تعلیمات کو عام کیا جائے اور کسی سیاست اور فرقہ بندی سے علیحدہ رہتے ہوئے قرآن کی خدمت کی جائے تحریک اپنی مطبوعات غیر تاجر انداز میں لوگوں کو فراہم کرے اور کسی بھی قسم کا منافع اور افراد کا مالی تعاون صرف ”قرآن آسان تحریک (رجزہ)“ کے مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کیا جائے تحریک کے تمام کام اسلام کے معروف طریقہ کے مطابق ہوں گے۔

مختصر اغراض و مقاصد

- 1- قرآن حکیم سے مسلمان کا ٹوٹا ہوا رابطہ جوڑنے کی غرض سے سب مسلمان کا یہ مفاد دور کرنے کی جدوجہد کرنا کہ قرآن بہت مشکل ہے، اس کا سمجھنا صرف علماء کا کام ہے اور ایک عام مسلمان کے لئے سمجھنے بغیر محض اس کی تلاوت کر کے ثواب حاصل کر لینا کافی ہے۔
 - 2- مسلمان کو اس بڑی حقیقت سے باخبر کرنا کہ قرآن اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے اور اس مقصد کے لئے اسی نے اسے آسان کر دیا ہے۔ وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ (مقرر: 17) اور یقیناً آسان کر دیا ہے ہم نے قرآن کو فصاحت کے لئے قرآن میں ہونے والے آسان اور مشکل کے درمیان میں توازن قائم کر دیا۔ اللہ کے لئے سمجھنے کو عطا ہوتی ہے (اقبال)
 - 3- عربی زبان نہ جاننے کی وجہ سے ایک عام مسلمان قرآن سے براہ راست فہم مطالب پر قدرت نہیں رکھتا اور روز بان میں جو ترجمے موجود ہیں ان کو پڑھتے وقت ایک عام پڑھنے والا یہ تعین کرنے سے قاصر رہتا ہے کہ ترجمے میں عربی کے کس لفظ کے معنی کیا ہیں؟ اور جو مفہوم ادا ہوا ہے وہ کن الفاظ کا ہے؟ نتیجہ یہ ہے کہ ان ترجموں کو مسلسل پڑھتے رہنے کے باوجود قرآن کا طالب علم کبھی اس قابل نہیں ہو پاتا کہ وہ براہ راست قرآن کے الفاظ سے مفہوم سمجھ سکیں اور مدت العراس کے اور قرآن کے درمیان ترجمہ کا پردہ حائل رہتا ہے، لہذا اس ادارہ نے ایک ایسا ترجمہ مرتب کیا ہے جس میں اردو الفاظ کی ترتیب وہی ہے جو قرآن مجید میں عربی الفاظ کی ہے اور متن و ترجمہ الفاظ اور ان کے معانی کے حتمی تعین کے لیے عربی متن اور اردو ترجمہ دونوں کو مختلف رنگوں میں اس طرح چھپایا گیا ہے کہ عربی کا لفظ جس رنگ میں ہے اس کا ترجمہ بھی اسی رنگ میں ہے تاکہ پڑھتے وقت بغیر کسی دقت کے یہ معلوم ہو جائے کہ عربی کے کس لفظ کے اردو میں کیا معنی ہیں اور پڑھنے والے میں بتدریج قرآنی عربی جاننے اور قرآن سے براہ راست مفہوم سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔
 - 4- قومی اور ملکی سطح پر یہ کوشش کرنا کہ قرآن حکیم کا جو نسخہ مسلمانوں تک پہنچے وہ معیاری، با ترجمہ اور غلطیوں سے پاک ہو۔
 - 5- قرآن حکیم کے پیغام کو تعلیمی اداروں، مساجد اور ویب سائٹ کے ذریعے عام کرنا:
 - 6- قرآن حکیم کی طباعت و اشاعت اور تقسیم کا وسیع پیمانے پر انتظام کرنا اور اس کو دنیاوی تجارت اور منافع اندوزی کے پکر سے نکال کر خالص نجات اخروی کا ذریعہ بنانا تاکہ ہر مسلمان کے لیے قرآن حکیم کا حصول بغیر کسی مالی بوجھ کے ممکن ہو سکے۔
 - 7- قرآن حکیم کی تعلیمات کو پھیلانے کے لیے قرآن حکیم کا ترجمہ دنیا کی معروف زبانوں میں عام فہم انداز میں کرنا اور بڑے پیمانے پر اس کی اشاعت کرنا۔
 - 8- ہم خیال افراد اور غیر سیاسی تنظیموں سے جن کے اغراض و مقاصد تحریک کے مقاصد سے ہم آہنگ ہوں ان کے کاموں میں تعاون کرنا۔
- اگر آپ ان مقاصد سے متفق ہیں تو تحریک کے ساتھ مندرجہ ذیل طریقہ سے تعاون کیجئے
- (الف) تحریک کی رکنیت مبلغ پانچ صد روپے سالانہ اور تاحیات ممبر شپ مبلغ دس ہزار روپے ہے۔
- (ب) زر تعاون حسب توفیق۔
- (ج) مطبوعات کتب خود خریدیں اور خرید کر تقسیم کریں۔
- ”قرآن آسان تحریک“ ایک ایسی شوری کی ہاتھ میں ہے جو اپنی مطبوعات غیر تاجرانہ انداز سے تقریباً لامتناہی پر فراہم کرتی ہے۔ یہ نہ صرف شدید دینی ضرورت ہے، بلکہ اس میں کام آنے والا ہر پیسہ اور ہر کوشش ایک صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اب تک تحریک کے 5000 سے زائد رکن بن چکے ہیں۔ جس میں 375 سے زائد لائف ممبر اور معاونین اس کے علاوہ ہیں۔ مجلس شوریٰ کے اراکین کی تعداد 13 ہے۔ تحریک کے حسابات باقاعدہ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس سے آڈٹ کروائے جاتے ہیں۔ قرآن آسان تحریک (دعوت) کی آمدن اور اس کو دیئے جانے والے عطیات بھی انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔